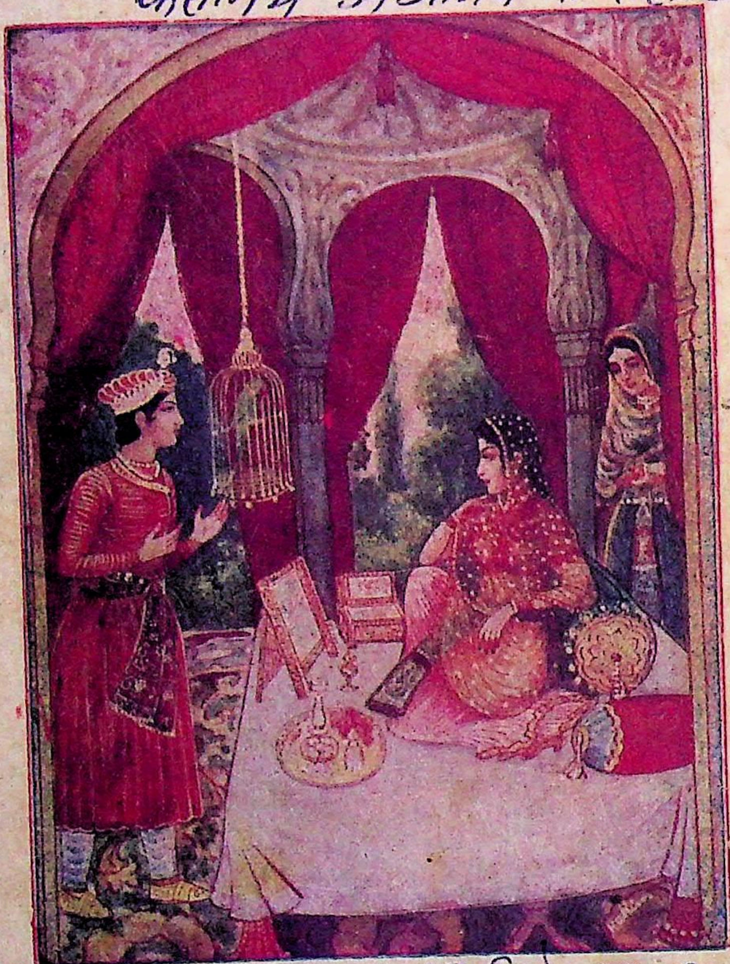
فسانۂ عجائب با تصویر



ناشر

راجہ رام کمار پریس وارث نولکشور پریس بکڈپو لکھنؤ

قیمت

بہ عون صناع بیچون و کمال فضل خلاق زمین و زماں

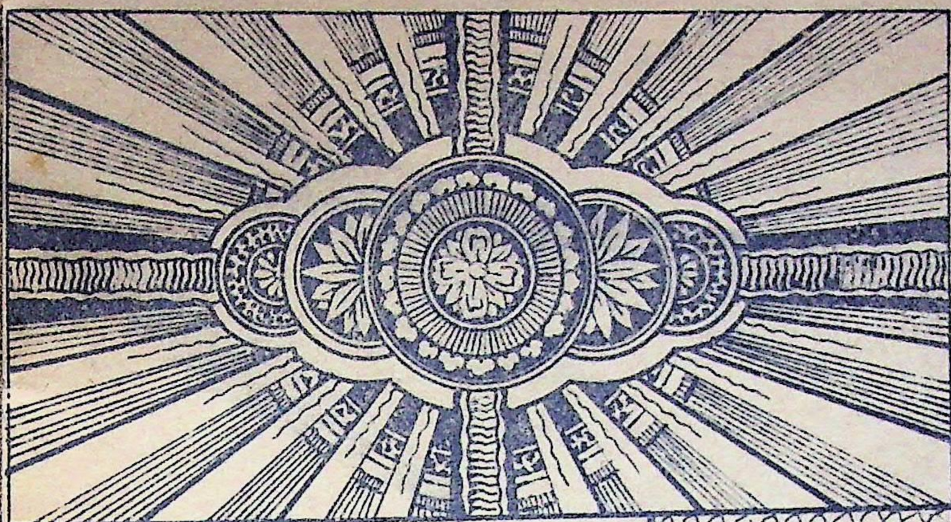
قصہ شیریں بیان داستان رنگین بیان تصنیف جامع کمالات گوہر مرزا رجب علی بیگ سرور یعنی

افسوں ہے فسانہ قصہ خوانوں سے سنا
جادو ہے بیان خوش بیانوں سے سنا

فسانۂ عجائب

با تصویر اب چھپا ہے موجد
آنکھوں سے بھی دیکھ لو جو کانوں سے سنا

حرف بحرف نظر ثانیہ تصرف و تغیرہ مصنف و الحق تصنیف باہتمام بہزاد و تحسین تعریف
(راجہ) رام کمار ریئس اودھ
مطبع نامی منشی نولکشور واقع لکھنؤ میں [illegible] طبع شد



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

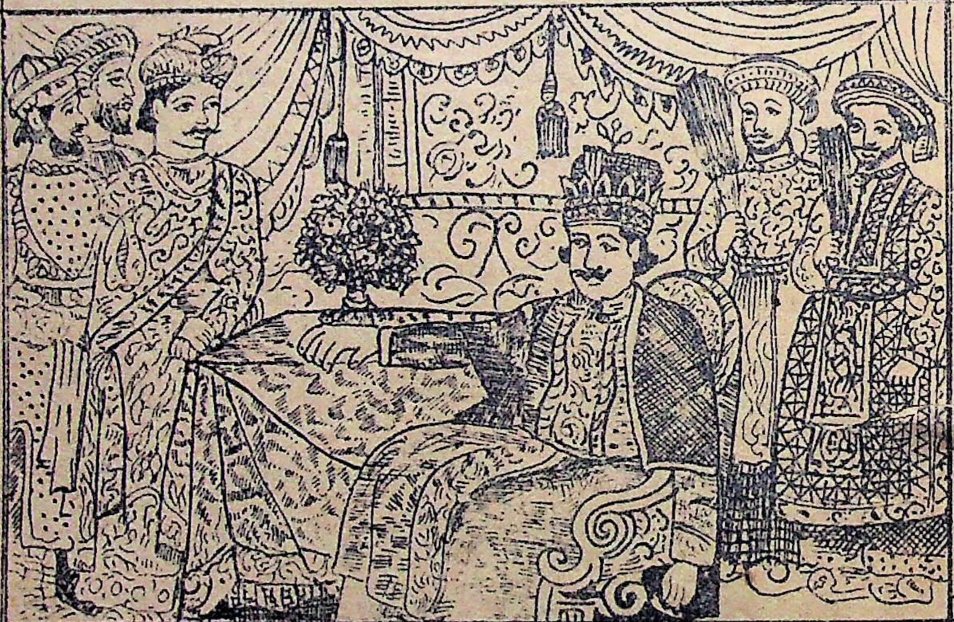
الحمد للہ الذی خلق من الماء بشراً فجعلہ نسباً و صھراً و کان ربک قدیراً سزا وار
حمد و ثنا خالق ارض و سما جل و علیٰ صانع بیچون و چرا ہے جسنے رنگ بے ثباتی سے بایں نگارنگی
تختۂ چمن دنیا پر از لالہ و گل و جز و کل بنایا اور باوجود ترس باغبان و بیم صیاد و اولۂ رخ گل و بلبل کو دیکر
دام محبت میں پھنسایا اور عاشق باوفا و معشوق پر دغا کو ایک آب و گل سے خمیر کرکے پردۂ غیب سے بعرصۂ شہود
لایا ایک خلقت سے دو طرح کا جلوہ دکھایا اور انسان ضعیف البنیان کو اشرف المخلوقات فرمایا جلوۂ حسن
بتان بخدا شیفتگی کا بہانہ ہے نالۂ بلبل شیدا گوش گل رعنا کا ترانہ ہے اسکی نیرنگیوں کے شہو فسانے
ہیں ہم اسکی قدرت کاملہ کے دیوانے ہیں صفت اسکی محال ہے زبان اس تقریر سے لال ہے جس کی
شان میں مخبر صادق یہ فرمائے دوسرا اس عہدے سے کب بر آئے ما عرفناک حق معرفتک

نعت سرور کائنات محبوب خدا برگزیدۂ انبیا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

بعد حمد خالق جن و بشر حاکم قضا و قدر مبداء شام طالع سحر نعت سید کائنات خلاصۂ موجودات
بہترین عالم برگزیدۂ نوع بنی آدم کی ہے جسکے چراغ ہدایت کی روشنی سحر تیرہ بخت گم گشتہ کوچۂ
ضلالت راہ راست پر آئے توفیق رفیق اور مدارج تحقیق کیا کیا مرتبہ بلند پائے اور منحرف کو اور باطلوں
کو فہم ناقص کی کجی اور زعم فاسد نے کیسے کیسے روز سیہ دکھائے اسکے حق میں یہ حکم آیا ہے بچشم غور دیکھو

تو اور کسی نے بھی یہ مرتبہ پایا ہے لولاک لما خلقت الافلاک سرحلقۂ اولین خاتم المرسلین مظہر صنعت
کریم احمد بے میم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ الطاہرین و اصحابہ المکرمین وسلم کوئی شاعر اسکی
شان میں کہتا ہے لا اعلم پیش از ہمہ شاہان غیور آمدۂ ⁂ ہر چند کہ آخر بظہور آمدۂ ⁂ اے ختم رسل قرب
تو معلوم شد ⁂ دیر آمدہ از راہ دور آمدۂ ⁂ اس مشت خاک کا کیا فہم و ادراک جو شمۂ صفات
ذات بابرکات زبان پر لائے جو عجز میں نہ دم آگے کام زبان ناکامی سے فوراً جل جائے اور منقبت
امیر المومنین امام المتقین یکہ تاز میدان لافتیٰ خلاصۂ مضمون سورۂ ہل اتیٰ یہی کافی ہے جسے پیمبر نے
کہا لحمک لحمی دمک دمی علی منی وانا منہ اور مدح اہلبیت رسالت کہ ولا انکی ایمان کی دلیل ہے اور
محبت انکی ہر فرد بشر کو واجب بابن حدیث جلیل ہے مثل اہل بیتی کمثل سفینۃ نوح من رکبھا نجی ومن تخلف عنھا غرق و ہوی

مذکورہ شاہ غیور قباد شوکت نوشیروان معدلت غازی الدین حیدر بادشاہ غازی وارث دودمان سعادت



پس از حمد خدا و نعت سرور انبیا لازم و ضرور ہے کہ مدح والی ملک بیان کرے قولہ تعالیٰ اطیعوا اللہ
واطیعوا الرسول واولی الامر منکم اگرچہ صفت شاہ زمان گدا کو بیان کرنا چھوٹا منہ بڑی بات ہے مگر
نام نامی و توصیف ذات گرامی اس کی وسیلۂ توقیر اس تحریر اور مفتاح باب اس پریشان تقریر کا
جان کر شمۂ از شمائل و ذرہ از خورشید فضائل رقم کرتا ہوں شاہ کیوان بارگاہ بلند مرتبہ عالیجاہ سرحلقۂ

شاہان والا تبار جم شوکت فریدون فر سلیمان اقتدار کشور گیر ملک ستان خدیو گیہان ابو المظفر معز الدین
شاہ زمن غازی الدین حیدر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ و ایدہ اللہ بالنصر ابو المظفر جل جلالہ
اگر معرکۂ رزم یا صحبت بزم اسکی انشا کروں صفحۂ دنیا پر نہ لکھ سکوں دم رزم رستم و سام زیر سایۂ شمشیر نال
لرزاں اور وقت سخا اور عطائے زر و مال حاتم کے ہاتھ میں کاسۂ سوال بزم و طرب میں زہرہ و مشتری سرگرم
نغمہ پردازی و عربدہ سازی ہنگام عتاب و خشم مریخ مستعد جلادی بیدادی پر ادنی اعنایت سے
بیت: چناں بموسم سرما دوشالہا بخشید ؛ کہ گرم ہمہ ہنگامہ سر و شد کشمیر ؛ بیکہ سحاب بخشش اس بحر عطا
کا روز و شب مزرعۂ دہر پر بارش رکھتا ہے شہر میں سالہا کان مشتاق سائل کی صدا کا
اور دیدہ ندیدہ صورت گدا کا عدل یہ کہ ہاتھی چیونٹی سے ڈرتا ہے شیر بکری کی اطاعت کا دم
بھرتا ہے بچشم اس کے عہد دولت میں ہزاروں نے دیکھا بکری شیر کے بچے کو دودھ پلاتی تھی
کنار میں شفقت سے سلاتی تھی باز تیز پرواز بچۂ گنجشک کا دمساز اور نگہبان بلی کی عادت جبلی
یہ کہ کبوتر سے ہراساں دونوں دل اندوہناک دزد ہر خانہ سے مسدود شحنۂ والا رخنہ بندی فساد
کو موجود اللہ تعالی اس امیدگاہ عالم و عالمیان کو اپنے حفظ و اماں میں سلامت رکھے دولت
خواہ اس والا جاہ کے بعیش و شادی مدام اور دشمن روسیاہ بہ رنج نامرادی گرفتار آلام رہین
بحق رب العالمین بہ تصدق پنجتن

بیان مؤلف دربارۂ لکھنؤ و ذکر صنعت مردمان خجستہ رو و تذکرہ ہر صاحب علم و کمال حسب علی قدر حال و نغمات و مکانات شہر

یہ پنبہ دہان ہیچمدان محرر داستان مقلد گذشتگان سراپا قصور رجب علی بیگ تخلص سرور متوطن
حال خطۂ بے نظیر دلپذیر رشک گلشن جناں مسکن حور و غلمان جائے مردم خیز باشندے یہاں کے ذکی فہیم
عقل کے تیز اگر دیدۂ انصاف و نظر غور سے اس شہر کو دیکھے تو جہاں کی دید کی حسرت نہ رہے آنکھ
بند کرلے شعر: ستار رضوان بھی جس کا خوشہ چین ہے ؛ وہ بیشک لکھنؤ کی سرزمین ہے ؛ سبحان اللہ
و بحمدہ عجب شہر گلزار ہے ہر گلی کوچہ دلچسپ باغ و بہار ہے ہر شخص اپنے طور پر باوضع قطعہ دار ہے
دو رویہ بازار کس انداز کا ہے ہر دکان میں سرمایہ ناز و نیاز کا ہے ہر چند ہر محلے میں جہان کا
ساز و سامان مہیا ہے پر اکبری دروازے سے جلو خانے اور پکے پل تک کیا صراط مستقیم ہے کیا جلسہ ہے

نان بائی خوش سلیقہ شیرمال کباب نان نہاری جہان کی نعمت اس آبداری کی تھا جسکی بو باس سے
دل طاقت پائے دماغ معطر ہو جائے فرشتہ گذرے تو سونگھے کیسا ہی سیر ہو فرانہ دیر ہو دیکھے
سے بھوک لگ آئے وہ سُرخ سُرخ پیاز سے نہاری کا بگھار سُریلی جھنکار شیرمال تنگرے کے رنگ کی
خستہ بُھربُھری ایک بار کھائے نان نعمت کا مزہ پائے تمام عمر ہونٹ چاٹتا رہے ہمارے کباب اس آب و تاب
کے کہ مرغ و ماہی کا دل سیخ آہ پر حسرت محرومی سے کباب ادرک کا لچھا میاں خیر اللہ کی دوکان
کا بال سے باریک کترا ہاضم نایاب حسینی کے حلوا سوہن پر عجیب جوبن اُس کی شیرینی کی گفتگو
میں لب بند جہاں کو پسند پپڑی دبیز بسی بسائی لذیذ ہونٹ سے کھائے دانت کا اُسپر تمام عمر
دانت رہے دانت لگانے کی نوبت نہ آئے جوزی خوب حبشی اہل ہند کو مرغوب دو دھیا شیرخوارہ
نوش کر جائے ہر کنجڑن کی وہ تیکھی چتون آدمی صورت دیکھتا رہے رعب حسن سے بات
نہ کر سکے سُن کر نین پریزاد سرو قامت رشک شمشاد دوکانوں میں انواع و اقسام کے میوے
قرینے سے چنے روز مرے محاورے اُنکے دیکھے نہ سُنے کبھی کوئی پکار اٹھی میاں ٹکے کو ڈھیر لگا
دیا ہے کوئی موزوں طبیعت یہ فقرہ سناتی مزہ انگور کا ہے رنگتروں میں کسی طرف یہ صدا آتی ہے
گنڈیریاں ہیں پونڈے کی ایک طرف تنبولن سرخروئی سے یہ رمز کنایہ کرتے بولی ٹھولی میں
چبا چبا کر ہر دم یہ دم بھرتے مگھئے کا منھ کالا ہو باگرد کر ڈالا عبیر ہے نہ گلال ہے کتھے چونے
اڈھی میں مکھڑا لال ہے۔ گلیوں میں گجردم یہ آواز آتی ہے شیرمال ہے گھی دودھ کی مفلس
کا دل اچاٹ ہے ٹکوں کی چاٹ ہے۔ کدھر لینے والے ہیں نمش کی قفلیاں اور کھیر کے پیالے
ہیں۔ کیا خوب بھُنے بُھربُھرے ہیں چنے۔ برّل اور مُرمُرے ہیں جیٹھ بیساکھ کی وہ گرمی جسمیں چیل
انڈا چھوڑتی ہے دو پیسے کی برف کی قفلی جمی دکھائے بدن تھرتھرائے زیادہ ہو کا کہنے لقوے
و فالج میں مرے سیر چوک ہمیشہ شانے سے شانہ چھلا نسیم و صبا کو سیدھا رستہ نہ ملا شیخ کولی کی
مٹھائی جس نے کھائی جہاں کی شیرینی سے دل کھٹا ہوا انبارس کا کھجلا بھولا متھرا کے پیڑے
کا ٹھٹھا ہوا برفی کی نفاست بو باس در درا ین نقرئی ورق کا جوبن کبھی اور شہر کا رکابدار اگر
دیکھ پائے یا ذائقہ لب پر آئے زندگی تلخ ہو ہاتھ کاٹ کاٹ کر کھائے امرتی سلسل کا ہر پیچ
ذائقہ کو پیچ و تاب دیتا یا قوتی مفرح کا مزہ جب منھ میں رکھا اصل تو یہ ہے عسل مصفی جنت کی

نہر کا حلق سے اُترا اِبراجیون کی گلی کی کھجوریں لذت ٹپکتی ذائقے میں جو رہتر ازانگور نہایت آب و تاب
ہم خرما وہم ثواب بالائی نوراکی دوکان پر جب نظر آئی بے قند و شکر شکر گنور علی نور کہکر چھری سے
کاٹ کر کھائی مدار یئے حقے وہ ایجاد ہوے کسگر ایسے استاد ہوے کہ جب ترّاقا انکا سنا پیچوان کا
دم بند ہوا پھانا کا تمباکو شاکِ عنبر کی خوشبو جس نے ایک گھونٹ کھینچا اسی کا دم بھرنے لگا علی الخصوص
مرد تماش بیں کے واسطے یہ شہر خراد ہے یہاں ہر فن کا اُستاد ہے سیکڑوں گھامڑ بدشکل کندہ
ناتراش اطراف وجوانب سے آ ہفتہ عشرے میں چھل چھلا وضع دار ہوگئے جب بوتراب خاں کے
کٹرے میں جامیاں خیراتی سے کسی کی خیرات میں خط بنوایا بارہ برس کے بن کا گالوں سے
مزہ آیا چار پہر کھونٹی ٹوپی پتہ نہ پایا کاتب قدرت کا لکھا مٹاتا ہے ایسا خط بناتا ہے سید حسین خاں
کے دروازے پر عبداللہ عطر فروش کی دوکان جائے نشست ہر وضعدار جوان ہے دو پیسے
میں بیلے چنبیلی کا تیل ریل پیل فتنہ برپا کرنے والا ایسا ملا کہ سہاگ کا عطر گرد ہوا جو بو سے دل تر ہوا
عطر کی روئی رکھی کان میں پھر جا بیٹھا کسی افیونی کی دوکان میں سفید سفید چینی کی پیالیاں
خوبصورت رنگتیں نرالیاں افیون فیض آبادی لاے کی وہ رنگین جس نے تریاک مصر کے نشے
کرکرے کئے زیادہ پی جانے والے کو جان کے لاے ہوے ایسے متوالے ہوے جھگڑا بادۂ
ارغوانی و زعفرانی کا پیدا تبدیل ذائقہ کو فرنی کے خوانچے نقرئی ورق جمے پستے کی ہوائی
چھڑکی ہوئی مہیا چسکی پی ایک دم کے بعد دم حقہ کا کھینچا آنکھوں میں سُرور موجود ہوا وہاں
سے بڑھا کان میں آواز آئی بیلے کے ہار ہیں شوقین البیلے کو پہن رے چلا جا فرنگی محل کے میلے
کو جب یہ سج بنی بگڑا پنجوں کے بل چلا پھولا کہ وطن کی چال ڈھال راہ و رسم بھولا اکثر باہر سے
آیہ دھج بنا جونپور کے قاضی ہونے کو مفتی ہیں راضی ہوگئے برسات کا اگر موسم ہے شہر کا یہ عالم ہے
ادہر مینھ برسا پانی جا بجا بہ گیا گلی کوچہ صاف رہ گیا ساون بھادوں میں زرد وزی جوتا پہن کر
پھریے کیچڑ تو کیا مٹی نہ بھرے فصل بہار کی صنعت پروردگار کی قدرت رضوان جن کا شایق
دیکھنے کے لایق روز عیش باغ میں تماشہ کا میلہ ہر وقت چمن کا جلسہ موتی جھیل کا پانی چشمۂ زندگانی
کی آب و تاب دکھاتا پیاسوں کا دل لہراتا سڑک کے درختوں کی فضا جدا کھجوا موجیں مارتا ہار سنگار
کے جنگل میں لوگوں کا جگھٹا زنگار رنگ کی پوشاک آپس کی جھانک تاک تختۂ لالہ و نافرمان جنبر

قربان بندہ ہائے خاص کی سبکروی خرام ناز ہر قدم پر کبک دری چال بھولکر جبین نیاز رگڑتی
شاخ سرو اُنکے روبرو نہ اکڑتی شایق ہزار در ہزار شمع پر پروانوں کا عالم غول کے غول باہم
کے درختوں میں ٹپکا لگا خاص جھولا وہیں پڑا جھولنے والوں پر دل ٹپکا پڑتا محبت کے پینگ
بڑہتے دیکھنے والے درود پڑہتے باغ میں کوئل پپیہے مور کا شور جھولے پر گھٹا رہی وہ بھی گھنگھور
ساون بھادوں کے جھالے وہ رنگین جھولنے والے دشت غربت میں یہ جلسہ جو یاد آجاتا ہے
دل پاش پاش ہوجاتا ہے کلیجہ منھ کو آتا ہے نہ کہ کانپور کی برسات ہیہات ہیہات دخل گیا
دروازے سے باہر قدم دھرے اور پھسل نہ پڑے گلی میں پانوں رکھا کیچڑ کا چھپکا سر پر پہونچا دو
اس فصل میں باہم نہ دیکھے مگر چھلے کے پھنسے اور جنھیں سواری کا مقدور نہیں دخل کیا جو وہ جائیں
کہیں اُنکے حق میں برسات حوالات گھر جیلخانہ نہ کہیں جانا نہ آنا اگر خواب میں کہیں نکل گئے تو چونک پڑے
کہ پھسل گئے اور جو بازاری کاروباری ہیں اُنکا یہ نقشہ دیکھا ہاتھ میں جوتیاں پائیجامہ چڑھا کیچڑ میں لت پت
یہاں گرے وہاں گرے خدا خدا کر جیتے گھر پھر کر اور جو شیخی کے مارے ننگے پاؤں نہ نکلے تو شعر دیکھی ہے
یہ رسم اس نگر میں ؛؛ جوتا ہے گلی میں آپ گھر میں ؛؛ پھر بر سر مطلب آیا خاص بازار کہ شہر وسیع خوش قطع
ہے اسکے نقشے سے مانی و بہزاد نے خار کھایا شبیہ کشی تو کیا خاکہ خاک نہ کھینچا ہاتھ تھرایا کوٹھیاں
فرح بخش و دلکشا برج ہر ایک جہاں نما سلطان منزل و راستی منجن نشاط افزا تو بشکن انسان
کو دیکھ کر سکتہ ہوجائے کام اُن کا وہم و قیاس میں نہ آئے سر راہ کہ بارہ دری جواہر سے جڑی ہوئی
کی صورت قریب نہر جاری تکلف کی تیاری پائیں باغ اُس کا جس نے دیکھا باغ ارم سمجھا سوسن صفت
ان ہزار دس باتیں ہم پہونچیں تعریف نہ کر سکا گونگے کا سپنا ہوا رومی دروازہ اس رفعت و شان کا ہے
گذرگاہ ایک جہان کا ہے اگر اُس پر چڑھ جائے بام فلک پست معلوم ہو فرشتوں کا شور
کان میں آئے سپہر اولیں اس کی زمین ہے شش جہت میں دوسرا نہیں ہے مسجد انتخاب ہے امام باڑہ
لاجواب ہے مقبرے عالیشان وہ نادر مکان کہ فلک بدیدۂ انجم نگراں ہے اُنکے نظیر کی جستجو
میں شمع مہ و خورشید روز و شب روشن کیے کو بکو سرگرداں ہے اگر پاؤں پھیلانے کی جگہ نہیں
ہاتھ آئے سر دست مر جانے کو جی چاہے گومتی کے انداز سے نہر کی کیفیت نظر آتی ہے طبیعت
لہراتی ہے دو رویہ آبادی عمارت کہیں رمنے کہیں جا باغ بے صبح و شام وہ بہار نظر آتی ہے کہ

شام اودھ اور بنارس کی سحر بھول جاتی ہے شہر نفیس مجمع رئیس ہر فن کا کامل یہاں حاصل ہے
خوشنویس حافظ ابراہیم صاحب سلمہٗ اس قطع کا قطعہ لکھا جو میر علی یا آغا جیتے ہوتے اپنے لکھے کو
روتے اشک حسرت سے وصلیاں دھوتے مرزائی صاحب کا یہ حال تھا کہ کوئی پرچہ اُن کا
انکی نظر پڑ جاتا نیز نیزہ بریزہ کہتا یاقوت رقم ہیرا کھاتا مرثیہ خوان جناب میر علی صاحب نے
وہ طرز نو مرثیہ خوانی کا ایجاد کیا کہ چرخ کہن نے مسلم الثبوت استاد کیا علم موسیقی میں یہ کمال بہم
پہونچایا اس طرح کا دھرپت خیال پٹہ گایا اور بتایا کہ کبھی کسی نائک کے وہم و خیال میں نہ آیا تھا
ایک رنگین احاطہ کھینچا ہے جو اسمیں آیا پھولا پھلا وہ اُن کا پیرو ہوا اور جس نے ڈھنگ جدا
کیا وہ ٹکسال باہر بد رنگ ہوا اگر تان سین جیتا ہوتا اُنکے نام پر کان پکڑتا بھیک نگ کھاتا مگر
نہ گاتا ہزاروں شاگرد جگت اُستاد ہوا مولوی سب میں بری زاد ہوا امیر ثنیں حسین علیخاں
بلبل ہزار داستان خوش الحان مرثیہ گو بے نظیر میاں دلگیر صاحب باطن نیک ضمیر خلیق فصیح مرد مسکین
مکروہات زمانہ سے کبھی افسردہ نہ دیکھا اللہ کے کرم سے ناظم خوب دبیر مرغوب سکندر طالع اجیوت گدا
بار احسان اہل دول کا نہ اٹھایا عرصہ قلیل میں مرثیہ سلام کا دیوان کثیر فرمایا طبیب ہر ایک مسیحائی
کرتا ہے قم باذنی کا دم بھرتا ہے جسے دیکھا بقراط سقراط جالینوس زماں ہے اس معنی میں خطہ رشک
زمین یونان ہے میرک خانصاحب پرینے کے فن سے ایسے آشنا ہوئے کہ مردم بحر و بر سرگرم ثنا ہوئے شاعر زبان
زجان
دان ایسے کہ عرفی اور خاقانی کی غلطی بتائی فردوسی و انوری کی یاد بھلائی شیخ امام بخش ناسخ نے
یہ ہندی کی چندی کی اور روزمرے کو فصیح و بلیغ کیا کہ کلام سابقین منسوخ ہوا فصحائے شیراز و صفاہان
اس سیف زبان کا لوہا مان گئے اپنے قبح پر منفعل ہوئے اس زبان کا حسن جان گئے زمین شعر کو
پہونچایا سیکڑوں کو استاد بنایا خواجہ حیدر علی آتش کی آتش بیانی شرر افشانی سے دل جلوں کے
سینے میں سوز و گداز ہے مرد قانع شاعر ممتاز ہے فرنگی محل کا حال کیا لکھوں کہاں زبان دوست کا یارا
جو شمہ لکھتا مولوی فاضل عدیم المثال ہر شخص جمیع علوم کا استاد کتب درسی ابتدا سے انتہا تک
یاد منقول و معقول میں کوئی دقیقہ باقی نہ رہا ریاضی کے ریاض سے آسمان کو زمین کر دیا مولوی
انوار کا پرتو فیض جہاں میں روشن مولوی مبین دوربین سراج انجمن مولوی ظہور اللہ سبحان اللہ ایسے
فقیہ محقق کہاں ہوتے ہیں یہی لوگ نادر الزماں ہوتے ہیں اہل دہر رکن دین بلا کد میر سید محمد مجتہد

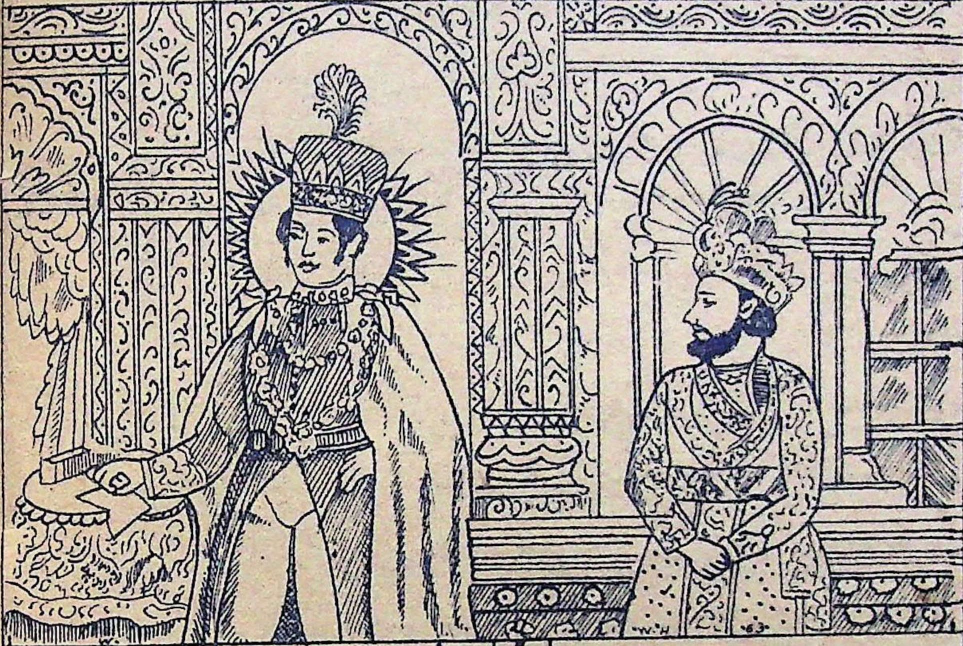
مستند مرزا کاظم علی متقی اخوند محمد رضا رضائے خدا کا جو یا حامل قرآن ہمہ دان کسی علم میں عاری نہیں
روئے زمین پر آقا محمد تبریزی سا قاری نہیں مگر وہ جو شل ہے نیک اندر بد یہ اصل ہے لب معشوق
مولویوں سے وہ رنڈیاں پری شمائل زہرہ پیکر مشتری خصائل اس ناز و انداز سحر کرامات غمزہ عشوہ
او اگات بانکی کہ ہاروت ماروت تو کیا معاذ اللہ اگر سب فرشتے عرش سے فرش خاک پر آئیں انکی
چاہ میں لکھنؤ کے کنویں بھر جائیں گھڑی بھر ان سے زانو بزانو بیٹھے تو بہ نصوحا توڑے انکا دروازہ نہ چھوڑے
لوئی چرخ ان پر نثار ہے ہر ایک حور کردار ہے خوش مزاج مردم شناس روزمرہ شستہ دم
تقریر رمز و کنایہ اس کوچہ کے فیض سے انسان آدمیت بہم پہونچاتا ہے تراش خراش اثر صحبت سے
کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے کلاونت قوال بے مثال چھجو خان غلام رسول سب کے موسیقی میں کمال حصول (ر. کلانوت)
شوری کی منہ زوری کی دھوم ہے ٹپے کا موجد ہوا سب کو معلوم ہے بخشو اور سلاری نے طبلہ ایسا
بجایا کہ پکھاوج کو شرمایا پتنگ ایسا بنایا ایسا لڑا کہ نزدیک و دور مشہور ہے ستر چھتر تار ڈور کا پتنگ
خیراتی یا چھنگا کے ہاتھ کا لڑائی کی گھات کا رستم کی عافیت تنگ کر نیوالا سخنی ہاتھ پاؤں پر مولوی
عمدو نے ایسا لڑایا عمداً اتنا بڑھایا کہ کروبیوں سے عبادت چھوٹی دوڑ دوڑ کر ڈور لوٹی آنکھ بچا کر پیٹا
توڑا فرشتے خاں کا پتنگ نہ چھوڑا مردان بیگ مانجھا دینے والا دیکھا نہ سنا غرضکہ جو چیزیں یہاں نئی
بنیں اور ایجاد طبیعت سے کاریگروں نے نکالیں سلف سے آج تک نہ ہوئی تھیں اوگی زردوزی
ایسی بنی ایسی باریک چھپی کہ باہر بند و اسکے بنے جو پائیں بجائے جیغہ و سرپیچ سر پر لگائیں جوتا خوردنوک
کا بیر علی نے اس نوک جھونک کا بنایا کہ جہاں کو پسند آیا آرام پائی جس کے ہاتھ آئی دل نے چین پایا
پائینس سال دیکھ بھال کی ایسا شہر یہ لوگ نظر سے نہ گذرے اور تو اور شہدا بیر بخارا کا تماشا سید الشہدا
کا شیدا برس روز میں جو پیدا کیا عشرۂ محرم میں محتاجوں کو نذر حسین کھلا دیا یہ یکرنگی مزاج میں سمائی
تمام سن جوا کھیلا دوے کے داؤں پر ادھی نہ لگائی ایک روپیہ ہوا خواہ سو کہدیا پو سیکڑہ داؤں (ا ز ۶)
میچے گئے منھ سے نہ پنچے گئے وہاں بھی ایک چوک لگا رہتا ہے آدمی کے چھکے چھٹ جاتے ہیں
جب وہ لوگ نظر آتے ہیں شائع فقیر دکے از خوب خواب راحت میں آسودہ سالک و مجذوب شاہ بیناشاہ
پیر محمد شاہ خیر اللہ ایک سے ایک سبحان اللہ ظاہر مردہ حقیقت میں جیتے ہیں اشیائے لطیف کھاتے پیتے
ہیں مولوی عبد الرحمن برگزیدۂ یزدان عالم باعمل درویش اکمل خواجہ باسط اور میر نصیر الدین جنکا عدیل نہ نظیر خواجہ حسن

سرگروہ انجمن طبیعت بسکہ مصروف باختصار ہے ایک ایک فقرہ لکھا وگرنہ ان بزرگواروں کی صفت
میں کتابیں تحریر کرے تو بجا ہے مگر شعر کار دنیا کسے تمام نکرد ؂ ہر چہ گیرید مختصر گیرید ؂ اسپر عمل کیا
منصف سے انصاف طلب ہیں ہٹ دھرم سے کیا کہیں جھوٹے کے روبرو سچّا رو دیتا ہے بالفرض معترض
کہے یہ لوگ کہاں تھے تو یہ جواب شافی کافی ہے کہ یہ شہر ایسا تھا جیتے جی یہاں سے نہ نکلے مرگئے
پر یہیں رہے اور یوں تو مصرع کس نہ گوید کہ دوغ من ترش است ؂ جو گفتگو لکھنؤ میں کو بکو ہے کسی
نے کبھی سنی ہو سنائے لکھی دیکھی ہو دکھائے عہد دولت بابر شاہ سے تا سلطنت اکبر ثانی کہ مثل
مشہور ہے نہ چولھے میں آگ نہ گھڑے میں پانی دہلی کی آبادی ویران تھی سب بادشاہوں کے عصر کے
روزمرے لہجے اردوے معلیٰ کی فصاحت تصنیف شعراء سے معلوم ہوئی یہ لطافت اور فصاحت
وبلاغت کبھی نہ تھی نہ ابتک وہاں ہے قطع نظر اس سے لوگ اس خلقت کے گرہ سے کھوئیں اور
جلسہ کریں چنانچہ ایک بندہ کے شفیق جگت آشنا مرزا محمد رضا مجمع خوبی از پا تا فرق تخلص برق
فی الحقیقت کلام بلاغت نظام اُن کا صاعقۂ خرمن ہستی حاسد ہے بھائی بند شاعروں کا بازار
اُن کے روبرو کاسد ہے جوان خوشرو بہادر آشنائے بامزہ نیک خو شب ماہ صحبت مشاعرہ بدولتخانہ
مرزا معین ہے رئیس امیر صغیر وکبیر تشریف لاتے ہیں اس مکان وسیع میں آدمیوں کی کثرت سے
جگہ کی قلت ہوتی ہے ہوا کشمکش سے بار پاتی ہے جب پنکھے کی سعی اٹھاتی ہے سخن سنج بیرنج خوشگو
نازک فہم باریک بیں یکجو جمع ہوتے ہیں لوگ اُن سے وہ لوگوں سے حظ اٹھاتے ہیں تلامذہ مرزا کے
ممدوح خدمت کو حاضر کوزے کوزے مدار یئے دمبدم گلوریاں ورق لگی کتھا بسا چونا سنگ مرمر
کا متواتر قبل از غزل خوانی افیون کا چرچا ہو جاتا ہے کوئی پیتا ہے کوئی کھاتا ہے اگرچہ کسی کی
چائے کی ہوئی دودھ پیتے بچے تک کو شیر چائے موجود کردی ہمیشہ صبح اس شام کے جلسے کی
ہو جاتی ہے طبیعت نہیں گھبراتی ہے گھر جانے والوں کو صدائے مرغ سے ندائے اللہ اکبر آتی ہے
ہرچند سب لوگ یہاں کے فہر ہیں مگر یہ بزرگوار زینت شہر ہیں اور لکھنؤ کے جیسے بازاری
ہیں کسی شہر کے ایسے ہفت ہزاری ہیں دلال مرفہ حال خوش پوشاک چلکے چمکائے اور ملکوں
کے سیٹھ کروڑپتی چوتڑیں لنگوٹی یا دھوتی جب بڑا تکلف کیا گاڑھے کا مرزائی پہن لیا
کلمۂ حق کہنے والے کا مدار دار پر ہوتا ہے منصور نگر اس کا محلہ ہے یہ نکتہ بگوش دل جان سن الحق مر حاسد دیکھے

خوف سے۔ یہ مذکور مختصر کیا اگر زیادہ لکھتا۔ قصہ ہوتا کوتاہ بیں لکھنؤ کے نام سے چڑھ جاتے ہیں رشک
کھاتے ہیں افترا پردازی کرتے ہیں جل مرتے ہیں اچھے آغاز کا انجام بخیر ہوتا ہے اللہ تعالی اشفقت
کسی کی بیکار نہیں کھوتا ہے یہ فسانہ بعہد دولت شاہ غازی الدین حیدر شروع ہوا تھا اور تمام بعہد
سلطان بن سلطان ابو النصر نصیر الدین حیدر دام ملکہ ہوا اللہ یہ عجب شاہ جمجاہ اریکہ نشین ہوا
کہ حاتم کا نام صفحۂ سخا سے مثل حرف غلط مٹا دیا فقیروں کو امیر بنا دیا عیش و نشاط کی طرف طبیعت
جو آئی ایک ایک ادنی کنجڑن ہفت ہزاریوں سے اعلیٰ بنائی محمد شاہ کی گور رہتی آئی شہزادیوں کو
کہاریوں پر رشک آیا خواصوں کو صاحب نوبت کیا چنڈول سکھپال میں چڑھایا ہزار بارہ سو جلسے
والی حور وش برق کردار کبک رفتار نغز گفتار راز پا تا فرق دریائے جواہر میں غرق دست بستہ روبرو کھڑی رہی
جہاں کی نعمت انکے سامنے پڑی رہی اصیلوں کو کروڑوں روپئے دیئے پیش خدمتوں نے بادشاہت کے
چین کیئے قدسیہ محل پر جو طبیعت آئی مغارفعت شان فلک ہفتم پر پہونچائی کئی کروڑ روپئے اس منظور نظر
نے صرف کیئے خزانے خالی کر محتاجوں کے گھر بھر دیئے ہر وقت راجہ اندر کا جلسہ ہا نہروں میں عطر بہا
مکان اس طرح کے بنوائے کہ فلک گردان نے صدقے ہو کر چکر کھائے اندر اس بگلشن ارم کہ ایسا باغ
اور اس طرح کی کوٹھی چشم گوش عالم نے دیکھی نہ سنی دوازدہ امام کی درگاہ ایسی بنائی کہ چرخ گردان کو
خواب میں نظر نہ آئی اندر اسن میں عطر کا حوض چھلکتا رہا تمام شہر مہکتا رہا مغلانیوں نے گوٹے کناری
کی کترنوں سے چاندی سونے کے محل اٹھائے خاصے والیوں نے لونگ الایچی زعفران کے اپنے
گھروں میں خاصے ڈھیر لگائے مکا خیاط مال دنیا سے مالا مال ہے استغنا کا دم بھرتا ہے سینا تو کیا
ٹانکا کم بھرتا ہے بجز غم حسینؑ شہریار کو اندوہ و غم نہیں کون ہے جو اس زمانہ میں شاد و خرم نہیں
اربعین تک عزاداری ہوتی ہے خلق خدا ماتم حسین میں روتی ہے لاکھوں روپیہ اس میں
صرف ہوتا ہے چالیس شب نہیں سوتا ہے تخم عمل نیک مزرعۂ آخرت میں بوتا ہے روز تولد ہر امام
و شب وفات جگر بندان خیر الانام لاکھ لاکھ روپیہ کا صرف ہے اسکی ہمت کے آگے فیاضان گذشتہ
پر حرف ہے حسن صورت و شوکت و حشمت جاہ و ثروت جتنی دنیا کی خوبیاں ہیں اللہ نے سب
دی ہیں ہر شب شب برات روز عیدین کی ہیں سیر دریا کی دفعتاً جو لہر آئی گنگا سے نہر منگالی
اسمیں بھی غربا نہال کا رندے مالا مال ہو گئے بس کہ مولف اختصار رقم ہے جتنا اس سے کے

صفت میں لکھیے بہت کم ہے لہذا اس غزل پر اختتام کیا یہ جملہ تمام کیا

تصویر نصیر الدین حیدر بادشاہ



غزل

تا ابد قائم رہے فرمان روائے لکھنؤ
یہ نصیر الدین حیدر بادشائے لکھنؤ

گو ملے جنت بھی رہنے کو بجائے لکھنؤ
چونک اٹھتا ہوں میں ہر دم کہہ کے ہائے لکھنؤ

رشک کھا کھا گو فلک مجھ سے چھڑائے لکھنؤ
تب میں جانوں دل سے جب میرے بھلائے لکھنؤ

یا تو ہم پھرتے تھے اُنمیں یا ہوا یہ انقلاب
پھرتے ہیں آنکھوں میں ہر دم کوچہ ہائے لکھنؤ

اُنکی استغنا سے کیا کیا آرزو کرتی ہے رشک
جام جم پر تف نہیں کرتے گدائے لکھنؤ

کیوں گمان زاغ بلبل کے ترانے پر نہ ہو
یاد آجائیں جو وہ نغمہ سرائے لکھنؤ

ہر محلے سے بچانا جی ہے عیسیٰ کو محال
چھوڑتے جیتا نہیں معجز نمائے لکھنؤ

جن و انس و وحش و طائر کیوں نہ سب محکوم ہوں
ہے سلیماں اِن دنوں فرماں روائے لکھنؤ

دشت غربت میں کیا برباد دشمنے تو کیا
دل سے اڑتی ہے کوئی اپنے ہوائے لکھنؤ

یہ رہے آباد یارب تا بہ دورِ مشتری
میں کہیں ہوں مانگتا ہوں پر دعائے لکھنؤ

بلبلِ شیراز کو ہے رشک ناسخ کا سرور		اصفہاں اس نے کیے ہیں کوچہ ہائے لکھنؤ

الٰہی بحرمت سیّد ابرار احمد مختار و بہ تصدق ائمہ اطہار لکھنؤ کو آباد رکھ والیِ ملک کو یہاں کے
کار فرما رعیت پرور مسندِ حکومت پر دل شاد رکھ جب تک گنگا جمنا میں پانی رہے یہ خطۂ
دلچسپ فرح افزا آباد رہے فردِ الٰہی لکھنؤ بستا رہے دورِ قیامت تک ؎ سرور دشت پیما کا کبھی وہ
شہر مسکن تھا اور مقلدی میں یہاں کے لوگ صاحبِ کمال ہیں باریک بین دقیقہ رس و فہم نازک
خیال ہیں یہ عجب ان صاحبوں کا لیکھا ہے مقلدی میں موجد سے بہتر ہو جاتے انھیں کو دیکھا ہے
اس شہر میں کئی مطبع سنگی ہیں نمونۂ نیرنگی ہیں لیکن ایک ہمارے عنایت فرما ہیں جناب میر حسن
صاحب صاحبِ حسن و جمال جوان خوش رو صاحب باطن حمیدہ خصال حسن خلق انکا خلق میں مشہور ہے
عجب و نخوت انکے نزدیک سے دور ہے موسم شباب ہے چہرے پر جوانی کی آب و تاب ہے بیت
ابرو کاکل مشکبو صفۂ رخسار گل بیخار از سر تا پا ہر شے دیوان وجاہت میں انتخاب ہے مجموع نگر
میں اُن کا چھاپہ خانہ جدید ہے عیاذاً باللہ پھولا گلشن بیخزاں ہے کہ دیدہ نہ شنیدہ ہے عقل دنگ ہے
کارخانہ کیا ہے تختۂ ارژنگ ہے ایک سمت خوشنویس ثانی آغا و میر صفت قلم ایکطرف فاضل صاحب درس
و تدریس ہر ایک بے نظیر شیر و شکر کی طرح باہم ایک جا ولایتی کل جسے دیکھ کر جی بیکل ہو گیا ہے کیسا ہی جوان
قوی ہیکل ہو اگر چاہے پہاڑ اٹھائے مگر ایک کاپی میں ہاتھ کانپنے کا کیا دخل ہے جو یہ درفش دس قدم
نکالے اسکی ہر کمانی کو اگر کارمانی کہوں بدگمانی ہے بہزاد کی عقل کو حیرانی ہے پرنے پرنے پر جلا ہے جو
صفحہ ہے ید سحر کا ڈھلا ہے کہیں پتھر صاف صاف شفاف جنکے سنگ کا فرسنگوں نظر نہ آئے مردمِ دیدہ
اگر اسکی صفا کو نظر بند کریں آنکھ پھسل جائے ہر پتھر ہمسنگ کوہ طور ہے کسی پر جلی لکھا کوئی قلم موسے
مسطور ہے کاریگر ہر ایک سرگرم فرمانروائی ہے کتب کہن از سر نو زندہ ہوتی ہیں ثبوت اعجاز مسیحائی ہے
بکدست چست و چالاک استاد ہیں طبع بلند اُن کا مطبع دلپسند اپنے کام میں ذی استعداد ہیں
بے لن ترانی کہتا ہوں نئی تشبیہ ہاتھ آئی ہے بیلن کی سیاہی میں صاف کیفیت روشنائی ہے فی الجملہ
ہر ایک مرقع کی تصویر ہے لکھا مٹتا نہیں گویا خطِ تقدیر ہے الٰہی جب تک فلک کی کل چلتی رہے
اور خانہ چرخ زنگاری لبے یہ کارفرما سلامت رہے کارخانہ جاری لبے بندہ کمترین تلامذہ
اور خوشہ چین خرمن سخن جناب قبلہ و کعبہ استاد شاگرد نواز معزز و ممتاز مجمع فضل و کمال نیک سرشت

؎ واضح ہو کہ یہ مطبع فی الحقیقت ایسا ہی تھا مگر مدت سے بسبب نا مساعدت زمانہ ناہنجار کے بالکل بند ہوگیا ۱۲

فرخندہ خصال خرد آگاہ دانش آموز و یادگار جناب میر سوز عرفی عصر سعدی زمان رشک انوری وخاقانی نوازش حسین خاں صاحب عرف مرزا خاقانی تخلص نوازش کا ہے حقیقت حال یہ مقام ہے طرز ریختہ اور روزمرہ اردو کا اُن پر اختتام ہے شعر اُن کے واسطے وہ شعر کی خاطر موضوع ہیں کہنے کے علاوہ پڑھنے کا یہ رنگ ڈھنگ ہے اگر طفل مکتب کا شعر زبان معجز بیان سے ارشاد کریں فیض وہاں تاثیر بیان سے پسند طبع سحبان وائل ہو فی زماننا تو کیا سابقین جو موجد کلام کوس لمن الملکی بجاتے تھے انکے دیوانوں میں دس پانچ شعر تناسب لفظی یا صنایع بدایع کے ہونگے وہ اُن پر نازاں تھے اور متاخرین فخریہ سند گردانتے ہیں لہذا جس شخص کو فہم کامل یا اس فن میں رتبہ کمال حاصل ہو اور طبع بھی عالی ہو آپ کا دیوان بچشم انصاف و نظر غور سے دیکھے کوئی غزل نہو گی جو ان کیفیتوں سے خالی ہو ہر مصرع گواہ ہزار صنعت ہر شعر شاہد لاکھ صفت مطلع سے مقطع تک ہر غزل مرقع کی صورت اکثر اشعار آپ کے تبرکاً و تیمناً بطریق یادگار بندے نے لکھے ہیں جہاں لفظ استاد ہے وہ آپ کا شعر ہے

باعث تحریر اجزائے پریشان و سرگذشت مجمع دوستان مکلف ہونا مجبور کا بیان داستان مرغوب کا

حسب اتفاق ایک روز مع چند دوست صادق و محبان صفا کیش موافق باہم بیٹھا تھا مگر نیرنگی زمانہ ناہنجار و کجروی فلک سفلہ پرور دوں نواز جفا شعار سے سب دل حزین و زار اور ہجوم اندوہ و یاس سے اور کثرت حرمان و افکار سے کہ ہر دم پاس تھے دل گرفتہ سینہ ریش اور اداس تھے انھوں نے کہا شعبدہ بازی چرخ مکار از آدم تا ایندم یوں ہی چلی آئی ہے اور تفرقہ پردازی اسکی سوا رنج و محن زیادہ مشہور ہے یاد رہائی ہے اب یہی غنیمت جانیے اور لازم ہے کہ اس کا بھی احسان مانیے کہ ہم اس دم باہم تو بیٹھے ہیں اُستاد جو ہم تم پاس بیٹھے ہیں سنو یہ دم غنیمت ہے ۞ یہ ہنسنا بولنا رہ جائے تو کیا کم غنیمت ہے اور واقعی ہے اگر شدت رنج و الم میں دوست صادق یار موافق ہمنشیں ہو تو الم خیال میں نہیں آتا ہے دور صحبت غیر جنس میں اگر تخت سلطنت میسر آئے تو تختہ تابوت کی طرح کاٹے کھاتا ہے سعدی پائے در زنجیر پیش دوستاں ۞ بہ کہ با بیگانگان در بوستاں ۞ لیکن زمانہ کی عادت یہی ہے کہ باوجود کثرت غم و شدت اندوہ و الم دو شخص کو باہم نہیں دیکھ سکتا مرزا پھینکے ہے منجنیق چرخ تاک کے سنگ تفرقہ بیٹھ کر اک دم کہیں ہو دیں جو ہم کلام دو ۞ جب سلسلہ کلام یہاں تک پہنچا اس زمرے میں ایک آشنائے

باصفا پرمزہ بندے کے تھے انھوں نے فرمایا اسوقت کوئی قصہ یا کہانی بہ شیریں زبانی ایسا بیان
کرکہ رفع کدورت وجمعیت پریشانی طبیعت ہو اور غنچہ سربستہ دل باہتزاز نسیم تکلم کھل جائے زمانہ دار
نے بجز اقرار انکار مناسب وقت نہ جانا چند کلمے گوش گذار کیئے اگرچہ گریہ کردن اہم دل خوش میباید
مگر اس نظر سے مصرع ہرچہ از دوست میرسد نیکوست ؛ یہ فسانہ انھیں بہت پسند آیا کہا اگر بدلجمعی
تمام تو اس قصہ پراگندہ کو از آغاز تا انجام زبان اُردو میں فراہم اور تحریر کرے تو نہایت منظور نظر
اہل بصر ہو لیکن تقصیر معاف ہو لغت سے صاف ہو بندے نے کہا طبیعت ابنائے روزگار بیشتر
متوجہ عیب جوئی و ہنر پوشی ہے بقول دگیر شعر قبح کے دیکھنے والے تو بہت ہیں دگیر ؛ اور یہاں
حسن شناسان سخن تھوڑے ہیں ؛ وہ بولے چشم داشت صلہ طلب اجرت کسی سے متصور نہیں فقط
ہماری خوشی مدنظر رکھ جیسا رطب دیابس کہے گا ہمیں پسند ہے بشرطیکہ جو روزمرہ اور گفتگو
ہماری تمھاری ہے یہی ہو ایسا نہ ہو کہ آپ رنگینی عبارت کے واسطے وقت طلبی اور نکتہ چینی کریں
ہم ہر فقرے کے معنی فرنگی محل کی گلیوں میں پوچھتے پھریں بندے نے کہا یہ تو مقدمہ تحریر ہے اگر سرکار
کے کام آجائے تقریر نہیں مگر جلدی نہ کرنا بوقت فرصت لکھونگا وہ تو یار شاطر نہ بار خاطر تھے کہا
اچھا فقیر کو اسی دن سے ہمیشہ اس کا خیال رہتا تھا عدم فرصت سے نہ کہتا تھا آخر الامر بمقتضائے عادت
تلاش معاش کے حیلے میں فلک تفرقہ پرداز گردوں عربدہ ساز نے صورت مفارقت دکھائی
مہاجرت استقبال کو آئی مسرت بوقت لقمہ خوردن لے مسرت گفتہ بہایم ؛ کہ روزی سکندر از ہم
جدا یاران ہمدم را ؛ ربیع الثانی کے مہینے میں کہ سن ہجری نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وصحابہ وسلم بارہ سو
بیالیس تھے آنے کا اتفاق مجبور کو ردہ کانپور میں ہوا بسکہ یہ بستی پوچ و لچر ہے اشراف یہاں عنقا صفت
ناپید ہیں احیاناً جو ہوں گے تو گوشہ نشیں عزلت گزیں مگر چھوٹی امت کی بڑی کثرت دیکھی یہ طور
دیکھ کر دل وحشت منزل سخت گھبرایا کلیجہ منہ کو آیا قریب تھا جنون ہو جائے تیرہ بختی سے روز سیاہ
پیش آئے لیکن بہ شربت عنایت ومعجون شفقت ارسطو فطرت بقراط حکمت حکیم سید اسد علی صاحب
شیر بیشۂ علم وکمال سخن فہم ظریف خوشحال طبع سودا خیز اور سر جنون انگیز کو آرام وتسکین حاصل ہوئی
وہ حال فقیر دلگیر پر الطاف وکرم فرماتے تھے تدبیریں نیک واحسن دافع رنج ومحن بتاتے
تھے ایک روز ان سے بعد اظہار حال مکلف فسانہ دوستانہ یہ بھی کہا کہ ایک کہانی لکھا چاہتا ہوں

سنکر فرمایا بیکار مباش کچھ کیا کر میسر نہیں تم پیر کا ہلی اللہ لے ؛ نام خدا ہو جوان کچھ تو کیا چاہیئے ؛
اس وقت یہ کلمہ توسن طبع کو تازیانہ ہوا اگرچہ اس ہیچ میرز کو یہ یارا نہیں کہ دعویٰ اردو زبان پر
لائے یا اس فسانہ کو بہ نظر نثاری کسی کو سنائے اگر شاہجہان آباد میں اہل زبان کبھی بیت السلطنت
ہندوستان تھا وہاں چندے بود و باش کرتا فصیحوں کو تلاش کرتا تو فصاحت کا دم بھرتا جیسا
میر امن صاحب نے چار درویش کے قصے میں بکھیڑا کیا ہے کہ ہم لوگوں کے ذہن و حصّے میں
یہ زبان آئی ہے دلی کے روڑے ہیں محاورے کے ہاتھ منھ توڑے ہیں پتھر پڑیں ایسی سمجھ پر
یہی خیال انسان کا خام ہوتا ہے سفت میں نیک بدنام ہوتا ہے بشر کو دعویٰ کب سزاوار
ہے کاملوں کو بیہودہ گوئی سے انکار بلکہ ننگ و عار ہے مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار گوید
وہی مثل سننے میں آئی کہ اپنے منھ سے دھنا بائی لیکن تحریر اس کی ایفائے تقریر ہے یہ قصہ
دلچسپ بنیظیر ہے امید ناظرین پر تمکین سے یہ ہے کہ بچشم عیب پوشی و بہ نظر اصلاح ملاحظہ
فرما کر جہاں سہو یا غلطی پائیں بہ اصلاح مزین فرمائیں کیسی ہی طبیعت عالی ہو ممکن نہیں جو بشر
خطا سے خالی ہو اسکے مطالعہ سے خاطر عاطر شاد کریں عاصی کو دعائے خیر سے یاد کریں نیازمند کو
تحریر سے نمود نظم و نثر و جودت طبع کا خیال نہ تھا شاعری کا احتمال نہ تھا بلکہ نظر ثانی میں حرف بلفظ و قت طلب
غیر مستعمل عربی و فارسی کا مشکل تھا اپنے نزدیک اسے دور کیا اور جو کلمہ سہل ممتنع محاورے کا تھا وہ
رہنے دیا دوست کی خوشی سے کام رکھا فسانہ عجائب اس کا نام رکھا الحمد للہ والمنۃ و الیہ المآب عنایت ایزدی سے تمام ہوئی کتاب

آغاز داستان نادر بیان صاحب سریر سلطانی مالک اورنگ کامرانی زینت تاج و تخت شاہنشاہ گردوں بارگاہ شاہ فیروز بخت اور پیدا ہونا شاہزادہ جان عالم کا اور شادی ماہ طلعت سے

مثل ہی سے نہ الفاظ تلازم سے یہ خالی ہے ؛ ہر اک فقرہ کہانی کا گواہ بے مثالی ہے لا اعلم
یادگار زمانہ ہیں ہم لوگ ؛ سن رکھو تم فسانہ ہیں ہم لوگ ؛ گرہ کشایان سلسلہ سخن و تازہ کنندگان
فسانہ کہن یعنی محرران رنگین تحریر و مولفان جادو تقریر نے اشہب جہندۂ قلم کو میدان وسیع بیان میں
با کرشمۂ سحر ساز و لطیفہائے حیرت پرداز گرم عنان و جولان یوں کیا ہے کہ سرزمین ختن میں ایک شہر تھا
مینو سواد بہشت نژاد پسند خاطر محبوبان جہان قابل بود و باش خوبان زمان شمیم صفت اس کی

معطر کن دماغ جان مسکن التہاب قلب دافع خفقان زمین اس کی رشک چرخ بریں رفعت شان
چشمک زن بلندی فلک ہفت ہیں گلی کوچہ خجلت دہ گلشن آبادی گلزار رسبان تختہ چمن بازار
ہر ایک بے آواز مصفا ہموار دوکانیں نفیس مکان نازک پائدار خلق خدا با خاطر شاد اسے منحت آباد کہتے
تھے سب طرح کی خلقت رغبت سے اسمیں رہتی تھی والی ملک وہاں کا شاہ گردوں وقار تمکین افتخار
سکندر سے ہزار خادم دارا سے لاکھ فرمانبردار قباد شوکت کاؤس حشم مالک تاج و تخت والا مرتبت عالیمقام
شہنشاہ فیروز بخت نام موج بخشش سے اس بحر جود و عطا کے سائلان لب تشنہ سیراب اور نائرۂ غضب کے
شعلہ سے دشمن بد باطن جگر سوختہ بیتاب دبدبۂ داد دہی و غلغلۂ عدالت سے دشمن دوست جانی چور
مسافر کے مال کا نگہبان ڈکیتوں کو عہدۂ پاسبانی ملک وافر سپاہ افزوں از قیاس خزانہ لاانتہا وزیر
وامیر جانفشاں تاج بخش و باج ستان محتاج اور فقیر کا شہر میں نام نہیں داد فریاد آہ و نالہ سے کسی کو
کام نہیں رعیت راضی سپاہ جان نثار دوست شاداں دشمن خائف شمع کا چور سر محفل لرزاں اس
نام سے یہ ننگ تھا کہ امیروں کا چور محل نہ ہونے پاتا تھا دزد حنا کا رنگ نہ جمتا تھا رست ہاتھ باندھا
جاتا تھا آنکھ چرانے سے ہمچشم چشمک کرتے تھے کار خیر سے اگر کوئی جی چراتا تو نامردی کی تہمت اس پر
دھرتے تھے لیکن باایں حکومت و ثروت کاشانۂ امید کا چراغ گل اولاد بالکل نہ تھی خواہش فرزند
درد دل اور نہ ہونیکی کاہش متصل حسرت یسر میں رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ ہر ساعت
بر زبان رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ورد وظیفہ وہاں لڑکے کی تمنا میں بادشاہ مثل گدا دست دراز ایسا
لاپروا بے نیاز کی قدرت سے بانیاز آخرش جناب باری میں تضرع و زاری اسکی منظور ہوئی لاولدی
بدنامی دور ہوئی ساٹھ برس کے سن میں گوہر آبدار دُرِ شاہوار صدف بطن بانوئے خجستہ اطوار سے
پیدا ہوا چھوٹا بڑا اسکی صورت کا شیدا ہوا اس روح افزا کا فیروز بخت نے جانعالم نام رکھا شب و روز
پرورش سے کام رکھا حسن اللہ نے یہ عطا کیا کہ نیر اعظم چرخ چہارم پر رعب جمال سے تھرّایا
اور ماہ باوجود داغ غلامی تاب مشاہدہ نہ لایا اس نقش قدرت پر تصویر مانی و بہزاد حیران اور
صنائع آذر کی ایسے لعبت حقیقت کے روبرو پشیمان کاسۂ سر اسر شور جوانی زور شباب سے
مخمور آنکھیں جھپکانے والی دیدۂ غزال ختن کی شراب عشق کے نشہ سے چکنا چور چہرے پر جلال
شاہی شوکت جہاں پناہی نمایاں حسن درخشندہ کی تڑپ بہ از انجم و اختر تاباں مصحفی سے

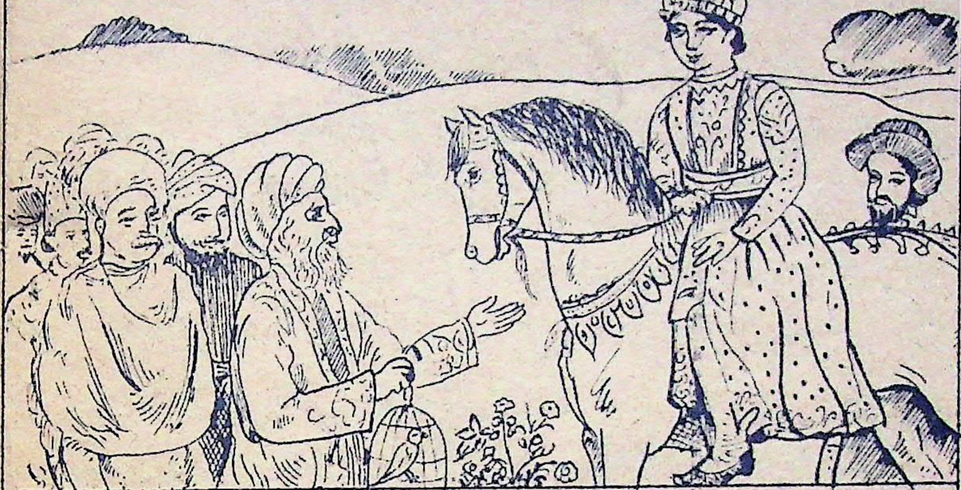
اسے دیکھ طفلی میں کہتی تھی دایہ ؎ یہ لڑکا طرحدار پیدا ہوا ہے مرزا قتیل ع پارہ خواہد شد
ازیں دست گریبانی چند ؎ لکھا ہے کہ جب وہ مہر سپہر سلطنت برج حمل سے جلوہ افزا ہوا زینت بخش
کنار مادر زیب وہ آغوش دایہ ہوا خزانہ دمجلس کھلا ہزارہا قیدی رہا ہوا اپنے گھر آیا اور سیکڑوں لونڈی
غلام نے فرمان آزادی پایا شہر میں محتاج ناپید تھا مگر اشرفی روپیہ حاجیوں کے واسطے مکہ معظم اور
زائر دنکی خاطر کربلائے معلّیٰ میں بھیجا ایک سال کا خراج رعیت محتاج کو معاف ہوا شہزادے کے نام
کے گنج آباد ہوئے مسجدیں مدرسے مہمانسرا سافرخانے تعمیر ہوئے اہل شہر دل شاد ہوئے نجومی پنڈت
جفردان حاضر ہوئے بہت سوچ بچار کر برہمنوں نے عرض کی مہاراج کا بول بالا جاہ وحشم مرتبہ دوبالا
اعلیٰ رہے ہماری پوتھی کہتی ہے بھگوان کی دیا سے شہزادے کا چندرماں بلی ہے چھٹا سورج ہے جو
گرہ ہے وہ بھلی ہے دیگ تیگ کا مالک رہے دھرم مورت یہ بالک رہے جلد راج پر براجے پرتھوی میں
دھوم مچے ایسی شادی رچے مگر پندرھویں برس مشتری بارھویں آئیگی سینچر پاؤں پڑے گا ایک پکھیرو
دُسوے کے برن میں ہاتھ آئے گا تریا کے کھٹ پٹ سے وہ بچن سنائیگا کہ راج پاٹ چھڑا دیس بدیس
لے جائے گا ڈگر میں شہزادہ بھٹکے کوئی پاس نہ پھٹکے ساتھی چھٹیں اپنے ڈیل سے ڈانواں ڈول
پھر ایک منکھ ٹھاکر کا سیوک کرپا کرکے راہ لگائے کوئی کلنگن لوبھی ہو کشٹ دکھائے وہاں سے
جب چھٹے رانی ملے مہاسندر وہ چرن پر پران وارے پتا اس کا گیانی گن کی تکھتی دے اس سے
کئی پلچھ مارے دکھ میں آڑے آئے بگڑے کاج بنائے جب اُس نگر پہونچے جس کے چت میں
گھر چھوٹے تو لاب بہت ہو درب گھنے ہاتھ آئیں دو رسب کلیس ہو جائیں پر ایک ہتی من کا
کپٹی استری پر دوجے ہو کھٹائی کرے جُھجھ پڑیں نرناری لڑیں اور کچھ جل میں بھی بن چیں پچھ
پرتھی لوگ چھٹ جائیں نگر نگر کھوج میں پھر آئیں سب بچھڑے ملجائیں ماتا پتا کے ڈھک آئیں
استری تین ہو دو کا پرمان رہے ایک کی ہیں ہو بڑا راج کرے دیا دھرم کے کاج کرے گسّیاں
کی کرپا سے جان کی کھیر ہے بڑی بڑی دھرتی کی سیر ہے یہ سُن کر بادشاہ گو نہ ملول ہوا پھر
مستقل مزاجی سے یہ کلمہ فرمایا فِعْلُ الْحَکِیْمِ لَا یَخْلُوْ عَنِ الْحِکْمَۃِ اُن سب کو بقدر حال فراخور کمال
مالامال کیا خلعت و انعام دیا بہ بشاشت تمام سرگرم پرورش صبح و شام رہا کوئی برس نہیں
بڑھتا ہے وہ نہال نو دمیدہ بستان سلطنت گھڑیوں بلند بالا ہوتا تھا چند عرصہ میں بجولی قوت

انھی وہ ہاتھ پاؤں نکالے دس برس کے سن میں اس غزال چشم نے ہرن کے سینگ چیر ڈالے دست و بازو میں یہ طاقت ہوئی کہ درندہ فیل مست ہوا جوان رعنا چہرہ زیبا رستم شوکت اسفندیار سے زبردست ہوا جو اس کا روے منور دیکھتا یہ کہتا لا اعلم منھ دیکھوں آئینہ کا تری تاب لا سکے ؛ خورشید پہلے آنکھ تو تجھ سے ملا سکے ؛ تصویر تیری کھینچے مصوّر تو کیا مجال ؛ دست قضا تو پھر کوئی تجھ سا بنا سکے ؛ تحصیل علم و فضل میں شہرۂ آفاق ہوا جتنے فن سپہ گری ہیں انکا شاق جمیع علوم ہر فن میں طاق ہوا جل جلالہ باپ ویسا بیٹا ایسا محبوب محبت میں بسان یوسف و یعقوب جب وہ ہلال سپہر شہریاری بدر کامل ہوا اور چودھواں برس بھر گیا جوانوں میں شامل ہوا بصلاح و صوابدید ارکان سلطنت و ترقی خواہان دولت شادی کی تجویز ہوئی بتلاش بے شمار و تجسس بسیار ایک شہزادی پری پیکر خوبصورت نیک سیرت حور نژاد گل اندام سیمین بر رشک شمشاد ماہ طلعت نام دو دمان والا سے مقرر ہوئی وہ جو آئین بادشاہی طریق فرمانروائی ہے اُسی طرح اُسکے ساتھ اُس اختر تابندہ کو مقران کیا

ترانہ سنجی عندلیب خامہ گلشن بیان سواری شہزادہ جانعالم میں دلخرید طوطے کا اور کج بحثی ماہ طلعت کی طوطے سے اور اُسکو حُسن انجمن آرا اور شہزادے کا عاشق ہونا

بلبل نواسنج ہزار داستان طوطی خامہ زمزمہ ریز خوش بیان گلشن تقریر میں یوں چہکا ہے کہ بعد رسم شادی سیر و شکار کی اجازت سواری کا حکم شاہ ذوی الاقتدار سے حاصل ہوا گاہ گاہ شاہ و شہزادہ جانعالم سوار ہونے لگا ایک روز گذر اُس کا گدڑی میں ہوا انبوہ کثیر جم غفیر نظر آیا اور غلغلہ تحسین و آفرین از زمین تا چرخ بریں بلند پایا شہزادہ ادھر متوجہ ہوا دیکھا ایک مرد پیر نحیف ستر اسّی برس کا سن نہایت ضعیف پنجڑا ہاتھ میں لیے کھڑا ہے اُسمیں ایک جانور مانند ساکنان جنان سبز پوش طائر بیمروت خانہ بدوش بامنقار گلنار لطیفے لطیف رنگین اور نکتے قابل تعریف تمکین مثال طوطی پس آئینہ بیان کرتا ہے لا اعلم در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند ؛ انچہ استاد ازل گفت ہماں میگویم ؛ شہزادے کے دیکھتے ہی طوطا اپنے مالک سے بولا اے شخص کوکب بخت تیرا افلاس کے برج تیرہ سے نکلا نصیب چمکا طالع برسر یاری زمانہ آمادہ مددگاری ہوا دیکھ ایسا شہزادہ حاتم شعار اگر گھر بار شہزادے

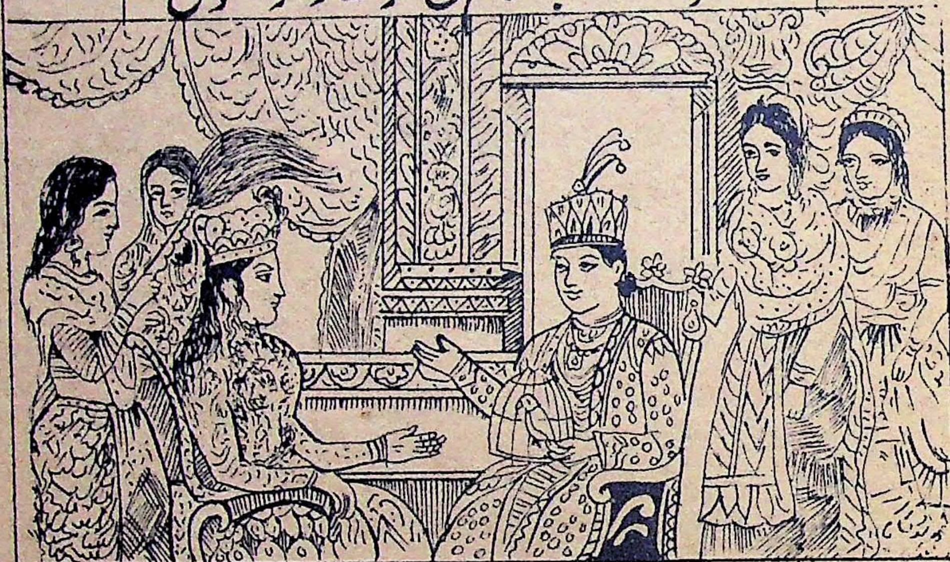
تصویر شہزادہ اور پیر مرد کی مع پنجرے اور طوطے کے



اس مشت پر ذرہ بمقدار پر ہوا ہے وہ بیکار شے کارگاہ بے ثبات میں ہوں جس کا طالب نہیں
کہیں بجدیکہ جانور رہوں اور بلی کھا جا مگر یہ جو نظر عنایت کرے ابھی تیرا ہاتھ پُر زر ہو دامن گہر سے بھرے
جانعالم نے جو یہ سخن ہوشربا کلمۂ حیرت افزا سُنے طوطے عقل کے اڑے پنجرہ اس طائر ہمہ دان جانور
سحر بیان کا ہاتھ میں لیکے مالک سے قیمت پوچھی طوطے نے کہا مؤلف کب لگاتا ہے کوئی
اِس دِل بجاں کا مول ؛ سب گھٹا دیتے ہیں مفلس کے غرض مال کا مول ؛ مگر جو حضور کی مرضی
جانعالم نے لاکھ روپے خلعت کے سوا عنایت کیئے اور پنجرہ ہاتھ میں لیئے دولت سرا کو روانہ ہوا
گھر میں جا ماہ طلعت کو طوطا دکھایا یہ مصرع انشا کا پڑھا انشا باز ادہم گئے تھے اک چوٹ مول لائے
طوطے نے شہزادے کو خنان دلچسپ قصص عجیب حکایات غریب شعر خوب خمسہائے مرغوب
اپنے دام محبت میں اسیر کیا یہ نوبت پہونچی کہ سوتے جاگتے دربار کے سوا جدا نہ ہوتا جب دربار کو
جاتا پنجرا بتاکید حفاظت ماہ طلعت کو سونپ جاتا اور دربار سے دیوانہ وار بشوق گفتار بیقرار
جلد پھر آتا ایک دن شہزادہ دربار گیا طوطا محل میں رہا اس روز ماہ طلعت نے غسل کیا اور لباس
مکلف سے جسم آراستہ زیور پر تکلف سے پیراستہ ہو جواہر نگار کرسی پر بیٹھی ہوا جو لگی آئینہ میں
صورت دیکھ خود محو تماشا ہوئی بحر عجب و نخوت میں آشنا ہوئی خواصوں سے جلیسوں سے جو جو ساز محرم اسرار
تھیں اپنے حسن کی داد چاہی ہر ایک نے موافق عقل و شعور تعریف کی کسی نے کہا ہلال عید ہو

بجو نی بولی خدا جانتا ہے دیدہ ہو نہ شنیدہ ہو اللہ تعالیٰ نے بایں کثرت مخلوقات تمہارا ہمراز قسم
جن و بشر بنایا نہیں پری نے یہ قد بالا حور نے یہ حسن کا جھگڑا پایا نہیں جب وہ کہہ چکیں ماہ طلعت
نے کہا طوطا بہت عقلمند ذی شعور سیاح نزدیک و دور ہے اس سے بھی پوچھنا ضرور ہے
مخاطب ہوئی کہ اے مرغ خوشخو و طائر نر دلباس سرخرو بذلہ سنج بیچ بیچ کہنا اس سج دھج کی صورت
کبھی تیرے طائر وہم و خیال کی نظر سے گذری ہے نیرنگی چرخ کجرفتار فتنہ پردازی گردون اظہر من عیاں ہے

تصویر ماہ طلعت و جانعالم مع طوطے اور خواصوں کے



آگاہ سب جہاں ہے اُسوقت طوطا رنجیدہ دل کبیدہ خاطر مضمحل بیٹھا تھا چپ ہو رہا شہزادی
نے پھر پوچھا طوطے نے بے اعتنائی سے کہا ایسا ہی ہو یہ نڈی معشوق مزاج طرہ یہ کہ شہزادے
کی جورو شوہر مالک تخت و تاج برہم ہو کے بولی میاں مٹھو جینے سے خفا ہو جو ہمارے رو برو چبا
چبا کر گفتگو کرتے ہو طوطے نے کہا سوال و جواب اور دھمکانا اور حکومت سے ڈرانا اور غصے
کی آنکھ دکھانا اور ہے کیوں الجھتی ہو شاید تمھیں سچی ہو پھر تو شعلہ غضب کا نون سینۂ شہزادی میں مشتعل
ہوا کہا کیوں جانور بے تمیز ناچیز تیری موت آئی ہے کیا بیہودہ ٹیں ٹیں مچائی ہے واہی بک رہا ہے
ہمارا مرتبہ نہیں سمجھتا ہے طوطے کے منھ سے نکلا کیوں اتنی خفا ہوتی ہو اپنا منھ ملاحظہ کرو صاحب
تم بڑی خوبصورت ہو یہاں تو یہ حیص بیص تھی کہ جانعالم تشریف فرما ہوا عجب صحبت دیکھی کہ

شہزادی بچشم پرآب و بادل کباب غیظ میں آ تھرتھراتے ہوئے طوطے سے بحث رہی ہے شہزادے نے
فرمایا خیر باشد طوطا بولا آج ذرا شر ہے خیر بخیر مگر چندے حیات مستعار اس وحشی کی اور آب و دانہ
قفس میں پینا کھانا باقی تھا اگر آپ دو گھڑی بھر دیر لگاتے تشریف نہ لاتے تو میرا طائر روح گربۂ غضب
شہزادی سے مجروح ہو کر پرواز کر جاتا ہر گز جیتا نہ پاتے مگر پنجرہ خالی دیکھ مزاج عالی پریشان ہوتا
بحسرت و افسوس یہ فرماتے انتقا طوطا ہمارا مر گیا کیا بولتا ہوا: ماہ طلعت ان باتوں سے زیادہ
مکدر ہوئی شہزادے سے کہا کہ اگر میری بات کا طوطا صاف جواب نہ دیگا تو اس نگوڑے
کی گردن مروڑ اپنے تلووں سے اسکی آنکھیں ملونگی جب دانہ پانی کھاؤں پیونگی جانعالم نے کہا
کچھ حال تو کہو طوطے نے گذارش کی کہ حضور یہ مقدمہ غلام سے سنیئے آج شہزادی صاحبہ اپنی دانست
میں بہت نکھر بنقا دیکھ آئینہ کو کہتی تھی کہ اللہ ری میں: مجھ سے پھر فرمایا طوطے ایسی صورت کبھی
دیکھی ہے مجھ اجل رسیدہ کے منھ سے نکلا خدا نہ کرے اس جرم قبیح پر شہزادی کے نزدیک کشتنی
سوختنی گردن زدنی ہوں بقول میر تقی شعر بے جرم تہہ تیغ ہی رکھا تھا گلے کو: کچھ بات بُری مجھ سے
نہ نکلی تھی بھلے کو: جانعالم نے کہا تم بھی کتنی عقل سے خالی حمق سے بھری ہو تم تو پری ہو جانور
کی بات پر اتنا آزردہ ہو گویا ہے پھر طائر میاں مٹھو کو ان باتوں کی تاب نہ آئی آنکھ بدلکر وحشی
صورت بنائی او زمیں سے بولا خداوند نعمت جھوٹ جھوٹ ہے سچ سچ ہے ہمسر جس کا کوئی
نہیں ہے وہ ذات وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ہے اسکے سوا ایک سے ایک بہتر او ربرتر ہے وہ
خود فرماتا ہے فَضَّلْنَا بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ میں نے تو جھوٹ اور سچ دونوں سے بچکر ایک کلمہ کہا تھا
اگر راستی پر ہوتا گردن کج کیے سیدھا گور میں سوتا یہ سن کے وہ رنجور ہوئی مثل مشہور ہے سچ
تریا ہٹ بالک ہٹ جانعالم نے مجبور ہو کر کہا جو ہو سو ہو مٹھو پیارے سچ کہدو طوطے نے بمنت
عرض کی دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز مجھ سے سچ نہ بلوایئے میرا منھ نہ کھلوایئے
نہیں انجام راستی حضور کو دشمنوں کو دشت نوردی بادیہ پیمائی غریب الوطنی کوچہ گردی
نصیب ہوگی شہزادے نے کہا یہ جملہ تم نے اور نیا سنایا اب جو کچھ کہنا ہے کہا چاہیئے باتیں
بہت نہ بنایئے اس نے کہا میں نے ہر چند چاہا آپ رنج سفر مصائب شہر بشہر ایذائے غربت سے
باز رہیں کہ سفر اور سقر کی صورت ایک ہے اس سے بچنا نیک ہے مگر معلوم ہوا کہ حضور کے مقدر میں

یہ امر لکھا ہے میرا اس میں قصور کیا ہے رفیع سودا چاک کو تقدیر کے ممکن نہین کرنا رفو ؛
سوزنِ تدبیر ساری عمر گو سیتی رہے ؛ سنیئے قبلۂ عالم یہاں سے برس دن کی راہ شمال میں ایک
ملک ہے عجائب زرنگار ایسا خطہ ہے کہ مرقع خیال مانی و بہزاد میں نہ کھنچا ہوگا او پیر دہقان
فلک نے مزرعۂ عالم میں نہ دیکھا ہوگا شہر خوب آبادی مرغوب ندی مرد حسین طرحدار مکان بلور کے بلکہ
نور کے جواہر نگار عقل باریک بینان مشاہدے سے دنگ ہو خلقت اس کثرت سے بسی ہے کہ اس
بستی میں وہم و فکر کو عرصہ تنگ ہو خورشید ہر سحر اسکے در و دیوار سے ضیا پاتا ہے بدر کامل اس
شہر میں غیرت سے کاہیدہ ہو ہلال نظر آتا ہے وہاں کی شہزادی ہے انجمن آرا اس کا تو کیا کہنا
کہاں میری زبان میں طاقت اور دہان میں طلاقت جو شمۂ مذکورِ شکل و شمائل اس زہرہ جبین فخر
لعبتان لندن و چین کا سناؤں استاد ایک میں کیا خوب گر دیکھے اسے حسن آفرین ؛ اپنی صناعی
پہ حیران خود وہ صورت گر رہے ؛ لیکن سات سو خواصیں زریں کمر تاج دلبری بر سر ہر و عنبریں مو سرگروہ خوبان
جہان جان جان آرام دل مشتاقان اسکی خدمت میں شب و روز سرگرم خدمت گذاری بڑی تیاری سے
رہتی ہیں اگر انکی لونڈیوں کو شہزادی صاحبہ بنظر انصاف دیکھیں اور کچھ غیرت کو بھی کام فرمائیں
یقین تو ہے چلو بھر پانی میں محجوب ہو کر ڈوب جائیں ماہ طلعت یہ سن کے سن ہو گئی سر جھکا لیا جان عالم
نے پنجرا اٹھا لیا دیوان خانہ میں لیجا مفصل حال دریافت کرنے لگا ہر دم سرد بھرنے لگا مولوی
جامی نہ تنہا عشق از دیدار خیزد ؛ بسا کین دولت از گفتار خیزد ؛ در آید جلوۂ حسن از رہ گوش ؛ ز جان
آرام برباید ز دل ہوش ؛ ز دیدن ہیچ اثر در میانہ ؛ کند عاشق کسا نرا غائبانہ ؛ طوطے کو شہزادے
کے طرز گفتگو رنگ رو آنکھ کی تری ہونٹھ کی خشکی دل کی دھڑک کلیجے کی پھڑک سے کہ یہ نشان
عشق گمان خبط سب میں ثابت ہوا کہ شہزادے کا دل پڑنے پڑنے اور دماغ عقل سے خالی
ہوا خیال محال وصال انجمن آرا بھرا سخت نادم و خجل ہوا دل سے کہا کمبخت زبان نے حسن کے بیان
نے غضب کیا منتر کارگر ہوا پڑھا جن سر پر چڑھا حضرت عشق کا گذر ہو چکا کہ بلطائف الحیل اس
عزم بیجا سے باز رکھے کہا اے نادان دشمن جان یہ قصد لا حاصل ہے عمداً اس کوچہ میں پاؤں دھر اپنے
خون سے ہاتھ نہ بھر بقول **مؤلف** خدا کو مان اے تمام عاشقی کا سر درد ؛ کہ منفعت میں بھی اسکے ہیں ضرر
پیدا ؛ بیان اس کا محال ہے مگر مختصر سا یہ حال ہے عقل اس کام میں دور رہ جاتی ہے وحشت گرد آتی ہے لب خشک چشم تر زرد چہرہ

دل خون ہوتا ہے بھوک پیاس مر جاتی ہے خواب میں نیند نہیں آتی ہے جان شیریں تلخ ہو کلیجے میں درد آخر کو جنون ہوتا ہے لخت جگر کھاتا ہے خون دل پیتا ہے مر مر کے جیتا ہے قیس کے طعنوں سے سینہ فگار ہوتا ہے لڑکوں کے پتھروں سے سر گلنار ہوتا ہے دن کو ذلت و خواری شب کو اشک باری اختر شماری بیقراری سے قرار بیکسی نظر میں ذلیل و خوار جنگل میں جی لگتا ہے بستی اجاڑ معلوم ہوتی ہے در بدر پھرنے میں دن تو کٹ جاتا ہے تنہائی کی رات پہاڑ معلوم ہوتی ہے دل جلتا ہے دیدے سے دریا ابلتا ہے شجر تمنا بے برگ و بار رہتا ہے پھولتا ہے نہ پھلتا ہے جوانی کا گھن بیری تک اُدھیڑ بن رہتی ہے گونگا بہرا بن جاتا ہے طبیعت سُن رہتی ہے ابھی پہلی بسم اللہ ہے ٹھنڈی سانسیں بھرتے ہو لب پر آہ ہے دیکھا نہ بھالا ہے سینے کے پار عشق کا بھالا ہے آئینہ ہاتھ میں لے منھ تو دیکھو نقشہ کیا ہے معشوق باوفا گو گوہر سرخ لال سپید سے نایاب سوا ہے کہاں کہاں ملتا ہے خاک میں ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے خواہاں ملتا ہے یہ جو زمانہ میں مشہور با مہر و وفا ہیں بانی صد جور و جفا ہیں عشق کمبخت بے پیر ہے اور نوجوان یہی ٹیڑھی کھیر ہے سنا نہیں کوہکن نے جان شیریں کس تلخی سے کھوئی یوسف کی چاہ میں زلیخا نے کیسے کنویں جھانکے کیا کیا روئی مجنوں کو اس دشت میں جنوں ہوا لیلیٰ کا کیا بگڑا پرویز کا اس کوچے میں خون ہوا شیریں نے کیا کیا افسوس تو یہ ہے کہ اتنا بھی کوئی نہ سمجھا جامی رحمۃ اللہ عم چیزے رگ جاں لا خراشد : کہ گاہے باشد و گاہے نباشد : ذلت اس کام میں عزت ہے درد کا نام یہاں راحت ہے دل اس کشمکش میں ٹوٹ جاتا ہے رستم کا اس معرکہ میں جی چھوٹ جاتا ہے اسفندیار سا رُوئیں تن ہو تو موم کی طرح پگھل کر بہہ جائے حسرت ہی حسرت رہجائے لوگوں نے ہزاروں رنج و صدمے اس کام میں اٹھائے بعد خرابی بسیار بھی ناتجربہ کار کہلائے لیکن [illegible] کہ اس میں مشاق اور مبتدی کی رائے ایک سی ہے اس کا آغاز ہے نہ انجام ہے مرض عشق میں کوئی دوست گرفتار نہ ہو مؤلف ع ۔ دوست تو دوست ہے دشمن کو یہ آزار نہو مسدس

کیا میں اس کافر بدکیش کا احوال کہوں زاو کر دیتا ہے انساں کو یہ اور زبوں	یہی خونخوار پیا کرتا ہے عاشق کا خون رفتہ رفتہ یہی پہونچاتا ہے نوبت بجنون
یہی خونریز تو خونخوار ہے انسانوں کا	دین کھوتا یہی کافر ہے مسلمانوں کا
یہی کرتا ہے ہر اک شخص کو رسوا ظالم	یہی کرتا ہے ہر اک چشم کو دریا ظالم

کوہ دکھلاتا ہے گاہے گہے صحرا ظالم
کیا بتاؤں تمہیں کرتا ہے یہ کیا کیا ظالم
دربدر خاک بسر چاک گریباں کرکے
جان لیتا ہے وہ بے سر و ساماں کرکے

یہی بانی تو زلیخا کی بھی تھا خواری کا
یہی باعث دمن و نل کی ہوا یاری کا
یہی فرہاد کا حامی تھا تبرداری کا
عشق کہئے نہ اسے قہر ہے یہ باری کا
تلخ کامی ہوئی شیریں کو اسی سے حاصل
کئے بے پردہ وہ برباد ہزاروں محمل

اس نے مجنوں سے بنائے ہیں بہت دیوانے
اس نے خود رفتگی میں اپنے کیئے بیگانے
گو کہ مشہور جہاں لکھے ہیں سب افسانے
پر جو اس کام کا مشتاق ہو وہی جانے
کبھی معشوق کے پردے میں نہاں ہوتا ہے
کبھی سر چڑھکے یہ عاشق کے عیاں ہوتا ہے

ناقۂ لیلیٰ مضطر کا شتربان یہ تھا
نجد میں قیس سے پہلے ہی حدی خواں یہ تھا
چاہ میں ڈال کے یوسف کا نگہباں یہ تھا
جان ہر شیر کی۔ اپنے کو نیستاں یہ تھا
حسن بنجاتا ہے انداز کہیں ناز کہیں
درد دل ہے یہ کہیں سوز کہیں ساز کہیں

مثل فرہاد بہت مرگئے سر پھوڑ حزیں
دی ہے شیریں کی طرح کتنوں نے جان شیریں
پاس عذرا کے گیا اور کبھی وامق کے قریں
اس سے آوارہ بچا اور نہ بچا گوشہ نشیں
اس سے ملتا ہے جسے رنج و محن ملتا ہے
گور ملتی ہے کسی کو نہ کفن ملتا ہے

طور کو نور کے جلوے میں جلایا اس نے
کبھی آتش کو ہے گلزار بنایا اس نے
جان چھوڑی نہیں جیتا جسے پایا اس نے
اور نیرنگ جہاں اپنا دکھایا اس نے
کام مردوں سے لیا زندوں کو ناکام رکھا
درد کا نام بھی بیدرد نے آرام رکھا

اسکے افسانے ہیں دنیا میں بہت طول طویل
جس کا ہمدم یہ ہوا ہوگیا وہ خوار و ذلیل
اس کا بیمار پڑا رہتا ہے بستر پہ علیل
دھونس دیدے کے بجا دیتا ہے یہ کوس رحیل
رنج و ماتم کے سوا اور یہ کیا دیتا ہے
وصل کی شب سحر ہجر دکھا دیتا ہے

یہی اخفا ہے بصد زیب رگ ہر گل میں
سوز و نالہ یہ اسی کا ہے دل بلبل میں
یہی ہے جزو میں گر دیکھو یہی ہے کل میں
گر فرشتہ ہو تو آجاتا ہے اسکے جل میں
خون بیجرم زمانے کا بہاتے دیکھا
بس چتون پہ کبھی اسکے نہ آتے دیکھا

ایک شمّہ ہے لکھا حال جو میں نے اس کا
دشت غربت میں وہ آوارہ و سرگشتہ ہوا
جس پہ اس دیو نے الطاف کا سایہ ڈالا
دوست بھی چھوٹتے ہیں شہر بھی چھوٹے اپنا
پاس جسکے یہ گیا خلق سے وہ دور ہوا
کونسا شیشۂ دل تھا کہ نہ وہ چور ہوا

ہجر کے رنج میں کتنوں کا ہوا اس میں وصال
اسکی گردش سے ہر اک ماہ ہوا بدر ہلال
لے گئے سینے میں فرقت کا سبھی درد و ملال
کس کی طاقت ہے جو تحریر کرے اس کا حال
زیست کرنا غم ہجراں سے ہے سب کو شاق
جان دیتے ہیں کہہ کہہ کے یہی ہائے فراق

وصل میں یہ مزا ہے ہجر کا رنج و لے جانگزا ہے چاہ کنویں جھکواتی ہے یہ وہ بیماری ہے جو جان کے ساتھ جاتی ہے ہمیشہ سے اس کام والے آہ و نالہ برلب خاک بسر چاک گریباں سب رہے ہیں اگر عاشق کی عزت و توقیر ہوتی تو دنیا میں اس سے بہتر کوئی شے نہ تھی کچھ کچھ ان لوگوں کے مرتبہ شناس قدردان ہیں مگر ہر جگہ کہاں ہیں اور یہ قصہ جو میں نے کہا فقط بات کی پچ کا جھگڑا تھا ورنہ کہاں ملک زرنگار کجا شہزادی عالی تبار جان عالم نے کہا استغفر اللہ اگر وہ جھوٹ تھا تو یہ فقرہ کب سچ ہے یہ تو نری کھڑ پچ ہے سوز خدا ہی کی قسم ناصح نہ مانوں گا کہا ابتو ؎ نہ چھوٹیگا ترے کہنے سے میرا دل لگا ابتو ؎ اسی تقریر میں یہ حال ہوا کہ دل میں درد چہرہ زرد ہونے لگا لب پر آہ سرد گرفتار رنج و تعب عشق کے آثار سب ظاہر ہوئے ضبط کا پردہ درمیان سے اٹھا شور فغاں سے اٹھا جنوں پر اصول عقل بیچارہ تو گرفتار سلسلہ محبت میں اسیر بقول میر۔ ہو گیا میر طبع نے اک جنوں کیا پیدا ؎ اشک نے رنگ خوں کیا پیدا ؎ ہاتھ جانے لگا گریباں تک ؎ چاک کے پاؤں پھیلے داماں تک ؎ بیقراری نے کج ادائی کی ؎ تاب و طاقت نے بیوفائی کی طوطا یہ حال دیکھکر بہت محجوب ہوا کہ ناحق زندی کی کج بحثی سے شہزادے کو مرگ کا مستعد کیا۔ بیٹھے بٹھائے خون بیگناہ اپنی گردن پر لیا اب اسطرح کا سمجھانا مانع ہونا ابھارنا بھڑکانا بلکہ نرا جلانا ہے گھبرا کر تسکین و تشفی کرنے لگا اور زخم شمشیر عشق کو مژدۂ وصال سے بھرنے لگا کہا آپ ہوش و حواس بجا رکھئے اگر مجھے ایسا سچا جانا کہ میرا جھوٹ سچ مانا اس شرط سے آپ کو لیچلوں گا جو میرا کہا مانو گے زک اٹھاؤ گے دھوکا کھاؤ گے پھر مجھ کو نہ پاؤ گے پچھتاؤ گے جان عالم نے فرمایا اے رہبر کامل رنج کے غمگسار راحت کے شامل تیرے جادۂ اطاعت سے ہرگز قدم باہر نہ دھرونگا

جو تُو کہے گا وہی کروں گا مگر جلد حال مفصل اور بُعد منازل وسمت شہر وصحرا بے نشان کامل دے
وگرنہ یہ دلِ بیتاب خجلت دہ بیقراری سیماب کہ قطرۂ خون سے فزوں نہیں تڑپ کر از راہِ چشم نادیدہ
رُوئے دوست نکلجائے گا پھر بجز حسرت و افسوس تیرے کیا ہاتھ آئے گا تیر۔ دل تڑپتا ہے متصل میرا
مرغ بسمل ہے یا کہ دل میرا ۔ طوطے نے کہا اضطراب کا کام خراب ہوتا ہے اتنی جلدی موقوف ہے
آج کی رات اس شہر میں کاٹ صبح اُدھر کی راہ لیجئے اگر کشش صادق اور طالع بھی موافق ہے
انشاءاللہ منزل مقصود کو پہونچیں گے عزم بالجزم درکار ہے اور شہر پناہ پر خانہ یار ہے جانعالم
یہ خوشخبری سنکر بشاش ہوا پھر کہا استاد۔ مژدۂ وصل ہے کل رات کی نیت ہو حرام ۔ دے اگر
طالع برگشتہ نہ تدبیر الٹ ۔ اُس رات کی بیقراری گریہ وزاری اختر شماری شہزادے کی کیا کہوں
ہر گھڑی بحال پریشان سوئے آسمان مضطر نگران تھا کہ رات بسر ہو جلد سحر ہو تا عزم سفر ہو اور یہ کہتا تھا
سعدی سعدیا نوبت امشب دہل صبح نکوفت ۔ یا مگر صبح نباشد شب تنہائی را ۔ آخرش تاثیر دعائے
سحری واثر نالۂ نیم شبی سے ظلمت شب نور روز منور ہوئی وزیرزادے کو باوجود فراموشی یاد زمانہ
لڑکپن سے تا زمانہ عشق انجمن آرا اس سے بھی الفت رکھتا تھا جب وہ حاضر ہوا حکم کیا دو گھوڑے صبا رفتار برق کردار
جنگی جھپٹ نسیم تندرو کو کھُندل ڈالے اُنکے قدم سے کیت صرصر کی ڈپٹ پاؤں نہ آگے نکالے جلد لا بجرد ارشاد
اصطبل خاص میں جا گھوڑے لایا کچھ اسباب ضروری وہ بھی بجوری لیکے وہ دونوں خستہ تن بقول میر حسن چل نکلے میر حسن

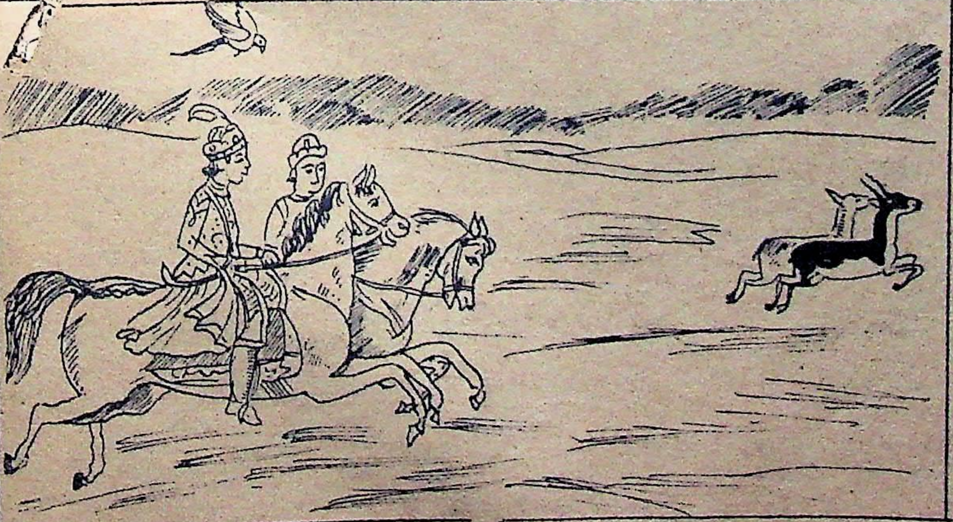
نہ سُدھ بُدھ کی لی اور نہ منگل کی لی	نکل شہر سے راہ جنگل کی لی

پھر عازم شہر دلدار کا مع وزیرزادہ اور رہبر ہونا طوطے کا ہرن کا ملنا اور تفرقہ باہم کا ملاقات مرشد کامل کی پھر حوض میں کودنا شہزادے کا طلسم گرفتاری جانعالم کی بے قراری پھر بدولت نقش سلیمانی رہائی پانی

بادیہ پیمان مراحل محبت وصحرا نوردانِ منازل مودت رہروان دشت اشتیاق لٹے کنندگان جادۂ
فراق مسافران بار ناکامی بردوش بجز راہ کوچہ یار دین و دنیا فراموش عشق سر پر سوار خود پیادہ ہیں ایسے
دل سیر مرگ کے آمادہ کھتے ہیں کہ جب بایں ہیئت کذائی وہ پروردہ دامن ناز و آغوش شاہی گھر سے
نکلا اور در شہر پناہ پر پہونچا پھر کر عمارات سلطانی شہر کی آبادانی دیکھ آہ سرد کھینچی غریب الوطنی پر

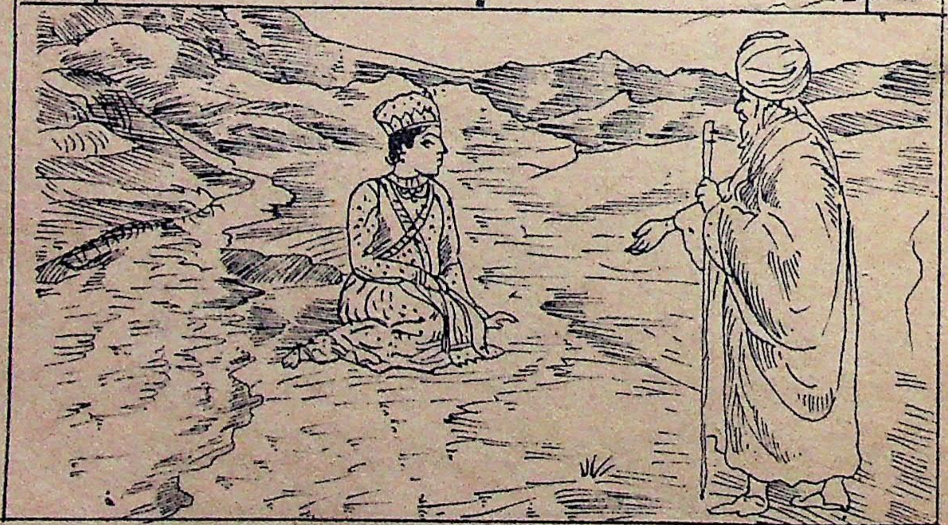
کمر چست کی اور فراق یاران وطن میں دل کھول کے خوب رو دیا پھر فاتحہ خیر پڑھکر آگے بڑھ طوطے کو
پنجرے کھول دیا گھوڑوں پر شہزادہ اور وزیرزادہ سمند صبا پر میاں مٹھو پیادہ نیا دانہ کھاتے
نیا پانی پیتے روانہ ہوئے بعد طے منازل و قطع مراحل اُن کا گذر ایک دشت عجیب صحرائے غریب
میں ہوا ہر تختہ جنگل کا بروش باغ تھا جو پھول تھیں تازہ کن دل معطر نمائے دماغ تھا جہانتک پیک نگاہ
جاتا بجز گلہائے رنگین ویاسمین و نسرین اور کچھ نظر نہ آتا شہزادہ شگفتہ خاطری سے صناعی باغبان
قضا و قدر کی دیکھتا جاتا تھا ناگاہ ایک سمت سے دو ہرن برق وش صبا کردار سبک چست تیز رفتار
سامنے آئے زربفت کی جھولیں پڑیں جڑاؤ سنگوٹیاں جڑیں گلے میں مغرق ہیکلیں شل طاؤسان طناز عربدہ ساز
سرگرم خرام ناز چھم چھم کرتے چوکڑیاں بھرتے جانعالم بیچین ہوا وزیرزادے سے کہا کسیطرح انکو جیتا گرفتار
کیجیے اس سعی میں گھوڑے ڈالے یا تو وہ اپنی وضع پر چلے جاتے تھے جب گھوڑوں کی آمد دیکھی سنبھل کنوتیاں
بدل چوکڑی باجست و خیز بھرنے لگے انھوں نے گھوڑے ڈپٹائے انکے گھوڑے ڈڑانا وہ طائر فرزانہ
چوکڑی بھول کے پکارا ہاں ہاں اے نوجوان کیا غضب کرتا ہے یہ دشت پر سحر ہے بیہودہ کیوں
قدم دھرتا ہے ہر چند پکارا سر پٹے مارا مگر سناٹے میں کسی نے نہ سُنا طوطے نے لاکھ سر دھنا آخر مجبور
ایک درخت پر بیٹھ رہا وہ چلے گئے دو چار کوس دونوں ہرن بھاگے پھر ایک اس سمت دوسرا
اور طرف چلا ایک کے ساتھ شہزادہ دوسرے کے تعاقب میں وزیرزادہ یہ بھی جدا ہوئے

تصویر جانعالم مع وزیرزادہ اور دو ہرن بھاگتے ہوئے اور طوطا بالائے سر درختان



القصہ تا غروب آفتاب وہ شمس سپہر سلطنت گھوڑا ابگٹٹ پھینکے گیا دفعتہً ہرن نظر سے غائب ہوا
اُس نے باگ روکی گھوڑا عرق عرق خود پسینے میں غرق سر سے پا تک بحال مضطر حیران و پریشان
دم و پشیمان دیکھا تو نہ وزیرزادہ نہ طوطا آپ یادشت پُرخطر گھبرا کر ادہر اُدہر دیکھا بوے انسان
حیوان مشام جان تک نہ آئی طبیعت سخت گھبرائی جب کسی کو نہ دیکھا یہ کہا شعر سوائے یہ ترنگ
مانی کی کیا جس نے مجھ کو جلا وطن ؛ ہوا ایسا بیش ازین کاہیکو میں نکل کے گھر سے خراب تھا ؛
اور کبھی جو یاد یاران ہمراہی جی میں آتی تو یہ شعر دردناک پرسوز با دلِ صدچاک آہ جگر دوز پڑھتا
میر سوزنے کہیو اے باد صبا بچھڑے ہوے یاروں کو ؛ راہ ملتی ہی نہیں دشت کے آوارون کو ؛
کچھ آگے بڑھا چشمۂ آب نظر پڑا گھوڑے سے کود ہاتھ منھ دھویا اپنی تنہائی پر خوب رویا اسی
حال گریہ و زاری میں دست دعا بجناب باری اٹھا کر پکارا کہ اے کس بیکسان والے مددگار
رہ گم کردگان مجھ خستہ و پریشان دور از یار انکی رہبری کر تیرے بھروسے پر سلطنت کو خاک میں
ملا گھر سے ہاتھ اٹھا آوارۂ صحراے غربت مبتلاے رنج و مصیبت ہوا ہوں لا اعلم ہونسے رفیقے نہ ہمدم
حدیث دل بکہ گویم عجب غمے دارم ؛ تیری ذات ہے یا یہ جنگل وحشت انگیز بلاخیز جہاں بوے عمرانات نہیں
آتی یہ کہہ کے زار زار مانند ابر نوبہار رونے لگا فریاد و زاری تڑپ اور بیقراری اسکی بدرگاہ مجیب الدعوات قبول
ہوئی تیر دعا ہدف اجابت سے لب معشوق ہوا ایک پیرمرد سفید داڑھی والے سبز عمامہ سر پر عبائے عنابی کندھے پر ڈالے

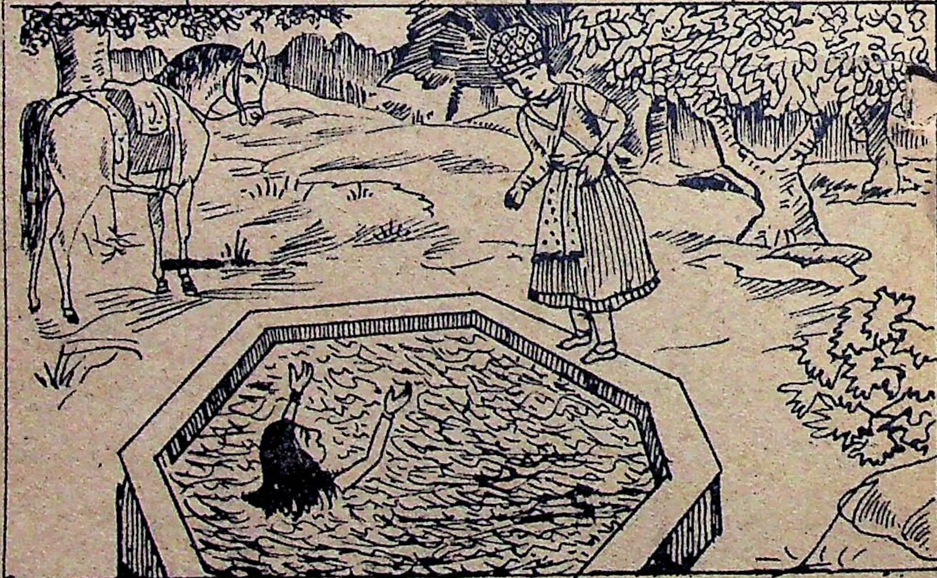
تصویر شہزادے کا چشمہ پر بیٹھنا اور پیرمرد کا وہان آنا



ہاتھ میں عصا خضر صورت بزرگ سیرت پارسا وارد ہو پکارا السلام علیک اے نوبادۂ چمن سلطنت والے گرفتار محنت ومحبت شہزادے نے آنسو پونچھ سلام کا جواب دیا پیر مرد نے فرمایا اے عزیز کیا حاجت رکھتا ہے بیان کر یہ سُن کے ایسا خوش ہوا کہ رنج راہ بھولنے کا بھولا وزیر زادہ اور طوطے کی جدائی بھی یاد نہ آئی کہا آپ کو قسم اسی کی جس نے میری رہبری کو بھیجا ہے جلد نشان ملک زرنگار کا دکھا دیجئے یا ورلدار تک پہونچا دیجئے وہ ستودہ صفات ہنسا اور کہا اللہ ری بیخودی ابھی بلائے ناگہانی آفت آسمانی جس میں آپ پھنسے ہیں اُس سے نجات نہیں پائی معشوقہ یاد آئی جانِ عالم نے کہا کوئی آفت وستم وبلا ہجر جانان اور مفارقت دوست سے سوا نہیں ہے میر سو نہ لگے درد جدائی کو قیامت کا رنج ؎ روز محشر کو نہ میری شب ہجراں سے ملا ؎ اُس صاف باطن نے فرمایا صاحبزادے یہ صحرائے غضب دشت پر تعب ہے ہر تختہ اس کا دام ستم گل و بوٹا نہ رخار غم والم ہے یہاں کا پھنسا الجھا حشر تک نہیں چھوٹتا یہ سب کارخانہ طلسم ہے شہزادے نے کہا ہم سحر محبت میں گرفتار ہیں ہمیں جینا مرنے سے فزون ہے دل کا حال دگرگوں ہے شیفتہ ؎ ہمیشہ آگ نکلتی ہے مرے سینے سے ؎ الٰہی موت دے گذرا میں ایسے جینے سے ؎ اس کریم النفس کو اُسکے حال پر رحم آیا فرمایا بد حواس ہو نظر بخدا رکھ کہ وہ چارہ ساز عالمین جامع المتفرقین ہے شہزادے نے کہا فی الحقیقت مگر برائے خدا ایک نظر ملک زرنگار اور وہ معشوقہ طرحدار اگر نظر آئے جان زار بچ جائے زیست کا کیا اعتبار ہے مرگ ہر دم ہمکنار ہے حسرت دید تو نکل جائے اس خدا پرست نے فرمایا کہ آنکھ بند کر پلک سے پلک شہزادے کی لگی ملک زرنگار میں گذر ہوا اور صورت اس حور کردار کی نظر پڑی بے خبر نگاہ ناز ہے آہ کی بیہوشی ساری غشی طاری ہوئی مرد بزرگ نے سمجھایا اس امر لاطائل سے کیا حاصل نہ درکار ہے ایک روز دوست بھی ہمکنار ہے سمجھانے سے اتنی تسکین ہوئی کہ آنکھ کھولی رات ہو گئی تھی پیر مرد نے کچھ کھلا پلا چشمہ سلایا جس وقت افق چرخ سے راہ گم کردہ مسافر مغرب یعنی آفتاب عالمتاب جلوہ افروز ہو کر حصۂ چہارم آسمان پر آیا شہزادے کی آنکھ کھلی وہاں آپ کو پایا جہاں سے ہرن کے پیچھے گھوڑا اٹھایا تھا سجدۂ شکر ادا کر سرگرم راہ دوست ہوا راہ کا پتا اس ہر خیل سبزہ پوشان سے پوچھ لیا تھا قدم بڑھایا جاتے جاتے ایک روز آفتاب کی تمازت بدرجۂ اتم تھی پیاس کی شدت ہوئی آب وہاں گوہر نایاب تھا خضر تک اُس دشت میں لاعلاج پانی کا محتاج تھا

زبان میں کانٹے پڑے ریت کی گرمی سے تلوے جلتے تھے دو گام قدم نہ چلتے تھے لوں کا شعلہ پر گرم
آزارِ جگر سوختگان تھا کہ پرندے پتوں میں منھ چھپاتے تھے درندے نظر نہ آتے تھے دشت
کرۂ آہنگران تھا ہر طرف شعلۂ جوالہ دوان تھا ریگِ صحرا کیفیت دریا دکھاتی تھی پیاسوں کی
دوڑ دھوپ میں جان جاتی تھی صدائے زاغ و زغن سے سناٹا دھوپ کا تڑاقا دشت کا پتھر تپنے
سے انگارا تھا جانور ہر ایک پیاس کا مارا تھا وہ تابش شمس جس سے ہرن کالا ہو نذر کو سے زبان
میں چھالا ہو باد سموم سے وحشیوں کے منھ پر سیہ تاب تھا لوں سے گاؤ زمین کا جگر کباب تھا
مچھلیاں پانی میں بھنتی تھیں جل جل کر کنارے پر سر دھنتی تھیں سرطان فلک جلتا تھا کیکڑا لب دریا
اُبلتا تھا ایسے موسم کے سفر میں مفر کیونکر ہو مسافر خواب میں برائے چلو بھر پانی دو درخت خشک
سوکھے پتے کھڑکھڑاتے تھے جانور پر کھولے پھڑپھڑاتے تھے چارپائے ایک سمت ہانپتے تھے گرمی کے
خوف سے کانپتے تھے یہ حرارت مستولی تھی کہ دستوں کی گرمی سے جی جلتا تھا مسافر وہم یا گمان سے راہ نہ چلتا
تھا خورشید حشر کی طرح آفتاب تاباں تھا صحرائے قیامت وہ بیابان تھا اسی حال خراب میں شہزادہ سرگشتہ دل برشتہ
حیران و پریشان ایک طرف درخت گنجان سایہ دار دیکھکر آیا تو وہاں حوض مصفا پانی سے لبالب بھرا پایا پانی دیکھکر جان رفتہ
تن میں آئی آنکھوں نے لہروں سے ٹھنڈک پائی گھوڑے سے اتر پانی پینے کو جھکا حوض نے نیرنگی دکھائی

تصویر جان عالم کے حوض میں کودنے کی



وہی معشوقۂ مرغوبہ مطلوبہ جسکے میں تلاش میں غریق محیط الم گرفتار لطمۂ غم شش گاہ بہا بہا پھرتا تھا
حوض میں نظر آئی آنکھ چار ہوتے ہی وہ بولی اے شناور بحر محبت والے غواص چشمۂ الفت دیر سے
تیری منتظر تھی للہ الحمد تو جلد پہونچا تامل نہ کر کود پڑ اُسے تو وہ آنکھ بند کرنے کا نقشہ ہر پل نظر تھا
بے تامل نہنگ آفت کے منہ میں کود پڑا زیست سے سیراب ہو کر یہ کہتا شعر ۔ کودا کوئی یوں گھر
میں ترے دھم سے نہ ہوگا :: جو کام ہوا ہم سے وہ رستم سے نہ ہوگا :: کودتے ہی سر تلے ٹانگیں اوپر
غلطاں پیچاں تحت الثریٰ کو چلا گھڑی بھر میں باون تہہ کو لگا آنکھ کھولی نہ حوض نظر آیا نہ اُس
دُر شہوار کو پایا مگر صحرائے لق و دق جسے دیکھ رستم و اسفندیار کا رنگ فق ہو دیکھا اسوقت سمجھا یہ
دوسری زک اٹھائی طوطے کی بات آگے آئی ع ۔ وائے برباد گرفتاری ما :: یہ کہکر آگے چلا دور سے
چار دیواری معلوم ہوئی جب قریب آیا باغ و عمارت مفصل دیکھی در باغ بستان آغوش مشتاق
وا سرد ہوا یہ تو گرمی کا مارا تھا بے تکلف قدم اندر رکھا باغ میں آیا قطعۂ دلچسپ پایا تختہ بندی
معقول پٹریاں خوش قطع خوبصورت پھول روشیں صاف نہریں شفاف چشمے ہر سمت جاری نئی تیاری
درختوں پر جانوراں نغمہ سرا برگ و بار گل سے بالکل باغ بھرا باغبانیاں پریوش ہر روش پر زرش دلبری
خراماں شاخوں پر بلبلیں غزل خواں بیچ میں بارہ دری عالیشان سب تکلف کا سامان اس کے
متصل چبوترہ سنگ مرمر کا بادلے کا سائبان کھنچا مسند مغرق بچھی ایک عورت خوبصورت عجیب
آن بان سے بیٹھی خواصیں گرد و پیش وہ مغرور بحسن و جمال خویش شہزادے کو دیکھ کر ایک خواص
پکاری اے صاحب تم کون ہو جان نہ پہچان بے دھڑک پرائے مکان میں چلے آئے یہ تو
زیست سے بیزار مرگ کا طلبگار تھا اسے جواب نہ دیا بے تامل مسند پہ برابر جا بیٹھا یہ شعر پڑھا
تھا استاد ۔ پھر بیٹھے ہم دو زانو وضع مودب اُس سے :: وضعی جو تھا تو ہم کو داب ادب نہ آیا ::
وہ تو فریفتۂ قدیم تھی ہنس کے چپ ہو رہی پوچھا آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں شہزادہ متحیر باغ کو
دیکھ رہا تھا جو پیڑ تھا پردار جانور کی صورت پھل لگے پھول پر بہار آپس میں سرگرم گفتار
جس میوے پر رغبت ہو اُس درخت کا جانور سامنے آ رقص کرے پھل بے ہاتھ لگائے
منہ کے پاس آئے جتنا اُسے کھاؤ ثابت پاؤ جب طبیعت سیر ہو اُسے درخت میں دیکھ لو
یہ حرکتیں اکی خواصیں شہزادے کے دکھانے کو در پہ وہ ڈرانے کو کرتی تھیں اس قرینے سے

جانعالم کو یقین ہوا کہ سب جادو کا ڈھکوسلا ہے پیر مرد سچ فرماتا تھا افسوس بُرے پھنسے یہ تو ان خیالوں میں تھا اُس نے مکرر پوچھا شہزادے نے جواب دیا کہ ہمارا آنا جانا تمھیں خوب جانتی ہو اجنبی ہیں لیکن تم پہچانتی ہو وہ مسکرائی خواصوں سے کہا آپ مہمان ہیں مرد شرط ہے انھوں نے کچھ اشارہ کیا کشتیاں شراب کی قابیں گزک و کباب کی مع جام و صراحی خود بخود آئیں اور مینائے بے زبان پنبہ دہان رقصاں یہ بولی حافظ ؎ اگر شراب خوری جرعۂ فشاں برخاک ؛ ازاں گناہ کہ نفعی رسد بہ غیر چہ باک ؛ پھر دفعتاً جام لبریز بریز بریز کہتا خندہ زناں جانعالم کے قریب آ کر بولا حافظ ؎ بنوش بادہ کہ ایام غم نخواہد ماند ؛ چناں نماند وچنیں نیز ہم نخواہد ماند ؛ شہزادے نے انکار میں مصلحت نہ دیکھی ڈرا کہ اگر عذر کروں اور اس طرح شراب حلق میں اُترے تو کیا لطف رہے یہ کہا لا اعلم ؎ یار سے ہے لطف مے کا آہ یہ بیہودہ نہ ہو ؛ یہ کوئی صحبت ہے ساقی واہ یہ بیہودہ نہ ہو ؛ پھر اُس جام کو ناکام ہاتھ میں لیکر لہو کے سے گھونٹ گلا گھونٹ گھونٹ پیئے وہ دور بے سر انجام پر آلام گردش میں آیا جب چار ساغر متواتر

تصویر اختلاط جان عالم اور جادوگرنی کی مع سامان سہری



جادوگرنی نے پیٹے کا سہ دماغ عقل سے دور و لولہ مستی سے معمور ہوا چھیڑ چھاڑ کرنے لگی شہزادہ
اس کا اختلاط کج بحثی سے بدتر جانتا تھا مجبور گردش گردوں دیکھکر سر نگوں ہو کچھ ہاں ہوں
کردیتا سچ ہے جسے جی پیار کرتا ہے اسکی گالی بدرجہا بوس و کنار سے زیادہ مزہ دیتی ہے
اسی صحبت میں آدھی رات گذری خاصہ طلب کیا دو چار نوالے جانعالم نے بجبر پانی کے سہارے
اُگل اُگل حلق کے نیچے اتارے اُس مرگھٹی نے قرار واقعی ہتے مارے کھانا زہر مار کر شہزادے
کا ہاتھ پکڑ بارہ دری میں لے گئی جواہر نگار مسہری پر بٹھایا ایک تو شراب کا نشہ دوسرے عالم تنہائی
بیٹھتے ہی شرم و حجاب کا پردہ اٹھا لپٹ گئی وہ سرکا پھر تو خفیف ہو کر بولی تو نے سنا ہوگا
شہپال جادو شہنشاہ ساحران جہاں فخر سامری و جیپال جس کا نام میں اسکی بیٹی ہوں تمام باغ بلکہ
نواح اس کا سب سحر کا بنا ہے برسوں سے تیری فریفتہ اور شیدا ہوں تمنائے وصال خراب حال
جیتی تھی بجز لخت جگر اور خون دل کچھ نہ کھاتی نہ پیتی تھی آج لات و منات کی مدد سے تو میرے
اختیار میں آیا دل کا مطلب بھر پایا جس چیز کا شائق و طلبگار ہو جو تجھے درکار ہو بجز ملاقات
انجمن آرا جہاں کا سامان مہیا ہے بشرط اطاعت و اظہار محبت جانعالم پہلے ڈرا پھر جی مضبوط
کرکے بولا یہ سب سچ ہے جو تو نے کہا مگر تیری تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ تو راہ و رسم محبت سے
آشنا ہے نوش وصل نیش فصل کا مزہ چکھا ہے انصاف کر جس کے واسطے خانماں آوارہ غربت کا مارا
سرگرداں ہوا ہوں تو اسی کے نام کی دشمن ہے میں تیری دوستی پر کیونکر اعتماد کروں دنیا میں تین
طرح کے دشمن ہوتے ہیں ایک تو وہ جو صریح اپنا عدو ہو دوسرا دشمن کا دوست تیسرا دوست کا
دشمن یہ سب سے برا ہے اُس سے کنارہ اچھا ہے یا یہی شرط محبت ہے کہ ایک شخص کا نام خراب کرکے
جہاں آسایش ملے وہاں بیٹھ رہے فکر سلطنت جستجوئے دولت میں سر بھرا نہیں ہوا ہوں جو تیرے
جاہ و ثروت پر اکتفا کروں تجھے معلوم ہوگا اللہ کی عنایت سے گھر کی سلطنت حکومت کرنے کو کافی
تھی مگر میرا تو یہ حال ہے میر تقی سے ایک مدت پائے چنار رہے ایک مدت گلخن تابی کی ∴ برسوں ہوئے
ہیں گھر سے نکلے عشق نے خانہ خرابی کی ∴ یہ سن کے وہ کھسیانی کتیا سی جھنجلائی کہا قدرت سحر
میری سن لے مغرب مشرق کا فاصلہ گردش چشم ہے زرنگار جانا کیا پشم ہے ادھر پلک جھپکائی
اتنے عرصے میں زرنگار گئی اور آئی خیر اگر میری ہم صحبتی کریہ جانتا ہے تیری امید بھی قطع کردیتی ہوں

ابھی انجمن آرا کو لا تیرے روبرو جلا اپنا دل ٹھنڈا کرتی ہوں جانعالم بدحواس ہوا کہ رنڈی کے
غصے سے ڈرا چاہیئے سخت غضب میں گرفتار ہوئے انکار میں قتل معشوق مدنظر اور اقرار کرنے
میں اپنی جان کا ضرر دونوں طرح مشکل ہے حیران ہو مآل کار سوچنے لگا منہ نوچنے لگا۔ واقعی یہ عقدہ
بہت پیچدار ہے جس پر گذرا ہو وہ جانے دل کا حال ہوتا ہے جدھر آیا آیا جس سے پھر ادھر اور کیا
عذاب عظیم ہے فراق محبوب صاحب جمال نامرغوب اختر کا شہزادے کو بجز اطاعت مصلحت نہیں پڑی دل کو
تسکین دیکر کہا اگر اس سے موافقت کروگے انجمن آرا کی اور اپنی زندگی ہوگی خالق رحمۃ للعالمین
جامع المتفرقین ہے کوئی صورت نکل آئیگی کہ اس بلا سے رہائی در دلدار تک رسائی ہو جائیگی الاحیلہ
شرط ہے یہ خیال کر ساحرہ سے کہا ظالم ہم تیرا جی دیکھتے تھے ہم نے سنا تھا کہ عاشق و معشوق کے
ناز بردار ہوتے ہیں مگر یہ جھوٹ تھا دھمکاتے ہیں ڈراتے ہیں عاشقی میں حکومت کسی نے کانوں سے
نہ سنی ہوگی ہم نے آنکھوں سے دیکھی تو یہ نہ سمجھی ایسا کون احمق ہوگا جو تجھ سا معشوق عاشق خصال
اور یہ سلطنت لازوال چھوڑ کے امر نادیدہ کی جستجو کرے امید موہوم پہ جنگل جنگل ڈھونڈھتا پھرے
یہ فقط اختلاط تھا یہ کہہ کے گردن میں ہاتھ ڈالدیا وہ قحبہ تو ازاربند کھولے بیٹھی تھی لپٹ گئی ناچار
باخاطر افگار اُس تیرہ بخت کا منہ کالا کر ہاتھ منہ دھو اسکے ساتھ سو رہا وہ مُردار بدمست لیٹتے ہی
جہنم واصل ہوئی یہاں نیند کہاں جی سینے میں بیقرار پہلو میں وہ خار ہر دم آہ سرد دل پر درد سے بلند چشمہ چشم
جاری فریاد و زاری دوچند جگر میں سوز فراق نہاں لب پہ دود پنہاں عیاں یہ رباعی برزبان لا اعلم
ہے کسی کی شب وصل سوتے کٹے ہے ۞ کسی کی شب ہجر روتے کٹے ہے ۞ ہماری یہ شب کیسی شب ہے
الٰہی ۞ نہ سوتے کٹے ہے نہ روتے کٹے ہے ۞ مگر جب وہ کروٹ لیتی جان اسکی نکلتی خوف سے دم بخود رہ جاتا
جھوٹ موٹ سو جاتا اسی حال سے بہزار خرابی و مشاہدہ بیتابی جانعالم گریبان سحر چاک ہوا جادوگرنی
اٹھی شہزادے کو حمام میں لے گئی وہاں وہ عجائبات سحر دکھائے نہا کر دونوں باہر آئے خاصہ چنا گیا
بعد فراغت صحبت طعام اُس نے یہ کلام کیا کہ میرا معمول ہے اس وقت سے پہر دن رہے تک
شہپال کے دربار میں حاضر رہتی ہوں تیری اجازت پاؤں تو جاؤں جانعالم نے دل میں کہا الحمد للہ جو دم
تیری صحبت پر کدورت نہ دکھائی دے غنیمت ہے مگر ظاہر میں زمانہ سازی سے کہا فرقت گوارا نہیں پر کئے
کا یارا نہیں جس طرح بنے جلد آنا ساحرہ اس کلمہ سے بہت خوش ہو چل نکلی اسکے جاتے ہی باغ سنسان ویران

وحشت انگیز ہو کا مکان ہوا تنہا شہزادہ باخیال دلبر کھڑے ہوتے تکلف ہو کر جی کھولکر دیا یہ سہ غم دل کو
زبان پر لایا ؛ آفت تازہ جان پر لایا ؛ کہا ہم سا بھی بد نصیب دوراز حبیب دوسرا نہو گا جس کا یار ہمدرد نہ ہو گا
کس سے دل کا درد کہیئے تا تسکین ہو صحبت انکی ملی ہے جنھیں دیکھ چپ ہو رہیے کہ عشق اور کا نہ انکے ذہن نشین ہو
ایک جانور جو رہبر تھا یوں اڑا دوسرا وزیرزادہ جو لڑکپن سے جان نثار اور یار تھا دوں چھٹا ہوں ہے

سوائے اندوہ و یاس و حرماں ہو لا حاصل جہاں سے ہمکو		اٹھائیں کاندھے پہ بار ہستی سفر ہے بہتر یہاں سے ہمکو

اسی سوچ میں کچھ گھڑی دن باقی رہا جادوگرنی چمکی چمکائی آئی جانعالم کو اسکی صورت دیکھ کر رونا آیا
لیکن ڈر کے مارے جو ہنسنے لگا نالہ گلے میں پھنسنے لگا پھر وہی اکل و شرب کا چرچا مچا جب نصف شب
گذری تو وہ سو رہی ان کو بیداری اختر شماری نصیب ہوئی فرد ے شاہد رہیو تو اے شب ہجر ؛
جھپکی نہیں آنکھ شفقی کی ؛ اسی انداز سے دو مہینے گذرے جانعالم کا روز کی کوفت سے یہ عالم
ہوا کہ سوکھ کر کانٹا ہو گیا بدن ڈھانچہ ہو گیا استاد ہوں کاہ سے کاہیدہ بس زار اسے کہتے ہیں ؛
عیسیٰ سے نہ ہو اچھا بیمار اسے کہتے ہیں ؛ بن ہاتھ لگے دس کے جا سے نہیں ہلتا ہیں ؛ لاغر اسے
کہتے ہیں تیار اسے کہتے ہیں ؛ تصویر مرقع ہوں سکتہ کا سا عالم ہے ؛ جنبش ہی نہیں نقش دیوار
اسے کہتے ہیں ؛ قضارا ایک روز وقت رخصت ساحرہ بولی جانعالم تیری تنہائی کا اکثر خیال بلکہ
مجھے ملال رہتا ہے تو اکیلا تمام دن گھبراتا ہو گا باغ خالی کاٹے کھاتا ہو گا مجبور ہوں کوئی ترے دل
بہلانے کی گون نہیں جسے چھوڑ جاؤں یہ لونڈیاں بد سلیقہ ہیں انکو کہانتک آدمیت سکھاؤں ہنوز
انھیں نشست و برخاست کا قرینہ نہیں آیا ان سے تو اور برخاستہ خاطر ہو گا شہزادے نے کہا
گھبرائیں گے تنہا پیدا ہوئے تمام عمر اکیلے رہے ہماری قسمت میں دوسرا لکھا نہیں ہم صحبت ہمارا اسد
خلق کیا نہیں لیکن یہ اندیشہ ہمیشہ رہتا ہے کوئی ہمیں مار ڈالے تو دن بھر مفت مٹی خراب ہے تم سے کون جا کہے
ہنسنے کی جا ہے رونے والا ناپید ہے وہ بولی یہ مکان طلسم ہے باد مخالف کا گذر محال ہے تیرا کدھر خیال ہے شہزادے
نے کہا اگر کوئی جادوگر یہ قصد کرے اسے کون روکے وہ فریفتہ بشدت تھی بند ہوئی وہم یہ ہوا کہ میرے
بعد کوئی جادوگرنی آئے اور اس پر عاشق ہو جائے مار ڈالنا کیسا یہاں سے لے اڑے تو تو کہاں سے
پائے سب محنت برباد ہو جائے فرط محبت انتہائے الفت میں انجام کار نہ سوچی بے تامل نقش سلیمانی
صندوق سے نکال اس کے بازو پر باندھا کہا اب نہ تاثیر سحر نہ دیو کا گذر نہ پری سے ضرر ہو گا۔

دل کا کھٹکا مٹا مزے اُڑا یہ کہہ کے وہ تو بدستور چلی گئی جانعالم کے سر پر خرابی آئی وہی بلبلانا شور
مچانا باغ کو سر پر اٹھانا اور گاہ انجمن آرا کے تصور سے یہ کہنا مؤلف ؎ لکھا ہوا یہی قسمت کا تھا
سو جان ملا * کہ میری خاک میں محنت دے آسمان ملا * ہزار صدمے پہ دل نے ہمارے اُف بھی کی *
جو اک رفیق ملا وہ بھی بے زبان ملا * نہ ہم نے چین بزیر فلک کبھی پایا * عنایت ازلی سے
عجب مکان ملا * تری تلاش میں در در بھٹکتے پھرتے ہیں * ملا نہ تو ہی جو جوتی سے گو جہان ملا *
نہ کہہ تو پیر فلک پر کہے گی ساری خلق * کہ خاک میں ترے جوروں سے کیا جوان ملا * بہت جہان
کی کی سیر اے سرو دحزیں * پہ بے خزان نہیں کوئی بوستان ملا * ایکدن عالم تنہائی میں
جانعالم کو یہ خیال آیا کہ اس نقش کی تعریف اس نے بہت کی تھی کھولوں تو شاید عقدہ کار بستہ
کھلے یہ سوچکے اسے کھولا اس کا یہ نقشہ تھا بست در بست کا نقش ہر خانے میں اسمائے الٰہی مع
ترکیب و تاثیر تحریر تھے دیکھتے دیکھتے خانہ مطلب میں نظر پڑی لکھا تھا کہ کوئی شخص کسی ساحر کی
قید میں اگر ہو یہ اسم پڑھے نجات پائے یا مکان طلسم میں پھنسا ہوا سے پڑھتا جدھر چاہے چلا جائے
اور جو کوئی سحر کرتا ہو اس پر دم کر پھونکدے اسی دم اسکی برکت سے ساحر کو پھونکدے یہ ساتھ
اس میں دیکھ کے قریب تھا کہ شہزادے کو شادی مرگ ہو جلد جلد وہ سب اسم یاد کر نقش بازو پر
باندھا اس عرصہ میں جادوگرنی موجود ہوئی جان عالم کے تیور بُرے دیکھے پوچھا آج مزاج کیسا ہے
وہ بولا الحمدللہ بہت اچھا ہے دیر سے تیرا منتظر تھا اے بجھے شیطان علیہ اللعن کو سونپا ہمارا اللہ
نگہبان ہے یہ سنتے ہی روح قالب سے نکل گئی سمجھی پیچ پڑا جانعالم جل نکلا سحر سے لوکنے لگی تاثیر نہ کی
سر پیٹ کر کہا سعدی ؎ کس نیاموخت علم تیر از من * کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد * یہ کہہ کر ناریل زمین پر مارا
وہ پھٹا ہزارہا اژدہا شعلہ فشاں پیدا ہوا شہزادے نے کچھ پڑھا وہ سب پانی ہو گئے فانی ہو گئے پھر منت
کرنے لگی پاؤں پر سر دھرنے لگی جادوگرنیاں سمجھانے لگیں کہ یہ شرط مروت نہیں جو اپنا والہ و شیدا ہو اس سے
دغا کیجے شہزادے نے کہا گریبان میں منہ ڈالو سوچو تو ہم بھی کسی کے عشق میں عزیزوں سے جدا مصیبت
کے مبتلا سر بصحرا ہوئے تھے ہمیں جبر سے قید کیا ہزار طرح کا الم مفارقت دیا یہ احسان کچھ کم ہے ہم نے
طلسم درہم برہم نہ کیا وہ سمجھی یہ نہ ٹھہریگا عاشقی کا کام نصیحت و پند و قید و بند سے نہیں ہوتا اور جبر
کا کام حجاب آسا ناپائیدار ہے اس کا کیا اعتبار ہے حسن ؎ سدا ناؤ کاغذ کی چلتی نہیں

اور یہ قضیہ اتفاقیہ ہے ع ہر روز عید نیست کہ حلوا خورد کسے ؛ حسن کبھی یوں کبھی ہے گردش
روزگار ؛ کہ معشوق عاشق کے ہو اختیار ؛ لیکن سوچو تو لاکھ طرح کا راحت و آرام ہو جی نہ لگے تو
کیا کرے استاد ؎ دولت کونین حاصل ہو تو ٹھکرائے لات مار ؛ پھر نہیں لگتا ہے جی جس جا سے ہو
جس کا اچاٹ ؛ الغرض وہ سر پیٹتی رہی جانعالم نے بہ برکت اسمائے الٰہی اس طلسم سے رہائی
پائی اپنی راہ لی چند روز میں پھر اس حوض پہ وارد ہوا دیکھا اسپ وفادار پتھر سے سر مار مر گیا
تھا اسکی لاش دیکھ دل پاش پاش ہوا خوب رویا اب اور رنج پیادہ پائی کا قدم‌بوس ہمعنان اندوہ
کہاں وہ شہزادہ پروردہ ناز و نعم کہاں یہ سفر پیادہ پائی کا دور دراز تنہائی کا دو قدم ہر قدم خار
ہر گام آزار مگر تصویر یار پیش نظر ہر قطرۂ اشک میں سو سوختہ جگر آہ و نالہ در دہان یہ شعر ہر ساعت ورد زبان
تاسنج ؎ مانع صحرانوردی پاؤں کی ایذا نہیں ؛ دل دکھا دیتا ہے لیکن ٹوٹ جانا خار کا ؛ کیوں نہ کھٹکوں
آسمان کو رات و دن میں ناتواں ؛ آبلے کی شکل ہیں مجھ میں عالم خار کا ؛ رنگ رو فق دل میں قلق سینہ
فگار پا آبلہ دار چھاتی غم دوری سے شق کبھی حکایت شکایت بیر گاہ یہ غزل مولف کی درد آمیز پڑھتا
چلا جاتا تھا مولف ؎ توڑ کر خم اور ٹپک کر آج پیمانے کو ہم ؛ سوئے مسجد جاتے ہیں زاہد کے
بہکانے کو ہم ؛ شمع محفل میں کبھی بار پروانے کو ہم ؛ ایک کیڑے سے بھی کیا کچھ کم ہیں جل جانے
کو ہم ؛ خواب سا کرتے ہیں ہم ایام عشرت کو قیاس ؛ دھیان میں لاتے ہیں جس دم گذرے
افسانے کو ہم ؛ کل تلک تھا جس مکاں میں شمع رویوں کا ہجوم ؛ چھانتے ہیں اب وہاں پر
خاک پروانے کو ہم ؛ اشک گلگوں کا نشان چھٹ کچھ پتہ ملتا نہیں ؛ جب خزاں میں ڈھونڈتے
ہیں اپنے کاشانے کو ہم ؛ جرم کچھ صیاد کا اپنی اسیری میں نہیں ؛ رہتے ہیں کنج قفس میں لے
اور دانے کو ہم ؛ رشک زلف یار سب عقدے ہیں میرے اے سرور ؛ اور الجھتے ہیں بیٹھے جب
سلجھانے کو ہم ؛ چشم تر رنگ زرد آہ سرد دل میں درد پاؤں کہیں رکھتا آبلہ پائی سے کہیں اور جا
نہ راہ میں بستی نہ گاؤں ہر میل نہ سنگ نشان راہ کا سر نہ پاؤں دل صفا منزل ہیں عزم درد لیا
آبلوں کو انس خار سخت بد حواسی تھی کانٹوں کی زبان تلووں کی خون کی پیاسی تھی نہ کوچ کی طاقت
نہ یارائے مقام گھبرا کے دو ناکام یہ کہتا مولف ؎ بدل دے اور دل اس دل کے بدلے ؛ الٰہی
تو تو رب العالمین ہے ؛ ولہ اور اس پر نقد جان دیکر بدل لیتا سرور ؛ گر دل بیخ چڑھ جاتا کسی کا دیکھا

اور جب جنون عشق کا دولہ از حد ہوتا تو سر پکڑ کر روتا اور یہ کہتا مولف ؎ قرار باقی نہیں جانِ زار
بن تیرے ؛ ستا رہا ہے دلِ بیقرار بن تیرے ؛ گھمنڈ تھا مجھے جن جن کا سب وہ بھاگ گئے ؛ حواس
و ہوش و شکیب و قرار بن تیرے ؛ سرور کشتۂ محجوب خاک شرح کرے ؛ بسر جو کرتا ہے لیل و نہار بن تیرے
خلاصہ کلام یہ کہ اسی حال خراب اور دل بیتاب سے ہر روز سرگرم منزل تھا دیدۂ دیدار طلب سے رواں خونابۂ دل تھا

رہائی طلسم سے اس گرفتار محبت کی اور پہونچنا وادی فرحناک بخس و خاشاک میں پھر ملاقات بانیٔ مہر و وفا یعنی ملکہ مہر نگار پر تمکین با وقار سے پیر مرد کا لوح دینا شہزادے کا رستہ لینا

عشق ہے تازہ کار تازہ خیال ؛ ہر جگہ اسکی اک نئی ہے چال ؛ کہیں آنسو کی یہ سرایت ہے ؛ کہیں یہ
خونچکاں حکایت ہے ؛ گہ نمک اسکو داغ کا پایا ؛ گہ پتنگا چراغ کا پایا ؛ کہیں طالب ہوا کہیں مطلوب ؛
اسکی باتیں غرض ہیں دونوں خوب ؛ یہاں سے دشت نور داں وادیٔ سخن جگر افگار غربت زدگان
پر محن سینہ ریش بپائے زخمدار و دل خار خار بیان کرتے ہیں کہ وہ مسافر صحرائے اندوہ حرمان بے توشہ
و زاد راہ ہر روز بادل پر سوز گراہ گراہ بادیہ گردی کرتا نہ جیتا نہ مرتا ایک روز نواح دلکشا و صحرائے
فرح افزا میں گذر ہوا دیکھا کہ باغبان قدرت نے صفحۂ دشت گلہائے مختلف رنگ سے بہشت ہشتم رشک صحن چمن اور
بوٹا پتا گھانس کا بہ از گل باغ ارم خجلت دہ نسرین و نسترن بنایا ہے گرد ہر جدول آب رواں چشمہ ہر ایک
چشمۂ حیوان اور لکہ ہائے ابر نے چھڑکاؤ سے عجب رنگ جمایا ہے نسیم بہار اور درخت گلزار سے میدان
رشک بہشت رہتا ہے نہ کہیں گرد ہے نہ غبار ہے درختوں پر فیض ہوا اور ترشح سے سرسبزی ہے اور چمک کا
جوبن ہے جو دور دے جنگل نمونۂ گلگشت ہے یہ تو مدتوں کا مسافت دیدہ مسافرت کشیدہ تھا وہ
زمین خجستہ آئین بہت پسند آئی دل میں آیا کہ آج کی شب اسی جا سحر کیجیے قدرت حق مد نظر کیجیے ایک
سمت زمین ہموار درخت گنجان چشمہ ہائے آب رواں دیکھکر جا بیٹھا جنگل کی کیفیت جی بیکل کرنیوالی
جانوروں کی اچھل کود کی دیکھا بھالی خوش فعلی کی سیر کلیں میں وحش و طیر بو باس ہر گل کی
دھوم دھام طائروں کے غل کی بوٹے پتے کی نشو و نما سر دست ہوا ابر سیاہ کہیں گھرا سرخ و سفید
اودی ساون بھادوں کی گھٹا رعد نے زور و شور سے میخواروں کو سنایا یہ کہہ رہا ہے میر سوز ؎ کی
فرشتوں کی راہ ابر نے بند ؛ جو گنہ کیجے ثواب ہے آج ؛ ندیاں نالے چڑھے دریا بڑھے جھیلیں

تالاب لبریز ڈبرے موج خیز پپیہے کا مستوں سے مخاطب ہونا پی پی کہہ آپی جان کھونا کوئل کی کو کو اُن
تو تو سے کلیجہ منہ کو آتا تھا مور کا شور برق کی چمک رعد کی کڑک ہوا کا زور و شور رنگ دکھاتا تھا شام
کا وقت غروب آفتاب کا عالم جانوروں کا درختوں پر بیٹھنا باہم زمین پر فرش زمردیں بچھا دھان
لہریں لے رہا آسمان میں رنگارنگ کی شفق پھولی شام اودھ کی سیر کھولی ایک سمت قوس قزح
جسے دھنک کہتے ہیں بصد عظمت و شان فلک پر نمایاں سرخ سبز زرد دھانی لکیریں عیاں
بلبل کے چہچہے درخت سبز کے لہلہے کوسوں تک سبزہ زار پھولوں کی بہار کہیں ہرن چرتے کہیں
پرند سیر کرتے کسی جا طاؤس سان طناز سرگرم رقص و ناز لب ہر چشمہ آب مرغابی آبی و سرخاب
کبھی نمود ہونا مادہ کا چکور کا دوڑنا بھرنا آہ کا دونوں وقت ملتے اس دیدہ کی خراش سے دل پاش
پاش زخم جگر چھلتے یہ سیر جو ہجر جاناں میں نظر سے گذر جائے کیونکر دل ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو چھاتی بھر
نہ آئے اُستاد ؎ داغ گر کرتی ہے ہر بوند تن پہ یار بن :: کیا عجب گر ہوں ہرے داغ جگر
برسات میں :: قاعدہ ہے جب آدمی کو سامان عیش و نشاط اس طرح کی سیر فرحت و انبساط
میسر ہوتی ہے جسے جی پیار کرتا ہے وہ یاد آتا ہے شہزادے نے مدت کے بعد یہ فرحت جو
پائی یار کی یاد آئی۔ شعر ؎ میں وہ نہیں جو کروں سیر بوستاں تنہا :: بہشت ہو تو نہ منہ کیجے
باغباں تنہا :: اسی سوچ میں بیٹھا تھا کہ ایک طرف سے رنڈیوں کا غول پیدا ہوا یہ دھوکا
کھا چکا تھا سنبھل بیٹھا اور اسمائے ردِ سحر پڑھنے لگا بموجب مثل دودھ کا جلا چھاچھ پھونک پھونک
کر پیتا ہے جب وہ آگے بڑھیں غور سے دیکھا چار پانچ سو عورت
کم نازک تن سیم جثہ چالاک کمسن الھڑ پنے کے دن اچھلتی کودتی
پر ایک آفتاب محشر سوار گرد پریوں کی قطار تاج مرصع کج سر پر لباس شاہانہ پر تکلف در بر
سلیمانی اُس بلقیس وش کے ہاتھ میں سیماب وشی بات بات میں صید کرنے کی گھات میں بندوق چقماقی
طائر خیال گرانے والی برابر رکھی شکار کھیلتی سیر کرتی چلی آتی ہے حسن میں بے مثال کاہش بدر
غیرت ہلال میر حسن ؎ برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن :: جوانی کی راتیں مرادوں کے دن
طالع بیدار یاور اقبال دم ساز غمزہ و عشوہ و انداز و ادا جلو میں آفت جان عاشق سر با پا ناز
جان عالم نے بآواز بلند کہا میر تقی ؎ کیا تن نازک ہے جان کو بھی حسد جس تن پہ ہے :: کیا بدن

تصویر صحرائے پُرفضا و جانعالم و ملکہ مہر نگار کا بہ سواری ہوادار جانعالم کے پاس آنا



رنگ ہے تہ جس کی پیراہن پہ ہے ؛ یہ صدا جو اہتمام سواری آگے آگے کرتی تھیں اُنکے
کان میں پڑی اور نگاہ جمال جان عالم سے لڑی سب کی سب لڑکھڑا کر ٹھٹک گئیں کچھ سکتے کے
عالم میں سہم کر جھجک گئیں کچھ بولیں ان درختوں سے چاند نے کھیت کیا ہے کوئی بولی نہیں ری
سورج چھپتا ہے کسی نے کہا غور سے دیکھ ماہ ہے ایک جھانک کر بولی باسٹھ ہے ایک نے
غمزے سے کہا چاند نہیں تو تارا ہے دوسری چٹکی لے کر بولی اچھال چھکا تو بڑی خام پارا ہے
ایک بولی سرو ہے یا چمن حسن کا شمشاد ہے دوسری نے کہا تیری جان کی قسم پرستان کا
پری زاد ہے کوئی بولی غضب کا دلدار ہے کسی نے کہا دیوانیو چپ ہو خدا جانے کیا اسرار ہے ایک نے
کہا چلو نزدیک سے دیکھ آنکھ سینک کر دل ٹھنڈا کریں کوئی کھلاڑن کہہ اٹھی دور ہو ایسا نہ ہو اسی حسرت
میں تمام عمر جل جل مریں ایک نے خوب جھانک تاک کے کہا خدا جانے تم سب کے دیدوں میں چربی کہاں
کی چھا گئی ہے کیا ہوا ہے یہ تو بھلا چنگا ہٹا کٹا مرد وا ہے سواری جو رُکی ملکہ نے پوچھا خیر ہے۔
سب نے دست بستہ عرض کی قربان جائیں جان کی اماں پائیں تو زبان پر لائیں ہمیشہ سواری حضور
کی اسی راہ سے جاتی ہے مگر آج خلاف معمول ان درختوں میں سے ایک شکل دلچسپ ایسی
نظر آتی ہے فرد۔ سُنا یوسف کو حسینان جہاں بھی دیکھے ؛ ایسا بے مثل طرحدار نہ دیکھا نہ سُنا ؛

ملکہ متعجب ہو کے پوچھنے لگی کہاں ایک نے عرض کی وہ حضور کے سامنے جیسے ہی ملکہ کی نگاہ چہرۂ
بے نظیر صورت دل پذیر جان عالم پر پڑی دیکھا ایک جوان رشک مہ کنعان رعنا سرو قامت سہی
بالا بحر حسن و خوبی کا در یکتا کاسۂ سر سے فر شاہی نمایاں بادۂ حسن دل فریب سے معمور ہے دماغ
میں کشور ستانی ہے اٹھتی جوانی ہے نشہ شباب سے چکنا چور ہے خم ابرو محراب حسینان سجدہ گاہ
پردہ نشینان چشم غزالین سرمہ آگیں ہے آہوئے رم دیدہ کشور چین ہے چتون سے رمیدگی پیدا
ہے مست مے محبت ہے اس پر چوکنا ہے دیدے کی سفیدی اور سیاہی لیل و نہار کو آنکھ دکھاتی ہے
سواد چشم پر حور سوید لئے دل صدقے کیا چاہتی ہے حلقۂ چشم میں کتنے ہموار مردم دیدہ دھرے ہیں
صانع قدرت نے موتی کوٹ کوٹ بھرے ہیں مژہ نکیلی اس کمان ابرو کی دل میں دوسار ہونے کو
لیس ہے رشک لیلی یہ غیرت قیس ہے ناوک نگاہ سے پیر چرخ تک پناہ نہیں دلدوزی بیگناہوں
کی اسکی ملت میں ثواب ہے گناہ نہیں لوح پیشانی تختۂ سیمیں یا مطلع نور ہے یا طباشیر صبح یا شمع طور
ہے کاکل مشکیں سے زلف سنبل کو پریشانی ہے بو باس سے ختن والوں کو حیرانی ہے عنبر ہیچ پوں
کو زندگی وبال ہے بال بال پر پیچ و خمدار ہے روئے تاباں سبحان چشمۂ حیواں ظلمت سے نمودار ہے
ہما اپنے پر و بال سے اس صاحب اقبال کا مگس ران ہے رخ تابندہ کی چمک سے نیر اعظم
لرزاں ہے لب گل برگ تر پر سبزے کی نمو ہے یا دھواں دھار مشاقوں کے دل کا دود ہے
نظر کام نہیں کرتی قدرت ودود ہے ہر حلقۂ گیسوئے معنبر کا کمند گرہ گیر ہے مگر بالوں کے الجھنے سے
کھلتا ہے کہ کسی کی زلف پیچاں کا اسیر ہے خندۂ دنداں نما سے ہونٹ لعل بدخشاں کا رنگ
مٹاتا ہے دانتوں کی تاب سے گوہر غلطاں بے آب ہوا جاتا ہے معشوقوں کا ان پر دانت ہے
دل و جان وارتے ہیں جو نظر سے پنہاں ہو دھاڑیں مارتے ہیں دم تقریر درج دہاں جو کھلتا ہے
سامع موتی رولتا ہے ہر کلمہ اعجاز نما ہے بیمار محبت کا مسیحا ہے ہاتھ ہر ایک نہال الفت کی
شاخ باردار ہے دل کی دست بردی کو اور خزانۂ قارون بانٹ دینے کو سر دست تیار ہے
کف دست کی لکیریں دستاویز محبت ید قدرت سے تحریر ہے سر نوشت سے یہ کھلتا ہے کہ
سلسلۂ الفت میں کسی کی رگ و پے بستۂ زنجیر ہے مرآت سینہ میں عکس افگن کوئی صاحب جمال
ہے مد نظر کسی کا خیال ہے کمر نازک جستجو پر باندھے چست ہے بیٹھا سست ہے چلنے کو

مثل صبا آندھی ہے پاؤں وادی تلاش میں سرگرم رفتار ہیں پر قدم دشت و کہسار ہیں قسمت
بر سر یاری ہے کہ ہمارے دام میں یہ ہما ہے اوج شہریاری ہے یہ تصور دل میں تھا کہ کارپردازان
محکمۂ ناکامی حاضر ہوئے اور مشاطۂ حسن و عشق نے پیش قدمی کر متاع صبر و خرد نقد دل و جان
اسباب ہوش و حواس تاب و توان بلکہ جگر افگار ارمغان رونمائی میں نذر شاہزادۂ والا تبار
کیا عقل و دانش گم "صم بکم" کا نقشہ ہوا حضرت عشق کی مدد ہوئی سب بلا دھوئی شوق وصل پیدا
ہوا جی شیدا ہوا دفعتاً کیا تھا کیا ہوا میر تقی سے تھی نظر یا کہ جی کی آفت تھی :: وہ نظر ہی وداع طاقت
تھی :: ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ :: صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ :: دل پہ کرنے لگا طپیدن
ناز :: رنگ چہرے سے کر گیا پرواز :: ملکہ تھرتھرا ہوا دار پر غش ہوئی خواصوں نے جلد جلد
گلاب اور کیوڑہ بید مشک چھڑکا کوئی نادعلی پڑھنے لگی کوئی سورہ یوسف دم کرنے کو آگے
بڑھنے لگی کسی نے بازو پر رومال کھینچکر باندھا تلوے سہلانے لگی کوئی مٹی پر عطر چھڑک کر
سونگھانے لگی کوئی ہاتھ منھ کیوڑے سے دھوتی تھی کوئی صدقے ہو ہو روتی تھی بولی چہل گنجی کا
کٹورہ لانا کسی نے کہا شب کی تختی دھو کر پلانا کسی نے کہا لا ریب آسیب ہے کوئی بولی عجیب
مہ پارہ ہے جسے دیکھنے سے دل ناشکیب ہے کوئی سمجھی یہ شخص ہمجنس نہیں قسم جن سے ہے کوئی بولی
یہ غشی تقاضائے سن سے ہے غرضکہ دیر میں ملکہ کو افاقہ ہوا مگر دل مضطرب طپاں خواہش اسطرف
کشاں جذب عشق سے مقناطیس اور آہن کا عالم کشش محبت سے کاہ و کہربا اسی دم ہو گئی رنگ
رخ طائر پریدہ صبر و ضبط دامن کشیدہ مشورہ ہوا سواری ادھر سے پھیرو ملکہ کو بیچ میں گھیرو لیکن تاب و تحمل
و یارائے صبر ملکہ کو بالکل نہ تھا فرمایا دیوانیاں ہو یہ کوئی مسافر بیچارہ خانماں آوارہ غربت کا مارا تھک کر
بیٹھ رہا ہے اس سے ڈرنا کیا چلو نزدیک سے دیکھیں ناچار وہ سب فرمانبردار چلیں مگر جھجکتی ایک
دوسرے کو تکتی جوں جوں سواری قریب جاتی تھی ملکہ کی چھاتی دھڑکتی تھی دل میں تڑپ زیادہ
پاتی تھی اگرچہ جمال ملکہ مہر نگار بھی سحر سامری کا نمونہ مہ و مہر سے دونا عابد کش و زاہد فریب تھا جانعالم
بھی بے چین ہوا مگر دامن ضبط دست استقلال سے نہ چھوڑا جس طرح بیٹھا تھا جنبش نہ کی تیور پر
میل نہ آیا ایک خواص خاص باشارۂ ملکہ آگے بڑھی پوچھا کیوں جی میاں مسافر تمہارا کدھر
سے آنا ہوا اور کیا مصیبت پڑی ہے جو اکیلے سوائے اللہ کی ذات یہہات نہ کوئی سنگ ساتھ اس جنگل

دار دہو شہزادے نے مسکرا کر کہا مصیبت تجھ پر پڑی ہو گی معلوم ہوا یہاں آفت زدے آتے ہیں
کہو تم سب کی کیا کمبختی ایاموں کی گردش نصیبوں کی سختی ہے جو چڑیلوں کی طرح ناکام سرشار
پھرتی ہو ملکہ یہ سن کر پھڑک گئی خود فرمانے لگی واہ واہ صاحب تم بہت گرما گرم تند مزاج حاضر جواب ہو
حال پوچھنے سے اتنا برہم ہو کر کڑوا فقرہ سنایا کہ اس مردار کے ساتھ تھو تھو مجھ چھٹ سب کو چھلپائیاں
بنایا جان عالم نے کہا اپنا دستور نہیں کہ ہر کس و ناکس سے ہمکلام ہوں دوسرے مردار سے بات
حرام ہے خیر دھوکے ہیں جیسا اُس نے سوال کیا ویسا ہم نے جواب دیا اب تمہارے منھ سے مُردار نکلا
ہم سمجھ گئے چپ ہو رہے ملکہ نے ہنس کر کہا خوب یک نشد دو شد صاحب چونچ سنبھالو ایسا کلمہ
زبان سے نہ نکالو کیا میرے دشمن درگور مُردار خور ہیں آپ بھی کچھ منھ زور ہیں بھلا وہ تو
کہہ کے سن چکی ہیں آپ سے پوچھتی ہوں حضور کس سمت سے رونق افروز ہوئے دولت سرا چھوڑ
کے رنز ہوئے اور قدوم میمنت لزوم سے اس دشت پُرخار کو کیوں رشک لالہ زار کیا جان عالم
نے کہا چہ خوش آپ در پردہ بناتی ہیں بگڑ کر طنز سے یہ ناتی ہیں ہم حضور کاہے کو مزدور ہیں تم جیتے
جی جوجا بڑے کندھے چڑھی ہو تم البتہ حضور ہو جو جلیسیں تھیں بولیں ملکہ عالم آپ کس سے گفتگو
دو بدو کرتی ہیں یہ مردوا تو لٹھ ہے سخت منھ پھٹ ہے ملکہ بولی چپ رہو ان باتوں میں دخل
نہ دو ایسا نہ ہو یہ بدمزہ ہو جائے تو صلواتیں سنائے وہ سب ہٹیں آپس میں کہا خدا خیر کرے آج
جنگل میں گل پھولا چاہتا ہے یہ پردیسی پنچھی مسافر راہ بھولا چاہتا ہے ملکہ نے کہا اے صاحب
کچھ منھ سے بولو سر سے کھیلو نذر بھینٹ جو چاہو لے لو جان عالم نے کہا امرائیت کو کام نہ فرمائیے
آؤ معلوم ہوا تم بڑی آدمی ہو سواری مانگے کی نہیں خواصیں بھی تمہاری ہیں خاک نشینوں کی
ہمبستری کرو تکلف تہہ کر رکھو طبیعت حاضر ہو گی تو تمہارے بیٹھنے سے کچھ کہہ اٹھیں گے تم ہوادار کیا
ہوا کے گھوڑے پر سوار ہم فقیر بستر خاک پر سایہ دار حافظ ؎ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا ؛ ملکہ بولی
اس مدۃ العمر میں ایسا مسافر جریدہ دہن دریدہ تمہارے سوا بخدا نہیں دیکھا استاد سے زبان سنبھالو
یہ منھ زوریاں غریبوں پر ؛ خدا کی شان کوئی تم سا بھی بدلگام نہیں ؛ تم کوئی اور چیز ہو یکہ و تنہا
ٹٹو نہ گھوڑا گٹھری نہ بقچہ ننگا لچا وہی مثل ہے رہے جھوپڑے میں خواب دیکھے محلوں کا ہر بات میں
ٹھنڈی گرمیاں کرتے ہو جو یہی خوشی ہے تو لو یہ کہہ کے ہوادار سے اتر شہزادے کے برابر بیٹھ گئی خوصور

نے بہت بھیانک ہو کے کہا بی بی یہ مُوا کیا سحر بیان جادو کا انسان ہے ملکہ سی پری کو گالیاں دے دیکر کیسا شیشے میں اتار لیا بیٹھے بٹھائے میدان مار لیا ایک بولی مجھے اپنے دیدوں کی قسم سچ بولیو ایسا جوان رنگیلا سجدار نکیلا ٹھٹھول طرار آفت کا پرکالا دنیا سے نرالا تو نے یا کبھی تیری ملکہ نے دیکھا بھالا تھا اری دیوانی نادان خوبصورتی عجب چیز ہے اس کا دوست طالب و دشمن کا مطلوب ہے حسن خوب کو مرغوب ہے جہان کو عزیز ہے غرضکہ جب ملکہ بیٹھی جانعالم دم سرد بھر کے بول اٹھا لا اعلم ؎ چہ گویم از سر و سامان خود عمریست چوں کاکل ✤ سیہ بختم پریشاں روزگارم خانہ بر دوشم ✤ مؤلف ؎ سراسر دل دکھاتا ہے کوئی ذکر اور رہی چھیڑو ✤ پتہ خانہ بدوشوں سے نہ پوچھو آشیانے کا گرفتار رنج و الم خوشی سے دور مبتلائے غم بے یار و مددگار دوست نہ غمخوار آفت کا مارا گھر بار سے آوارہ ہمہ تن یاس باختہ حواس توشۂ راہ بجز غم جانکاہ نہیں اور رہبر سوائے دل مضطر ہمراہ نہیں گو پاؤں میں طاقتِ رفتار نہیں لیکن ایڑیاں رگڑنا بھی اس راہ میں ننگ و عار نہیں یہ حال ہے وہ سب نام ہیں کوہ و دشت اپنے مقام ہیں اور یہ چند شعر میر سوز صاحب کے مطابق حال ہیں میر سوز ؎ ظاہر میں گرچہ بیٹھا لوگوں کے درمیاں ہوں ✤ پر یہ خبر نہیں ہے میں کون ہوں کہاں ہوں ✤ اے ساکنان دنیا آرام دو گے اک شب ✤ بچھڑا ہوں دوستوں سے گم کردہ کارواں ہوں ✤ ہاں اہل بزم آؤں میں بھی پر ایک سن لو ✤ تنہا نہیں ہوں بھائی با نالہ و فغاں ہوں ✤ سو سراخ چاک لاکھوں داغوں کی کون گنتی ✤ گلشن دل و جگر ہے گو صورتِ خزاں ہوں ✤ نام و نشاں نے یارب سوا کیا ہے مجھ کو ✤ جی چاہتا ہے حق ہو بے شان و بے نشاں ہوں ✤ قاتل پکارتا ہے ہاں کون کشتنی ہے ✤ کیوں سوز چپ ہے بیٹھا کچھ بول اٹھ کہ ہاں ہوں ✤ یہ پڑھ کے چپ ہو رہا ملکہ سمجھی یہ مقرر شاہزادہ عالی تبار ہے مگر کسی کا عاشق زار ہے بات میں یہ تاثیر ہے کہ ہر کلمہ ناوک کا تیر ہے دل میں آیا کسطرح گھر لے چلیے پھر حال مفصل معلوم ہو جائے گا کہاں تک چھپائے گا بمنت و سماجت کہا اے عزیز یہ سرزمین ہمارے علاقہ میں ہے تم یہاں مسافرانہ اتفاقات زمانہ سے وارد ہو مہمانی ہم پر واجب ہے چند گام اور قدم رنجہ کیجئے غریب خانہ قریب ہے آج کی شب استراحت فرمائیے نان خشک کھائیے صبح اختیار باقی ہے جانعالم نے تبسم کر کے کہا پھر در پردہ امارت کی لی یعنی ہم تو یہاں کے

مالک ہیں آپ بھوکے پیاسے سالک ہیں چلو یہ فقرہ کسی فقیر کو سُنا و محتاج کو کرو فرجاہ و حشم دکھا
جادۂ اعتدال سے زبان کو گام فرسانہ فرماؤ یہاں طبیعت اپنی اپنے اختیار میں نہیں اور
رواداری سے فرصت قلیل ہے مکان پر جانا دعوت کھانا جبر ہے اسکی کیا سبیل ہے ملکہ
نے افسردہ خاطری سے کہا دعوت کا ذکر کرنا منع ہے آیندہ آپ مختار ہیں ہم مجبور ناچار ہیں جان عالم
نے دلمیں خیال کیا برسوں کے بعد مجنسوں کی صحبت میسر آئی اور یہ بھی شاہزادی ہے اس کو
آزردہ کرنا نری بیحیائی ہے آدمیت کا لحاظ انسانیت کا پاس اپنی بے اعتنائی کا حجاب کہکے
کہا کھانے پینے سونے بیٹھنے کی ہوس دل سے اٹھ گئی ہے مگر دل شکنی کسی کی اپنے مذہب میں گناہ
عظیم ہے خدا علیم ہے شعر عوض ہے دل شکنی کا بہت محال آیا ❊ جو شیشہ ٹوٹے تو کیجے جواب
شیشے کا ❊ لیکن اتنی رکھائی اور کج ادائی جو ظہور میں آئی اس نظر سے تھی شعر دل
خود در اہ مدہ ہیچو منے را ❊ افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را ❊ دلفگاروں کی صحبت سے ملال حاصل
ہوتا ہے غمگین کا ہمنشین ہمیشہ ملول ہوتا ہے میر درد ؎ نہ کہیں عیش تمہارا بھی منغص ہوجے دوستو
درد کو محفل میں تم نہ یاد کرو ❊ اور جو یوں ہی مرضی ہے تو بسم اللہ یہ کہکر اٹھا ساتھ ساتھ
میں ہاتھ پیادہ پا باتیں کرتا چلا بسکہ شاہزادہ لطیف و ظریف تھا کوئی فقرہ نوک جھوک مزہ کنایہ
سے خالی زبان پر نہ لاتا تھا ملکہ کا ہر بات میں دل گھلا جاتا تھا مگر دل سے کہتی تھی کہ اے ناکام
وبخت نافرجام ایسا نہ کرنا کہ ہاتھ ننگ و ناموس سے دھونا پڑے بیٹھے بٹھائے الم مفارقت میں رونا
جان کھونا پڑے ظاہر ہے کہ یہ کسی کا عاشق زار ہے نشۂ محبت میں سرشار ہے دوست
غریب الوطن بقول میر حسن ؎ مسافر سے کوئی بھی کرتا ہے بیت ❊ مثل ہے کہ جوگی ہوئے
کس کے میت ❊ مگر تپش دل متصل تر تی میں تھی خواہش جی کی کاہش میں بیقراری کو اُس بر
قرار تھا خدا کے کارخانے میں کسی کو دخل نہیں ہوا اے نادان جو دم وصل ہے اسے غنیمت
جان آغاز عشق میں انجام سوچنا خلاف ہے اسمیں شرع کی تکلیف معاف ہے مؤلف ؎ غنیمت
جان لے صحبتیں آپس کی اے دل ناداں ❊ دگر گوں حال ہوجاتا ہے اک دم میں زمانے کا
القصہ تا در باغ پہونچے دروازہ کھلا اندر آئے جہاں کی فزائے صحرا دیکھی وہاں کے باغ
کا کیا کہنا اگر ایک تختہ کی صفت تحریر کروں ہزار تختہ کاغذ بر بخطار یحان نہ لکھ سکوں

دم تسطیر قلم میں برگ نکلتے ہیں لکھنا بار ہوتا ہے ہاتھ پاؤں بالکل پھولتے ہیں صفحۂ قرطاس پر
گل پھولتے ہیں حاسد کو خار ہوتا ہے بہت آراستہ و پیراستہ عرض برابر میں چاروں کونوں پر بنگلے
گرد سبزۂ نوخاستہ دروازہ عالی شان نفیس مکان نمود دیوار خندق پر کیلے اکیلے نہیں قطار در قطار
تختہ بندی کی بہار روش کی پٹریاں قرینے کی مہندی کی ٹٹیوں میں رنگت مینے کی گل مہندی
سرخ و زرد پر افشاں عباسی کے پھولوں سے قدرت حق نمایاں نرگس دیدہ منتظر کی شکل دکھاتی تھی
گل شبو سے بھینی بھینی بو باس آتی تھی میوہ دار درخت یک لخت جدا بار کے بار سے ٹہنیاں
جھکیں درخت سر کشیدہ پھل لطیف و خوشگوار پھول نازک قطعدار روشیں بلور کی نہریں نور کی
حوض و نہریں میں فوارے جاری چمنوں میں باد بہاری موسم کی تاک میں تاک کا مستوں کی روش جھومنا
غنچۂ سر بستہ کا منہ تاک تاک کر نسیم کا چومنا انگور کے خوشوں میں ڈال آبلہ دار کا تیا زربفت کی تھیلیاں
چڑھیں نگہبانی کو گوشوں میں باغبانیاں الست کھڑیں ہر تختہ ہرا بھرا روش کی پٹریوں پر چینی کے
ناندوں میں درخت گلزار معنبر و معطر بیلا و چنبیلی موتیا موگرا مدن بان جوہی کیتکی کیوڑا نسرین و نسترن
کی نرالی آن بان ایک سمت تختوں میں لالہ خوف خزاں سے بادل داغدار گرد اس کے نافرمان
کی بہار سرو و شمشاد لب نہر جو فاختہ اور قمری کی اس پر کوکو حق سرہ شاخ گل پر بلبل شوریدہ کا شور چمن
میں رقصاں مور کہیں خندۂ کبک کی آواز کہیں تدرو کی خرام ناز نہروں میں قاز بلند آواز تیز پرواز
ایک طرف قرقرے سر سے پاتک درخت گل و بار سے لدے سیب و بہی و ناشپاتی نے رخ گلعذار کی
کیفیت نظر آتی سنبل مسلسل میں پیچ و تاب زلف مہوشان کا ڈھنگ سوسن کی اودا ہٹ
مستی خوبرویوں کا جوبن دکھاتی داؤدی میں صنعت پروردگار عیاں صد برگ میں ہزار جلوے
نہاں آم کے درختوں میں کیریاں مردنگار مولسری کے درخت سایہ دار باغبانیاں خوبصورت
سرگرم کار خواجہ سرا امرد انکے مددگار حور و غلمان کا عالم بیلچے کھرپیاں جواہر نگار ہاتھوں میں
باہم درخت اور روشوں کو دیکھتی بھالتی گل و بار چمن سے چنتی گل و برگ سر بار جھڑا پڑا خار صحن سے
نکالتی پھرتی تھیں بیچ میں بارہ دری پُر شوکت با رفعت و شان پرستان کا مکان ہر کمرہ بجا سجایا صناع
نادر دست کا بنایا غلام گردش کے آگے چبوترہ سنگ مرمر کا حوض مصفا پانی سے چھلکتا فرش
سب نور افشاں پتھر کا شامیانہ تمامی کا تنا سفید بادلے کی جھالر کلابتو کی ڈوریاں

سراسر مغرق بنا چودھویں رات ابر کھلا آسمان صاف شب ماہ سامان اس تکلف کا برسات
کی چاندنی سبحان اللہ فواروں کے خزانے میں بادلہ کتا پڑا ہزارے کا فوارہ چڑھا پانی کے ساتھ
بادلہ کی چمک ہوا میں پھولوں کی مہک فوارے نے زمین کو ہمسر آسمان بنایا تھا تاروں کے
بدلے بادلے کے تاروں کو بچھایا تھا بڑی چمک دمک سے ملکہ کے مکان پر چاندنی دیکھنے کا
سامان تھا شہزادے کے آنے کا کسے گمان تھا غرضکہ جانعالم کو لیجا شامیانے تلے مسند مغرق
پر بٹھایا شراب ارغوانی کی گلابیاں کشتیوں میں لے کر وہ زن پری پیکر زیب انجمن ہوئی کہ بنات
رشک و خجالت سے بحر ندامت میں غوطہ زن ہوئی ایک طرف جام و سبو ایک سمت نغمہ سرائیاں
خوبرو و خوش گلو سفید سفید صوفیانی پوشاک سر سے پاؤں تک الماس کا زیور دوپٹہ صف باندھکر

تصویر باغ پُر تکلف چار کونوں پہ بنگلہ بیچ میں بارہ دری و شہزادہ
و ملکہ مع صُراحی و نغمہ سرائیاں



کھڑی ہوئیں اُنکے بیٹھتے ہی گانا شروع ہوا سارنگی کے سُر کی زدں ٹوں کی صدا چرخ
پُر زہرہ کے گوش زد ہوتی تھی طبلے کی تھاپ بائیں کی گمک خفتگان خاک کا صبر و قرار کھوتی تھی
ہر تان اُپچ تان سین پر طعن کرتی یار بد اور نکیسا کے ہوش پرّاں تھے چھجو خاں کو غش تھا غلام رسول
حیران تھے زمزمے اور تحریر گٹکری پر شوری زور و شور سے ہاتھ ملتا تھا ہر ٹپے فقرے اور سُر کے
پلٹے پر الٰہی بخش پوربی کا جی نکلتا تھا ناچنے کو ایسے ایسے برق وش آئے اور اس تال و سُر
سے گھونگرو بجائے کہ ملوجی شرمائے کتھک جو بڑے استاد اتھک تھے انھوں نے سم کھائے ٹھوکر
مردہ دلوں کی مسیحائی کرتی تھی گت کے ہاتھ پر یہ گت تھی کہ مجلس کفِ افسوس ملتی تھی اور دم
سرد بھرتی تھی جب ہنگامۂ صحبت یاں نوبت پہونچا کہ راجہ اندر کی محفل کا جلسہ نظر سے
گر گیا بہشت کا سامان پیش چشم پھر گیا اُس وقت ملکہ مہر نگار نے گلاس شراب سے بھر کر شہزادے
کو دیا کہا اسے نوش کر لیجیے تا رنج سفر خاطر انور سے دور ہو مجھے استفسار حال ضرور ہے جانعالم
نے باساب ظاہر انکار کیا مہر نگار نے کہا آپ دل شکنی روا نہیں رکھتے اس پہلو تہی کرنے میں
ملال خاطر کے سوا کیا متصور ہے شہزادے نے مسکرا کر ساغر لیا یہ کہہ کر باطبع شگفتہ پیا انشاء ؎
گر یار مے پلائے تو پھر کیوں نہ پیجیے ؛ زاہد نہیں میں شیخ نہیں کچھ ولی نہیں ؛ پھر جان عالم نے
جام شراب اپنے ہاتھ سے ملکہ کو دیا دور جام بے دغدغہ نیرنگی ایام چل نکلا دو چار ساغر
آب آتش رنگ جوانی کی ترنگ میں بہم دست و متواتر جو پیے دونوں کو گونہ سرور ہوا رنج سفر ادھر سے
تمیز و خیال خیر و شر اُدھر سے دور ہوا اُس وقت جان عالم نے کہا میر درد ؎ ساقیا یاں
لگ رہا ہے چل چلاؤ ؛ جب تلک بس چل سکے ساغر چلے ؛ یہ سُن کر وہی خواص گرما گرم
جس نے شاہزادے سے پہلے گفتگو کی تھی ملکہ کے بہت منھ لگی تھی یہ بولی بقا لطف شب
مزائے دل اُس دم تجھے حاصل ہو ؛ اک چاند بغل میں ہو اک چاند مقابل ہو ؛ ملکہ نے بحسرت فرمایا
کہ مردار ہم تیری چھیڑ چھاڑ سب سمجھتے ہیں کیا کریں افسوس کی جا ہے حال اپنا موافق قول
سودا ہے رفیع السودا ؎ جو طبیب اپنا تھا دل اس کا کسی پر زار ہے ؛ مژدہ باد اے مرگ عیسیٰ
آپ ہی بیمار ہے ؛ جانعالم نے یہ سنکر اسی خواص کو سنا کر متنبہ کیا استاد ؎ میں ساز ہوں مجھ سے
دل نہ لگا ؛ کیا پھر درد سے مزا نہ رہا ؛ ملکہ ٹال کر حال پوچھنے لگی کہ تمھیں بخدائے عزّ و جل سچ کہو

تم کون ہو کہاں سے آئے ہو کس کی تلاش میں خود رفتہ گھبرائے ہو اس وقت جانعالم کو بجز اس
مفر نظر نہ آیا کہا ملکہ میں شاہ فیروز بخت کا بیٹا ہوں جان عالم نام ہے سرزمین ختن وطن ہے
فیجت آباد سلطنت کا مقام ہے میں نے ایک طوطا مول لیا تھا بہت طرار سحر گفتار اسکی زبانی
شہرۂ حسن انجمن آرا سُنکے نادیدہ دیوانہ وار بیقرار بیابان مرگ آوارہ وطن مورد رنج و محن ہوا ہوں
طوطے کا راہ میں اُڑ جانا وزیر زادے کا پتہ نہ پانا شمہ بیان گرفتاری طلسم اور اپنی خواری جادوگرنی
نقش سلیمانی کا دینا اور اپنا راستہ لینا کہہ کر کہا بے ملک زرنگار پہونچے نہ جان کو نہ دل کو قرار ہے
زیست بیکار ہے اور یہ غزل پڑھی مؤلف ؎ بسوز شمع دیاں اسطرح کا سینہ سوزاں ہوں ٭ کہ رفتہ رفتہ
آخر جلوۂ سرو چراغاں ہوں ٭ نسیم صبح ہوں یا بوئے گل یا شمع سوزاں ہوں ٭ میں ہوں جس رنگ
میں پیارے غرض دم بھر کا مہماں ہوں ٭ نہ پھل پایا لگانے کو بجز افسوس و حسرت کے ٭ میں نخل
بے ثمر کس مرتبہ مردود دہقاں ہوں ٭ عبث تدبیر ہے گور و کفن کی اُس کے کوچے میں ٭ میں
ننگ دو جہاں ننگے ہی رکھ دیتے کا شایاں ہوں ٭ نہ مرتے مرتے منہ پھیرا محبت سے کبھی
میں نے ٭ جفائیں کس قدر جھیلیں وفا پر اپنی نازاں ہوں ٭ تنی رہتی ہے اکثر چادر مہتاب تربت پر
کہ تا معلوم ہو سب کو قتیل مہ جبیناں ہوں ٭ سردر غم رسیدہ ہوں مجھے طوفان محشر میں ٭ ترا
تو خداوندا غریق بحر عصیاں ہوں ٭ ملکہ نے جب سُنا کہ یہ فریفتہ جمال پری تمثال انجمن آرا ہے
آہ دلدوز نعرۂ جانسوز کھینچکر رونے لگی اُمید قطع ہوئی جان عالم نے بیقرار ہو کے کہا اے ملکہ خیر
خیر باشد ملکہ نے اسی حال میں کہا استاد ؎ مائل اس فتنۂ عالم پہ کیا جو مجھ کو ٭ سوئے بیداد
مگر مرضی دلدار آئی ٭ چاک دل تک تو تجھ اے دست جنوں پردہ تھا ٭ یہ کھلا اب تو کہ نوبت
بگریباں آئی ٭ اے شاہزادۂ والاتبار غارتگر کشور دل عاشق زار میرا حال سُن ع ؎ عجیب واقعہ
و طرفہ ماجرائے ہست ٭ باپ میرا شہنشاہ تھا بہت سے تاجدار خراج گذار تھے مگر ابتدا سے
طبیعت متوجہ فقر تھی اور عبادت کی عادت تھی آخر کار کارخانہ دنیائے دون ہیچ و پوچ جان کے
یہ شعر ورد زبان کیا شعر ؎ جب ہیچ ہی ہم پوچھ چکے وضع جہاں کو ٭ غم ہیچ الم ہیچ طرب ہیچ
عطا ہیچ ٭ اور حکومت کا بکھیڑا چھوڑ چھاڑ معاملہ سلطنت بیکار جان اور بے ثباتی جہاں
گذران مد نظر کر دینا سے ہاتھ اُٹھا بادشاہت کو مٹا آبادی سے منہ موڑا اس

صحرائے پرخار میں مکان بنا کر بیٹھ رہا ہرچند مجھ سے شادی کو ارشاد کیا میں نے بسبب مفارقت
انکار کیا اب دفعتاً آفت آسمانی و بلائے ناگہانی مجھ پر ٹوٹ پڑی کہ بیک نگاہ عاشق کیا
دیوانی ہوگئی ہوش و حواس سے بیگانہ ہوگئی بیت ؎ رسوا ہوا خراب ہوا مبتلا ہوا ؛ کیا جانیئے
کہ دیکھتے ہی مجھ کو کیا ہوا ؛ اور تو اُس کا عاشق و طلبگار ہے جس کا نظیر اس زمانہ میں ہاتھ
آنا بہت دشوار ہے بیت ؎ محمل نشیں ہیں کتنے خدا ملتمیں یاں ؛ لیلےٰ کا ایک ناقہ سو کس
قطار میں یاں ؛ اب بجز مرگ کیا چارہ میں ننگ خاندان ذلت دہ و خراب کنندۂ خاندان فقط
خواری ماں باپ کی اور گریہ و زاری اپنی چاہتی تھی صبح تو کہاں اور میں کہاں یہ صحبت شب
خواب ہو جائے گی نمود صبح مفارقت شام عزت کا رنگ دکھائے گی دامن صحرا کی طرح
گریبان صبر چاک ہوگا ہمارے سر پہ آفت و خرابی آئے گی انصاف کیجئے کس سے کہونگی بیقراری
ستاتی ہے جان عالم کی جدائی سے روح بدن سے جدا ہوتی ہے جان جاتی ہے ہم صحبتیں طعنے
دیں گی انیسیں چھیڑ چھیڑ کر جان لیں گی جب لونڈیوں پر خفا ہوں گی بڑبڑائیں گی زبان پر یہ
کلمہ لائیں گی ملکہ عاشقی کا رنج و ملال یوں در پردہ ٹالتی ہیں شہزادہ چلا گیا نہ رک سکا اس سے
بس نہ چلا غصے کی جھانجھ ہم پر نکالتی ہیں باپ پر حال کھلا تو خجالت ہوگی ماں نے اگر سنا
تو ندامت سے کیا حالت ہوگی ۔ رسوائی کے خوف سے دل کھول کر نہ رو سکوں گی بدنامی
کے ڈر سے جی نہ کھو سکوں گی جب دل بیتاب ہجر سے گھبرائے گا تو فرمائیے کون تسکین
فرمائے گا ۔ کیا کہہ کے سمجھائے گا آپ ادھر تشریف لیجائیں گے ہم ادھر غم فرقت
سے گھٹ گھٹ کر مرجائیں گے ہماری سرنوشت پر رونا روا ہے ماجرا ہمارا عبرت و حیرت
افزا ہے ہرچند ظل سبحانی عامل بے بدل ساحر بیمثل ہیں علوی سفلی سب کچھ پڑھا لکھا ہماری
پیشانی اور لوح جبیں کی تحریر نہ دیکھی کہ کیا پیش آئی ہے اور خط شکستہ سے ایسے نستعلیق نے
کیا برا لکھا ہے افسوس صد افسوس مؤلف ؎ وہ بھی ہوگا کوئی امید بر آئی جسکی ؛ اپنے مطلب تو
نہ اس چرخ کہن سے نکلے ؛ یہ باتیں کر دل پر ہاتھ دھر رونے لگی دامن و گریباں آنسو سے بھگونے لگی
شہزادے کو ثابت کیا یقین ہوا کہ ملکہ بشدت فریفتہ و شیدا ہے باتے حزن و ملال پیدا ہے
دل دکھنے کے مزے سے زبان لذت پا چکی تھی جان ہجر کے صدمے اٹھا چکی تھی بیچین ہو کر بولا رمان کو

تسکین کی باتوں میں کھولا کہا آپ کا کد ہر خیال ہے بندہ فرمانبردار بہرحال ہے جو کہوگی بجا
لاؤنگا بار اطاعت سے سر نہ اٹھاؤں گا مگر برائے چندے صبر و جبر ضرور ہے اگر اسکی جستجو میں نہ جاؤنگا
تمھیں میری کیا امید ہوگی ہمچشموں کو کیا منھ دکھاؤں گا سبحان اللہ وہ وقت دیکھا چاہیئے کہ معشوق
عاشق کی تسکین کرے اپنی اطاعت اس کے ذہن نشین کرے خوش قسمتوں کو ایسے بھی مل جاتے
ہیں کہ عاشق کے رنج کا غم کھاتے ہیں دلداری کر کے سمجھاتے ہیں اس کا لوگ رشک کرتے
ہیں آتش حسد سے جل مرتے ہیں ملکہ یہ سنکر شاد بند غم سے آزاد ہوئی یہ بات امتحان کی ہے
جسے جی پیار کرتا ہے اگر وہ جھوٹ بھی بولے تو عاشق کو سچ کیا بمنزلہ آیت و حدیث ہو جاتا ہے
مگر یہ کہا مصحفی عاشق سے بھی ہوتا ہے کہیں صبر و تحمل ؛ وہ کام تو کہتا ہے جو آتا نہیں
مجھ کو ؛ لیکن خیر ہم تو اسے بھی جھیل لیں یہ کھیل بھی کھیل لیں اگر ہماری یاد تمھیں فراموش
نہ ہو وحشت کا جوش نہ ہو جانعالم نے قسمیں شدید کھائیں اختلاط کی باتیں درمیان میں آئیں
کہ اس میں سر مو فرق نہ ہوگا اور مژدہ وصل سے مسرور کیا خیال مفارقت ملکہ کے دل سے
دور کیا کہا اب ہنسی خوشی کی باتیں کرو یہ بکھیڑا جانے دو مفارقت سر پر کھڑی ہے رات تھوڑی
کہانی بڑی ہے فلک سفلہ پرور جفا کیش ہے عاشق و معشوق کا بد اندیش ہے استاد ۔ بشب وصل
شکوہ ہا مکنید ؛ شب کوتاہ قصہ بسیار ست ؛ مگر شب وصل ہمیشہ سے کوتاہ ہے خدا گواہ ہے
دو کلمے ہنسی کے ہنوز پورے نہ ہونے پائے گردوں کو رشک آیا یکایک مرغ سحر بیدار باش
پکارا زاہد نے نعرۂ اللہ اکبر مارا گجر کی آواز بھی دونوں کے کانوں میں آئی یساولان سلطان
خاور نے صبح کی دھوم مچائی ملکہ پریشان ہو کے بولی مؤلف ۔ وصل کی شب چونک اٹھے
ہم سن کے زاہد کی صدا ؛ یاں دم تکبیر ہی اللہ اکبر ہو گیا ۔ ولہ ۔ زاہد بھی تیسرا ہے شب وصل
میں حریف ؛ مشہور گو جہان میں صبح خروش ہے ؛ جانعالم نے نماز پڑھکر بعزم سفر چیت کی
ملکہ سہم کر آبدیدہ ہو یہ شعر پڑھنے لگی جرأت ۔ نہ آیا اور کچھ اس چرخ کو آیا تو یہ آیا ؛
گھٹانا وصل کی شب کا بڑھانا روز ہجراں کا ؛ جب شہزادے نے چلنے کا قصد کیا ملکہ
نے کہا اگر ہرج تصور نہ ہو میکر والد سے ملاقات کر لو یہ امر فائدے سے خالی
لاابالی نہ ہوگا جانعالم نے کہا بہتر ہے پھر وہی خواص ہمراہ ہوئی جب وہاں پہونچا

دیکھا بوریائے بے ریا بچھا ہے مصلے پر ایک پیر مرد مہذب بذکر حق مشغول بادل ملول بیٹھا ہے
یہ رسم سلام بجالایا اس نے دعائے خیر دیکر ہاتھ بڑھایا چھاتی سے لگایا قریب بٹھایا پھر فرمایا
ماجرائے شب تیرۂ ملکہ فقیر پر روشن ہے ایسی بدقسمت دوسری خلق میں نہیں ہوئی ہمارے
کہنے سے انکار کیا بڑے بول کا سر نیچا ہوا تو تم سے کیا کیا دار و مدار کیا جو تم اتنی تسکین نہ کرتے تو اسکا
زندہ رہنا محال تھا اس طرح کا دل پر صدمہ اور ملال تھا اگر ایفائے وعدہ کروگے اللہ بھلا کریگا

تصویر جانعالم مع ایک خواص پاس پیر مرد کے آنا اور اس کا لوح دیکر رخصت کرنا



وگرنہ یہ رنج برا ہے دیکھئے اس کا کیا حال کرے گا دلداری جگر فگاروں کی عیادت مرض محبت
کے بیماروں کی جوانمردوں پر فرض ہے یہ سمجھنا ساحل رااز خس و خاشاک گذار و گل رااز
صحبت خار ننگ و عار نمی باشد شہزادے نے سر جھکا عرض کیا آپ کیوں محجوب فرماتے ہیں
مجبور ہوں اس عزم میں گھر چھوڑا عزیزوں یگانوں کو ترک کر شہر سے منہ موڑا وہ کہیں گے
سخت کم ہمت اور بے جرائت تھا راہ میں آسایش ملی بیٹھ رہا خوف سے نہ جا سکا جھوٹا تھا حق

عشق کا دم بھرا پیر مرد نے فرمایا مرحبا جزاک اللہ یہی شرط جوانمردی و ثابت قدمی ہے ہمیں بھی
تمہارے اس عزم سے ایفائے وعدہ کی امید ہوئی پھر ایک لوح عنایت کی اور کہا جب کوئی
مہم سخت روبکار ہو بطرز فال اُس حال میں اُسے دیکھنا جو نکلے اُس پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ وہ مشکل
سخت ایک آن کی آن میں آسان کرے گا بحفظ حافظ حقیقی سپردم اللہ معکم اینما کنتم ؎ سفر دُ
بسفر رفتنت مبارک باد :: بسلامت روی و باز آئی :: شہزادہ رخصت ہوا لوح لیکر ملکہ کے پاس
آیا یہ شعر زبان پر لایا مؤلف ؎ کوچ کی اپنے اب تیاری ہے :: تیرا حافظ جناب باری ہے ::
ملکہ نا کام گردش ایام دیکھ اور یہ کلمۂ جانکاہ سُنکر کلیجہ تھام سر دُھنکر یہ اشعار پڑھنے لگی استاد
میں مرگئی سُن اُسکے سرانجام سفر کا :: آغاز ہی دیکھا نہ کچھ انجام سفر کا :: کہتے ہیں کہ وہ جاتا ہے
کچھ ایسی دعا کر :: مسدود ہو رستہ دل ناکام سفر کا :: مت جان نکما مجھے اے جان لیے چل ::
کرتی چلونگی ساتھ ترے کام سفر کا :: میں کشور ہستی ہی سے اب کوچ کرونگی :: آگے نہ مرے
لیجیو تو نام سفر کا :: چلنے کی صلاح اُسکے ٹھہرتی نہیں اب ساتھ :: موقوف نوازش ہو آرام سفر کا ::
آخر جبراً قہراً رخصت کیا کہا خدا حافظ امام ضامن ثامن کو سونپا۔ ع ؎ ترا موسیٰ رضا ضامن ترا
اللہ والی ہے :: جس طرح پیٹھ دکھاتے ہو اسی صورت اللہ تمہارا منھ دکھائے غم دوری ہمارا دور ہو جائے
جانعالم یہ سُنکر روانہ ہوا لیکن تپش دل کا بہانہ ہوا دریائے سرشک چشم خون جگر سے موج زن ہوا غریق لجۂ
مفارقت جان و تن ہوا جلیسیں بولیں ملکہ کیوں جی کھوتی ہو جو اس طرح بلک بلک کر روتی
ہو مسافر کے پیچھے رونا زبون از حد ہے۔ بی بی خیر ہے یہ شگون بد ہے وہ بھی دن اللہ
دکھائے گا جو وہ پردیسی صحیح و سلامت خیر سے پھر آئے گا تو اُن کو وہ غم کی ماری یہ سمجھاتی
سوزِ چشم کا کام اشکباری ہے :: چشمۂ فیض ہے کہ جاری ہے مؤلف ؎ بیدرد کوئی اتنا
سمجھتا نہیں ہے ہے :: دل دکھے تو کس طرح سے فریاد نہ ہووے :: دلہ مجھ کو رونے کو نہ تم منع کرو
ہم نفسو :: غمِ دل کرتی ہوں میں دیدۂ تر سے خالی :: اور جب آنسو کمی کرتے تو دل و جگر سینے
میں برہمی کرتے اس وقت گھبرا کر یہ کہتی مؤلف ؎ درد اے سوز جگر تاکہ نہ ہووے خفت ::
نوک مژگاں ہوئی پھر لخت جگر سے خالی :: پھر نہ منھ اُس نے کیا میری طرف اے ظالم ::
سخت تم بھی مرے نالو ہوا اثر سے خالی :: نہ لگا اس کو مری بات کو تو مان سُرور ::

دل کا لگنا نہیں اے یار ضرر سے خالی ÷ غرض کہ جوں جوں شہزادے کی مفارقت بڑھتی تھی ملکہ صدمۂ ہجر سے دوں دوں گھٹتی تھی بدر سا چہرہ کاہیدہ ہو کر ہلال ہوا تب جدائی سے عجب حال ہوا کبھی کہتی تھی وائے ناکامی اگر دل کا حال کہوں شرم آتی ہے چپ رہوں جان جاتی ہے یہ سب کہتے ہونگے ملکہ کو غیرت نہیں آتی ہے راہ چلتوں سے بیٹھے بٹھائے دل لگاتی ہے آپ روتی ہے ہمیں مفت رلاتی ہے اس سمجھانے والے کو کہاں سے لاؤں جسے دل کا حال سناؤں زیست اسی میں ہے جو مرجاؤں اب کون آنسو پونچھ رونے کو منع کرے گا کون سیکر دم گرم پر آہ سرد بھرے گا پیار سے سر چھاتی پر دھرے گا جب ملکہ کا یہ حال مصیبت چپکے چپکے جی سے باتیں کرنا دیکھ کر لوگ گھبرتے دست شفقت سر وحشت انگیز پر پھیرتے اور پوچھتے کہ اے جی کے دشمن ہمیں تو بتا دل کا حال کیا ہے تو وہ کہتی اور تو کچھ جانتی نہیں پر یہ نقشہ ہے کہ ہاتھ پاؤں سنسناتے ہیں خود بخود غش چلے آتے ہیں دم سینے میں بند ہے گھبراتا ہی مکان کاٹے کھاتا ہے باغ ویران گل و بوٹا خار معلوم ہوتا ہے گھر زندان بات کرنا بیکار معلوم ہوتا ہے جان بیقرار ہے بند بند ٹوٹتا ہے دامن صبر دست استقلال سے چھوٹتا ہے جنگل پسند ہے ویرانی کا دل خواہشمند ہے دشت کا سناٹا بھاتا ہے بلبل کا نالہ دل دکھاتا ہے خدا جانے کس کی جستجو ہے دل کو مرغوب قمری کی کوکو ہے تنہائی خوش آتی ہے آدمیوں کی صورت سے طبیعت نفرت کھاتی ہے سینہ جلتا ہے دل کو کوئی مسوس کر ملتا ہے آنکھ ظاہر میں بند ہوئی جاتی ہے مگر نیند مطلق نہیں آتی ہے ہاتھ چاہتے ہیں سر دست چاک گریباں دیکھیں پاؤں چل نکلے ہیں کہ بیاباں دیکھیں نل دمن کی مثنوی سے ربط ہے لیلیٰ مجنوں کا قصہ پڑھتی ہوں یہ کیا خبط ہے دل کی تمنا ہے کہ بے قراری کرآنکھیں اُنڈی ہیں کہ اشکباری کر جہاں کی بات سے کان پریشاں ہوتے ہیں مگر جان عالم کا ذکر دل لگا کر سنتی ہوں جو کوئی سمجھاتا ہے رونا چلا آتا ہے سر دھنتی ہوں ناکامی مجھ خستہ و پریشان کا کام ہے آہ مجھ بے سر و سامان کا تکیہ کلام ہے منہ کی رونق جاتی رہی زردی چھاگئی بہار حسن پر خزاں آگئی ہر دم لب پر آہ سرد ہے ایک دل ہے اور ہزار طرح کا درد ہے جان جانے کا وسواس نہیں بزرگوں کا لحاظ و پاس نہیں تیور طوق سلاسل ہے زیب و زینت سے بدمزگی حاصل ہے

دل و جگر میں گھاؤ ہے بگاڑ بناؤ ہے بستر زم خار ہے ارے لوگو یہ کیا آزار ہے سب سے
آنکھ چراتی ہوں ہم صحبتوں سے شرماتی ہوں اب صدمہ اٹھانے کا یارا نہیں بے موت
اِس بکھیڑے سے چھٹکارا نہیں عجب حال ہے اکثر یہ خیال ہے۔ مؤلف ؎ افسوس یہ حال
ایک عالم دیکھے ؛ ایسا نہ ہو کہ جان عالم دیکھے ؛ اگر اسی کا عشق عاشق نام ہے تو میں درگذری
میرا اسلام ہے جو لوگ عشق کرتے تھے کیونکر جیتے تھے بتاؤ تو کیا کھاتے کیا پیتے تھے دو دن سے
کچھ نہیں کھایا مگر پیٹ بھرا ہے کھڑی ہوں جی بیٹھا جاتا ہے پہلے مجھے نہ منع کیا ہے ہے تیرے
جان کے دشمنوں یہ کیا کیا اللہ کی مرضی کسی کا کیا بگڑا میری قسمت کا لکھا جو کیا وہ اچھا کیا
یہ سُن کے ایک کھیلی کھلائی عشق کے صدمے اٹھائی قریب آئی کہا قربان جاؤں واری ابھی سلامتی
سے تو گرفتاری ہے جو اتنی آہ و زاری اور بیقراری ہے سہتے سہتے عادت ہو جائیگی تو تسکین آ جائیگی
ان باتوں سے جو دل بھر آیا بے اختیار خونابۂ دل لخت جگر چشم تر سے متصل بہانے لگی دیدہ دیدار
طلب سے سمندر کی لہر لہرانے لگی نظم میں دل کا حال سنانے لگی۔ مؤلف ؎ حالت ہے اک یار کی
برق و شرار کی ؛ کیا کیا تڑپ سناؤں دل بیقرار کی ؛ پھوٹے تپش سے دل کے یہ سب آبلے مرے
منت کشی نہ کرنی پڑی نوک خار کی ؛ دل اپنا قبر میں بھی جلے گا اسی طرح ؛ حاجت رہے گی ہم کو
نہ شمع مزار کی ؛ وعدے کی شب کو دیدۂ اختر جھپک گئے ؛ دیتے مثل ہیں لوگ مرے انتظار کی ؛
لے جائیو ادھر سے جنازہ مرا ستمگر ؛ حسرت بھری ہے دل میں مرے کوئے یار کی

رخصت ہونا جانعالم کا ملکہ مہر نگار سے اور پہونچنا ملک زنگار مملکت دلدار میں ملاقات خواجہ سرا کی دریافت ہونا حال پیلال جادوگر کا پھر اسکو قتل کر کے لانا اس ماہ پیکر کا

بیت ؎ یہاں کا تو قصہ یہ چھوڑا یہاں ؛ سنو پھر اُسی غمزدے کا بیاں ؛ طلسم کشایان گنجینۂ سخن
سحر سامری ورہ نوردان اقلیم حکایات کہن مشاق جادو شعبدہ گری و مشتاقان جفاکش
محنت کشیدہ و سحر سازان سخن سنج درین سر سپنج رسیدہ راحت ندیدہ گوسالۂ سخن کو دیر
خراب آباد میں یوں گویا کرتے ہیں کہ ملکہ مہر نگار کے باغ سے چالیس منزل ملک زنگار کشور آفت
روزگار تھا شہزادہ دل از کف دادہ یکہ و تنہا صعوبت سفر کا بتلا پاؤں میں چھالے لب

آہ و نالے کرتا پڑتا کئی مہینے کے بعد اُس زمین جنت آئین میں پہونچا او رجو جو پتے طوطے نے بتائے
تھے وہ سب اُس جوار میں پائے واقعی عجیب نواح شگفتہ و شاداب ہر سمت چشمہ ہائے آب
جنگل سب سبزہ زار گل بوٹے خودرو کی انوکھی بہار ہوا فرحت انگیز بو باس مشک بیز جنوں خیز
جانعالم خوش و خرم جلد جلد قدم اٹھاتا چلا جاتا تھا ایک روز چار گھڑی دن ہے کیا دیکھتا ہے کہ
ایک شے مثل آفتاب بصد آب و تاب شمال کی سمت درخشان ہے کہ نگاہ نہیں ٹھہرتی عقل
حیران ہے دل سے کہا آثار حشر نمود ہوے یہ کیا قیامت ہے ہم مشاہدۂ جمال جاناں سے محروم
رہے مشرق و مغرب کو چھوڑ سورج شمال کی طرف جا نکلا افسوس صد افسوس ابتک دل کا مدعا نکلا
جب قریب پہونچا دیکھا دروازہ ہے عالیشان سر بفلک کشیدہ دیدۂ روزگار ندیدہ بسکہ مطلا
ہے اور لعل و یاقوت اس کثرت سے جڑے ہیں کہ جوہری وہم و گمان حیران کھڑے ہیں شعاع آفتاب
سے یکرنگی خورشید حاصل ہے شرمندہ اس کے روبرو بدر کامل ہے یقین ہوا اب بر سر مطلب
پہونچا یہ وہی دروازہ ہے باب امید جس کا ذکر وہ سرخرو زمرد لباس کرتا تھا۔ سجدۂ شکر
بدرگاہ منزل رسان راہ گم کردگان کیا اور خوش ہو کر دوڑا فردے وعدۂ وصل چوں شود نزدیک
آتش شوق تیز تر گردد ؛ غرض افتاں و خیزاں در شہر پناہ پر آیا دروازہ جواہر نگار رفعت فلک
دکھاتا دیوار و در جگمگاتا بلور کی اینٹیں یاقوت کی تحریر ہر خشت مصفّا و مطلّا در بہشت کی طرح
و حصن حصین بصد فر و تمکین بنا جا بجا برج برنجی و آہنی ڈھلی ہوئی توپیں چڑھیں گولانداز جوان
جوان بنفشہ بادلے کے دگلے گلنار پہنے ایک پیچھے سجے چست و چالاک توپوں کے بائیں دہنے
ٹہل رہے زمین و آسمان ان کی ہیبت سنے دہل رہے گلی کوچے صاف خس و خاشاک
دروازے پر پانچ ہزار سوار لاکھ پیادے کی چھاؤنی کچھ جنگ کے لیئے آمادہ تیار جانعالم نے
اُن سے پوچھا اس شہر کا کیا نام ہے اور حاکم یہاں کا کون ذی احترام ہے انھوں نے دیکھا
ایک جوان سرو قامت قمر طلعت خسوف سفر خاک رہگذر میں نہاں ہے مگر دبدبۂ شوکت
و صولت نشان جرأت چہرۂ انور سے عیاں ہے وہ خود کہنے لگے آپ کہاں سے تشریف لائے
ہیں شہزادے نے کہا بھائی سوال دیگر جواب دیگر آخر ایک شخص نے کہا قبلہ اس ملک کو
زرنگار کہتے ہیں سنتے ہی چہرہ بشاشت سے کندن کی طرح دمکنے لگا جو ریت کا ذرہ تھا افشاں کی صورت

منھ پر چکنے لگا دل سے کہا یہ خواب ہے یا بیداری طالع گردش دہ سے امید یاری و مددگاری نہ تھی ایسی قسمت رہبر ہماری نہ تھی پھر کچھ نہ پوچھا یہ کہتا چلا۔ مؤلف ؎ للہ الحمد ٹھکانے لگی محنت میری ؛ طے ہوئی آج کی منزل میں مسافت میری ؛ دروازے سے آگے بڑھا شہر دیکھا قطعدار ہموار قرینے سے بازار کرسی ہر دوکان کی کمر برابر مکان ایک سے ایک بہتر و برتر بیچ میں نہر جا بجا فوارے سب عمارت شہر پناہ کے میل کی جواہر نگار سانچے کی ڈھلی ہاتھ کا کام معلوم نہ ہوتا تھا نہ کہیں بلندی نہ پستی ہموار بسی ہوئی بستی ایک کا جواب دوسری طرف دہر بزاز تو اُدھر بھی صراف کے مقابل صراف بازار کا صحن نفیس شفاف جوہری کے روبرو جوہری زر و جواہر کا ہر سمت ڈھیر نقد و جنس سے ہر شخص سیر کوئی شے کسی طرح کا اسباب ایسا نہ تھا کہ اُس بازار میں نہ تھا مغرب و شرق کی اشیائے نادرہ کا ہر جا انبار تھا جنوب و شمال کا خریدار تھا حلوائی نانبائی کنجڑے قصائی سقوں کے کٹوروں کی جھنکار میوہ فروشوں کی پکار دلالوں کی بول چال جہان کا اسباب و مال نہر کی کیفیت جُدا قد آدم آب مصفا فواروں سے کیوڑہ گلاب اچھلتا بازار مہک رہا تھا ہر طرف دھوم دھام خلقت کا اژدہام چلنے پھرنے والوں کے کپڑے لتے ہوئے جاتے تھے وہم و گمان کشمکش سے بار پاتے تھے جا بجا عالم قدرت حق دیکھتا جاتا تھا ہوش برجا نہ آتا تھا دل سے کہتا تھا اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کیا ملک کیا سلطنت کیا شہر کیا بازار ہے کیا کیا بیوپاری ہیں کیسا کیسا خریدار ہے ہر شخص کو آرام و راحت ہے کیا بندوبست کیا انتظام ہے کیا حکومت ہے جب چوک میں آیا پوچھا ایوان جہاں پناہ دولتسرائے شاہ کدھر ہے لوگوں نے کہا دست راست سیدھے چلے جایئے بازار طے کر عمارات بادشاہی پاس جب آیا ان مکانوں کو نرا طلسم پایا عقل کام نہ کرتی تھی ہر کنگرہ ایوان فلک سے اونچا برج ہر ایک جہاں تاب خورشید سا چمکتا لیکن جو لوگ درباری یا ملازم سرکاری آتے جاتے دیکھے سب سیاہ پوش خمخانۂ الم کے جرعہ نوش اس کا ماتھا ٹھنکا پاؤں ہر ایک کے سن کا ہو گیا ہر شخص کا منھ تکتا تھا قدم اٹھ نہ سکتا تھا کہتا تھا خدا خیر کرے شگون بد ہے دل کو بیقراری از حد ہے چند قدم اور بڑھا سواری کا سامان سامنے آیا بچو بڑھیو کا شور بلند پایا دیکھا ایک خواجہ سرائے نازنین زیرک دانا محبوب علی خاں نام نواب ناظر سرایۂ شاہی با احترام وہ بھی بخاطر حزین غمگین سیاہ پوش حواس باختہ ہوش فراموش

اندوہ و رنج سے ہم آغوش جانعالم نے سلام کیا وہ جواب دے کر شاہزادے کو دیکھنے لگا حیران و ششدر متحیر سا اور سواری دیکھی کہا سبحان اللہ و بحمدہ کیا تیری قدرت کی شان ہے جنس بشر میں کس کس طرح کا پری پیکر خلق کیا ہے کہ چشم کو تاب جمال زبان کو صفت کی مجال نہیں نہایت متوجہ ہو کر پوچھا کہ شمشاد نورستہ چمن جہانبانی و سرو نوخیز بوستان سلطنت و حکمرانی حضور کہاں سے رونق بخش اس شہر نحوست اثر کے ہوئے شہزادے نے کہا میاں صاحب خیر ہے ہم فقط اس شہر اور یہاں کے شہریار کے شوق دید میں وطن سے بعید ہو خستہ و خراب با دل مضطر و جان بیتاب یہاں پہونچے ہیں برائے خدا یہاں کی نحوست اپنی سیاہ پوشی کی علت بیان کیجیے خواجہ سرا نے یہ سُنکر نعرہ مارا بیچین ہو کر پکارا کہ اے جوان رعنا تو نے یہ قصہ سُنا ہو گا زینت تخت سلطنت رونق شہر موجد آبادی صاحب جاہ و حشمت مالک عفت و عصمت انجمن آرا یہاں کی شہزادی تھی شہرۂ جمال بیمثال اُس حور طلعت پری خصال کا از شرق تا غرب و جنوب سے شمال تک زبان زد خلق خدا تھا اور ایک جہان حسن کا بیان سُنکر نادیدہ اس کا مبتلا تھا آجتک چشم و گوش چرخ کج رفتار نے باہیں گردش لیل و نہار ایسی صورت دیکھی نہ سنی تھی بہت سے شاہ شہریار اُسکے وادی طلب میں قدم رکھکر تھوڑے عرصہ میں آوارۂ دشت ادبار پتھروں سے سر مار مار مصرع ؎ رہرو اقلیم عدم ہو گئے ؛ اب چار پانچ روز سے ہمارے طالع بیدار جاگتے جاگتے دفعتہً سو گئے ایک ساحر مکار جفا کار بزور سحر اسے محل سے اُٹھا لے گیا ہنوز یہ جملہ غم ناتمام تھا کہ جانعالم کا کام تمام ہوا آہ سرد کھینچکر بحال خستہ و پریشان مثال قالب بیجان زمین پر گرا اور بحسرت و یاس پکارا شعر ؎ جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی ؛ حیف ہے اُس سے ملاقات نہ ہونے پائی ؛ اے گردوں جفا پرداز و اے فلک عربدہ جو یہ کیا تیری خو ہے اتنی دور لا کر ناکام رکھا مؤلف ؎ عشرت کدے جہاں میں ہوے سیکڑوں ولے ؛ اک دل ہمارا تھا کہ وہ ماتم کدہ رہا ؛ تاثیر آہ دیکھی نہ گریہ میں کچھ اثر ؛ ناحق میں اس اُمید پہ کرتا بکا رہا ؛ کیا دیکھتا ہے سینے کو میرے تو اے سرور ؛ اجڑا دیار اسمیں نہیں دوسرا رہا ؛ شعر ؎ یہ کہہ کر وہ اس طرح غش کر گیا ؛ کہے تو کہ جیتے ہی جی مر گیا ؛ خواجہ سرا سخت گھبرایا سمجھا کہ یہ شخص بھی گرفتار محبت اسیر دام الفت اسی کا ہے مجھ سے بڑی غلطی ہوئی دفعتہً خبر بد سنائی نہ تھی آفت اسکی جان پر جا بنکر لائی نہ تھی ہر چند گلاب کیوڑہ چھڑکا ہوش نہ آیا

بدحواس بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوکر رو کر عرض کی آج ماتم انجمن آرا تازہ ہوا بادشاہ نے فرمایا
کیا ماجرا ہے اُس نے عرض کی کہ کسی ملک کا شاہزادہ اسکی محبت میں سلطنت سے ہاتھ اٹھا فقیرانہ
سج دھج بنا یہاں تک پہونچا ہے مجھ سے جادوگر کے اٹھا لیجانے کی خبر سنکر آہ کھینچ زمین پر گرا ہے
ابتک ہوش نہیں آیا ہے عجب صدمہ دل پر دھر گیا ہے خدا جانے جیتا ہے یا مر گیا ہے کیا عرض کروں
غلام کی نظر سے اس سج دھج کا جوان پری پیکر آجتک از قسم بشر نہیں گذرا اگر ان دونوں کی صورت
آئینۂ چشم میں بہم نظر آتی قرآن السعدین کی کیفیت کھل جاتی جو حضور ملاحظہ فرمائیں گے شہزادی
کو بھول جائیں گے بسکہ بادشاہ غم مفارقت انجمن آرا سے بیقرار تھا ارکان سلطنت سے کہا جلد
جاؤ جس طرح ہو اسے لاؤ لوگ دوڑے مُردے کی صورت اٹھا لائے اس عرصہ میں

تصویر جان عالم کی بیہوشی اور خواجہ سرا کا اٹھا لیجانا



شام ہوئی بادشاہ نے ہاتھ منہ دُھلوایا بید مشک چھڑکا کیوڑہ منہ میں چوایا لخلخہ سنگھایا جانعالم کو
ہوش آیا گھبرا کر اُٹھ بیٹھا دیکھا ایک شخص تاج خسروانہ بر سر چارقب ملوکانہ در بر سن رسیدہ
لیل و نہار دیدہ بڑے کر و فر سے تخت پر جلوہ گر ہے اور چار ہزار غلام زرین کمر با شمشیر و خنجر
ایلچی بنا دست بستہ اِدہر اُدہر کھڑا ہے گرد امیر وزیر سپہ سالار پہلوان گردن کش اپنے اپنے قرینے سے

ہر ایک زینت دہ کرسی و دنگل ہے تہمتنوں کا جنگل ہے جانعالم اٹھا بطور شاہ شہریار و شہزادہائے
عالی تبار رسم سلام بجا لایا بادشاہ نے گلے لگایا پاس بٹھایا جب سے بادشاہ کی نظر پڑی تھی
محو حسنِ دلفریب مفتون چہرۂ مہروش و صورت پُر زیب ہو گیا تھا اور حضار مجلس بھی سب دنگ تھے
سکتے کے ڈھنگ تھے سب کو صدمۂ تازہ یہ ہوا کہ ایسا وارث تاج و تخت ہاتھ آئے اور محروم
رہ جائے اُس وقت کا رنج و قلق شہزادے کا کوئی فراق کشیدہ سمجھے بقول مرزا حسین بیگ صاحب
شعر۔ حسرت پر اُس مُسافرِ بیکس کی رویئے :: جو تھک گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے :: مگر باعثِ
شرم و حیا کہ لازمۂ شرفا و نجبا ہے خاموش سینے میں غم کا جوش و خروش بادشاہ نے
استفسار وطن اور نام جد و آبا کیا یہاں فرطِ الم کثرت غم سے گلا گھٹ رہا تھا مگر ضبط کو
کام کر کے حسب و نسب اور ملک کا پتہ بتایا پھر سر جھکا شہزادی کا حال پوچھا بادشاہ نے
فرمایا اے گرامی اخترِ سپہر شہریاری مدت سے ایک جادوگر اس فکر میں تھا یہاں بمرتبہ نگہبانی
ہوتی تھی لیکن وہ کافر دھوکا دے کر لے گیا آج تک محل میں نہیں گیا ہوں وہ محل جو عشرت کدہ خاص
تھا ماتم سرائے عام ہے ہر سو شور رقت ہر سمت نالۂ پُر آفت بلند ہے کھانا پانی حرام چھوٹا بڑا
مبتلائے آلام ہے جانعالم نے کہا کچھ بھی ثابت ہوا کدھر لے گیا بادشاہ نے فرمایا پانچ کوس تک
پتہ ملتا ہے آگے قلعہ ہے سر بفلک کشیدہ آگ سب بھری ہے شعلۂ سرگرم تا چرخ چنبریں ہے
اور انگاروں کا انبار تا کرۂ نار ہے وہاں کا حال نہیں کھلتا عقل بیکار ہے مگر قرینے سے
معلوم ہوتا ہے کہ وہ سحر کا کارخانہ ہے شہزادے نے کہا خیر اگر حیات مستعار باقی ہے بمدد
ایزد کہاں جاتا ہے یہ کہہ کر اٹھا کہ قبلہ خدا حافظ بادشاہ پٹ گیا کہا بابا خدا کے واسطے اس خیالِ
محال سے درگذر طائرِ خیال کے اُس دشت میں پر جلتے ہیں پیک صبا کے پاؤں میں چھالے پڑتے
ہیں دوسرے مجھے مفارقت تیری کب گوارا ہے ایک کو دھوکے میں کھویا تجھے دانستہ جانے
دینے کا کہاں یارا ہے ایسی آفت میں تجھ سے جوان کو جانے دوں بڑھاپے میں بدنامی لوں
سلطنت حاضر ہے بسم اللہ حکمرانی کریں ضعیف ہوں گوشے میں بیٹھ کر اللہ اللہ کروں شہزادے
نے عرض کی یہ تخت و سلطنت حضور کو مبارک رہے بندہ آوارۂ خانماں ننگِ خاندان
گھر کی حکومت و ثروت چھوڑ عزیزوں سے منہ موڑ خراب و خستہ سرگرداں در بدر حیران پریشان ہو

یہاں تک پہونچا اب یہ کلمہ ہتک کا اور ذلت کا سننے کو زندہ رہے ملک بیگانے میں بادشاہت
کرے لوگ کہیں جاؤ وگرنہ تو شہزادی کو لے گیا یہ شخص بے غیرت جیتا رہا سلطنت کرنے لگا جوانمردی
سے بعید ہے عاشق کو معشوق کی راہ میں جان دینا عید ہے۔ لا اعلم ۔ تا سر ندہم پا بکشم از سر کویش
نامردی و مردی قدمے فاصلہ دارد ۔ پگ آگے پت رہے اور پگ پیچھے پت جائے ۔ مصرعہ
۔ قدم عشق پیشتر بہتر ۔ جس مددگار نے ہزار بلا سے بچا کر یہاں تک زندہ و سلامت پہونچایا ہے
وہی وہاں سے بھی مظفر و منصور آپ سے ملائے گا نہیں تو یہ صورت نحس لوگوں کو دکھانی کیا
ضرور ہے گو بشر مجبور ہے لیکن اس زیست سے آدمی مرنا گوارا کرے بے موت مرے پہلے جب عقل
و عشق سے معرکہ اٹکا تھا میرا جی کھٹکا تھا عقل کہتی تھی ماں باپ کی مفارقت اختیار نہ کرو سلطنت
سی شے ۔ چھوڑو عشق کہتا تھا ماں باپ کس کے بادشاہت کیسی سررشتۂ الفت غیر توڑو کوچۂ دلدار
کی گدائی سلطنت ہفت اقلیم ہے اگر میسر آئے بے یار خدا کسی کی صورت نہ دکھائے عقل کہتی تھی
آبرو کا پاس کرو ننگ خاندان نہ ہو غریب الوطنی سے عار کرو صحرا نوردی ۔ اختیار کرو عشق کہتا
تھا یار کے ملنے میں عزت ہے بادیہ پیمائی میں بہار ہے تشنۂ خون آبلہ مدت سے صحرا کا خار ہے عقل
کہتی تھی کہ لباس شاہی قبائے فرمانروائی چاک نہیں کرتے دانشمند جادۂ راستی سے خلاف قدم
نہیں دھرتے عشق کہتا تھا لباس عریانی ہے عقل دیوانی ہے یہ وہ جامہ ہے جسے احتیاج شست
و شو نہیں کیسی ہی ہاتھا پائی ہو چاک نہ ہو کسی آلائش سے ناپاک نہ ہو اصلا کار سوزن و رفو نہیں
نہ باربرداری اس کو چاہیئے نہ چور کا ڈر نہ راہزن کا خطر ہے پانی سے بھیگے نہ آگ سے جلے نہ سڑے
نہ گلے گلے سے کبھی جدا نہ ہو نہ کوئی اسکو لے سکے نہ خود کسی کو دے سکے نہ دشت وحشت میں اسکا
تار آئے نہ اُس کے دامن تک سر خار آئے نہ اُس کا جسم لاغر پر بار ہے مسافر صحرائے محبت کو
یہی درکار ہے ۔ آتش ۔ تن کی عریانی سے بہتر نہیں دنیا میں لباس ۔ یہ وہ جامہ ہے کہ جس کا نہیں
سیدھا اُلٹا ۔ آخر کار بصد تکرار عقل کو شکست فاش ہوئی کوچۂ دلبر کی تلاش ہوئی نام سے
نفرت ننگ سے تنگ ہو نشان ہوس سلسلۂ دیوانگی ہاتھ آیا طبیعت عشق کی محکوم ہوئی وحشت
کی دھوم ہوئی دامان غیرت گریبان حیا چاک ہوا ننگ و ناموس کا قصہ بکھیڑا پاک ہوا ایک یہ ندا کہ جو طالع
تھا رہبر و مددگار ہوا دوسرا دشنہ وہ زہر زادہ تھا تنہائی میں غمگسار ہوا پھر تو سلطنت اور وطن چھوڑ عزیز و

یگانوں سے رشتۂ محبت توڑ رہ نوردِ بادیۂ حرمان اور کام فرسائے دستِ ادبار ہوا لیکن اُس کا
ساتھ بھی نہ سزاوار ہوا پہلی بسم اللہ یہ غلط ہوئی کہ منزلِ اوّل میں طوطا اُڑ گیا وزیر زادہ ہرن
کے ملنے سے چھٹ گیا وہ جو اثاثہ ظاہر کی دل لگی کا تھا لٹ گیا تنہائی ہمراہ ہوئی ہمدم گرمِ سرد آہ
ہوئی کچھ دنوں کے بعد طلسم میں پھنسایا ہمیں رُلا کر دشمنوں کو ہنسایا تھوڑی سی آفت اٹھا کے
رہائی پائی سمتِ مطلوب کی راہ ہاتھ آئی مگر نہ سنگ نہ نشان دیکھا نہ میل نظر آیا نہ گردِ کارواں دیکھی
نہ صدائے زنگ و جرس سنی نہ راہبر ملا نہ کفیل نظر آیا سواری چھٹی پیادہ پائی ملی فکرِ غیر سے رہائی ملی
جب اِس منزل میں حضرتِ عشق نے آزمایا باوجود آبلہ پائی اور خلشِ خارِ صحرا ثابت قدم پایا دوسرے
مرحلے میں امتحان مدِ نظر ہوا پریوں کے اکھاڑے میں گذر ہوا ایک مہ سیما کو اس جانب میلان ہوا
پھر وہی عیش و نشاط کا سامان ہوا بہت سے نیرنگ دکھائے ہر شب عجب دن آگے آئے للہ الحمد کہ
شیشۂ عصمت سنگِ ہوا و ہوس سے سالم رہا وحشتِ دل کا بدستور عالم رہا رخصت میں مصلحت
جانی جوان و پیر کی بات نہ مانی اب گھر پہنچ کر دھوکا کھانا جان بوجھ کر بھول جانا کس ملت میں روا ہے
یہ نرا وسوسہ ہے مجھ سے وحشی سے ایسی ہوشیاری دور ہے جیتے جی مرگ منظور ہے۔

تصویر محل سرائے شاہی و بیگمات و جان عالم و بادشاہ مع نواب ناظر خواجہ سرا



اس گفتگو کی خبر محل میں پہونچی کہ آج اس طرح کا مہ جبین انجمن آرا کا عاشق وارد ہوا تھا وہ بھی حرارت محبت سے اسی آگ میں جلنے جاتا ہے انجمن آرا کی ماں در دولت سرا پر چلی آئی خواجہ سرا دوڑے بادشاہ سے عرض کی جلد شہزادے کو لے کر محل میں رونق فرما ہوجیے بادشاہ جانعالم کو ہمراہ لے آرام گاہ میں تشریف لایا وہ بھی ہزار جان سے نثار ہو دیر تک پروانہ وار اس شمع انجمن سلطنت کے گرد پھری رنڈیوں نے گھیر لیا سب کو قلق ہوا غرضکہ بہزار سعی بادشاہ نے بنت صبح کی رخصت پر اس شب رو کا پھر خاصہ طلب کیا شہزادے نے انکار کیا وہی نواب ناظر حاضر تھا پانوں پر گرا سمجھایا پیر و مرشد کئی دن سے محل میں کھانا پانی سب کو حرام ہے جو آپ کچھ بھی نوش فرمائیے گا تو یہ سب کھائیں گے ناچار با خاطر فگار دو چار نوالے پانی کے گھونٹ سے حلق میں اتارے پھر ہاتھ منھ دھو نیند کا بہانہ کر پلنگ پر جا لیٹا مگر نیند کس کی اور سونا کیسا مؤلف سے وا دیدہ رہتا ہے تیری یاد میں ÷ آنکھ جب سے لگ گئی روتے ہیں سوجانے کو ہم ÷ پھر لیٹے لیٹے انجمن آرا کا تصور کر دم گرم آہ سرد سینے سے بھر کر یہ پڑھنے لگا ابیات ع تجھ بن ہے خراب زندگانی ÷ ہے مجھ کو عذاب زندگانی ÷ اتنا تو نہ چھپ کہ لے کفن کا ÷ گھبرا کے نقاب زندگانی ÷ جب کروٹیں بدلتے بدلتے پسلیاں دکھ جاتیں وہ بیقراریاں ستاتیں تو دل بیتاب کو مستعد ضبط آمادہ جبر و صبر کر کہتا نظم ع کمال ضبط کو عاشق کرے اگر پیدا ÷ کہاں کی آہ کرے بات بھی اثر پیدا ÷ ہزار رنگ زمانے نے بدلے پر افسوس ÷ کہیں ہوئی نہ شب ہجر کی سحر پیدا ÷ کرے گی ہمسری نالے کی یہ توبلبل ÷ شعور اتنا تو کر جاکے جانور پیدا ÷ ہمیشہ ہاتھوں سے انکے رہا ہوں میں جلتا ÷ یہ زور گرم ہوئے تھے دل و جگر پیدا ÷ یہ دل میں ذوق اسیری ہے جو قفس میں مدام ÷ میں نوچتا ہوں جو ہوتے ہیں بال و پر پیدا ÷ آخر شب بصد نالہ و آہ کراہ کر صبح کی بعد فراغ نماز سوز و گداز مرنے پر کمر باندھی شب کو یہ خبر عام ہوئی کہ کل جادوگر کی لڑائی کو شہزادہ آمادہ ہوگا پھر رات رہے سے مجمع عام در دیوان خاص پر تھا یکایک بادشاہ تخت پر سوار برابر شہزادہ عالی برآمد ہوا چشم مشتاقان میں نور طور نزدیک و دور تجلی کر گیا ہر شخص رو بقبلہ ہو دعائے فتح و ظفر اس ماہ پیکر کی مانگنے لگا القصہ جہاں تک لوگ آتے جاتے تھے بادشاہ ساتھ آیا آگے بڑھنے کی تاب نہ لایا جانعالم نے قسمیں دیکر رخصت کیا ناچار با دل داغدار خاطر فگار قلعہ میں داخل ہوا مگر

دہاں سے ڈیوڑھی تک صد ہا ہرکارہ صبا دم متعین کیا کہ ہر دم کی خبر حضور میں پہونچے جانِ عالم
پھر اکیلا باحسرت و یاس رہا غمِ دلبر رفیق قدیم پاس رہا یہ شعر پڑھتا آگے چلا مصحفی ؎ اے غمِ یار
میں بندہ ہوں رفاقت کا تری ؛ نہ کیا تو نے گوارا مری تنہائی کو ؛ آگ کا قلعہ سامنے تھا آسمان سے
زمین تک بجز شعلۂ جوالہ یا برجِ آتشین یا انگاروں کا ڈھیر اور کچھ نظر نہ آتا تھا شہزادہ غور سے دیکھنے لگا ایک
ہرن اس آگ سے نکلا اچھل کود کر پھر اسمیں غائب ہوا جب مکرر آمد و رفت کی جانِ عالم نے لوح پر
مرد کی دیکھی اسمیں معلوم ہوا کہ اگر یہ اسم پڑھکر ہرن کو تیر مارا اور خطا نہ کی طلسم ٹوٹ جائیگا اور اگر
نشانہ چوکا خود آماجگاہ خدنگ قضا ہوا کوئی راکھ کے سوا پتہ نہ پائے گا شہزادے نے کہا جو ہرن
مارا تو لطف زندگی ہے نہیں حیلۂ مرگ خوب ہے بے یار جینا معیوب ہے یہ سوچ لب سوفار چلے سے
جوڑ شست بشست برابر کر اسم شروع کیا اُدھر ہرن نکلا ادھر تیر کمان سے سرگوشی کر چلا بسکہ یہ
قدر انداز تھا اُسکی قضا دامنگیر تیر دوسار ہوا فردوسی ؎ فلک گفت احسن ملک گفت زہ ؛ ہرن
زمین پر گرا آسمان سے دادگیر کا غل اٹھا ہاں ہاں یہ جو گھیر لو جانے نہ پائے قریب تھا خوف سے
جی نکل جائے زمانہ تیرہ و تار صحرا پُرغبار ہوا گھڑی بھر میں وہ تاریکی دور ہوئی آفتاب نمودار ہوا نہ
آگ رہی نہ قلعہ برابر سطح میدان نہ انسان نہ حیوان مگر جیوترے پر لاش جھلسی ہوئی پاش پاش
دیکھی یعنی وہ جادوگر کریہ منظر سیندور کا ٹیکہ ماتھے پر زرد زرد دانت ہونٹھوں کے باہر منھ
مہری سے گندہ شیطان کا بندہ بالوں کی لٹیں لٹکی ہڈیاں کھوپڑیاں گلے میں پڑیں کالا بھجنگا
بدن سے ننگا تیر سے چھد کر جہنم واصل وہ جو اصل ہو گیا شکر کا سجدہ بجا لایا قدم ہمت آگے
بڑھایا ہرکارے یہ ماجرا دیکھ فوراً حضور میں حاضر ہوئے بعد عادشنا عرض کی کہ اے شہریار
ذوی الاقتدار فتح مبارک شہزادہ بلا کا پتلا ہے ایک تیر میں وہ آگ کا قلعہ ٹھنڈا کر سرگرم
راہ ہوا بادشاہ مژدۂ فرحت افزا سنکر خوش ہوا فرمایا یقین کامل ہے کہ جانِ عالم حسب دلخواہ مراجعت
کرے گا فتح و فیروزی شامل ہے ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات خبر داروں کو خلعت و
انعام موافق قدر و منزلت مرحمت کر پھر روانہ کیا اس عرصہ میں شہزادہ وہ وادی پُرخطر میدان
سراسر ضرر کو طے کر متصل قلعہ سحر جہاں انجمن آرا قید تھی پہونچا وہ عجیب معلق قلعہ تھا زمین سے
چار پانچ گز بلند ایک تختہ کمہار کے چاک کی طرح باین سرعت گردش میں تھا کہ نگاہ کام نہ کرتی تھی

تصویر جان عالم اور قلعۂ آتشین اور ہرن کا مارا جانا اور جادوگر کی لاش



آنکھ کی پتلی اتنا جلد نہ پھرتی تھی بلند ایسا کہ دیکھنے سے پگڑی گرتی تھی جان عالم وہاں ٹھہرا وہ
قلعہ بھی حرکت سے ساکن ہوا اُسوقت مفصل نقشہ معلوم ہوا کہ قلعہ ہے جواہر نگار بازیب و زینت
بسیار دروازے چار ہیں برج گنے نہیں جاتے ہزار در ہزار ہیں کمند فکر اس کی بلندی کے
روبرو کوتاہ ہے ہر طرف سے سد و دراہ ہے جہاں جان عالم کھڑا تھا ازمرد کا بنگلہ نظر آیا سیں سے
آواز آئی اے اجل رسیدہ کیوں ملک الموت کو چھیڑتا ہے زندگی سے منھ پھیرتا ہے مجھے تیرے حسن
وصورت پر رحم آتا ہے جلد یہاں سے جا خطائے اوّل عوض خوبی شکل و شمائل معاف کی دگر

بایں شدائد خواری قتل کروں گا کہ آسمان تیرے حال پریشان پر خون روئیگا ساکنان زمین کو گوشت پوست ہڈیوں کا پتہ نہ ملے گا بادشاہ تیرے غم میں جان کھوئے گا اس دشت کی خاک تیرے لہو سے رنگین ہوگی روح بھی تا حشر خواب مرگ میں آرام سے نہ سوئیگی شہزادے نے ہنسکر کہا کہ اے مادر بخطا تو کیا ہماری خطا معاف کرے گا کہاں تک لاف و گزاف کا کام بھر یگا انشاء اللہ تعالیٰ اور تو کیا کہوں تجھے بھی اسی کے پائنتی بھیجتا ہوں یہ سنکر وہ جھلایا بنگلے سے سر نکال تھوڑے ماش اس بدمعاش نے اور کالا دانا نکلا اس وقت چرخ چکر میں آیا اور زمین تھرائی جب سرسوں میں نہوے اور رائی ملائی پھر تیتا بیتا اور لونا چماری کو پکارا ان دانوں کو اس احمق نے آسمان کی طرف پھینک مارا دفعتاً ابر تیرہ و تار گھر آیا شہزادے پر پتھر اور آگ کا مینھ برسایا یہ بھی اسمار دسحر پڑھتا آگے بڑھتا تھا جب آگ قریب آتی پانی ہو کر بہہ جاتی اور پتھر بھی ہر ایک خاک تھا ایسا وہ اسم پاک تھا جادوگر خفیف ہو کر سحر تازہ کی فکر میں تھا جان عالم نے لوح کو دیکھا اس میں نکلا کسی طرح لوح کو قلعہ کی دیوار سے لگا دے پھر قدرت خالق کا تماشا دیکھے شہزادے نے بجرأت تمام تر اچک کر لوح دیوار سے لگائی اس پر آفت آئی مرتبہ اوّل سے زیادہ چکر میں آیا پھرتے پھرتے اس طرح کی صدائے ہیبت ناک آئی کہ ہزار توپیں ایک بار چھٹیں تو ایسی نہو بد جو ہیبت تھی کہ گاؤ زمین کا کلیجہ ہل گیا خورشید برج اسد میں چھپکر دہل گیا زمانہ کا رنگ دگرگوں ہوا جنگل گرد و برد ہو گیا وہ کافر آتش پرست سرد ہو گیا لرزہ کوہ و ہامون ہوا میدان سیاہ بلند صدائے نالہ و آہ ہوئی چار گھڑی میں وہ تاریکی دور ہوئی شہزادے کی طبیعت مسرور ہوئی نہ قلعہ نظر آیا نہ مکانات کا نشان پایا لیکن ریت کا ٹیلہ سرکنڈے گڑے اور کچا سوت نیلا پیلا اس پر لپٹا کچھ پھندے پڑے اس میں وہ ماہ شب افروز جور کی صورت نور کا عالم پریشان بدحواس سراسیمہ متحیر کوئی آس نہ پاس ہر سمت حیران ہو ہو دیکھ رہی تھی جان عالم نے پہچانا تاب نہ رہی جی سینے میں عجب سے سنسنایا اکیلے دیکھ کے کلیجہ منھ کو آیا ہرچند ضبط کیا نہ ہو سکا بھراتا دم چڑھا جاتا دوڑ دوڑ کر گرد پھرنے لگا لڑکھڑاہٹ سے گرنے لگا انجمن آرا نے شرما کر سر جھکا کر کہا سنبھلو صاحب کچھ پاس و لحاظ کسی کا نہیں یوں بیباکانہ پاس چلے آنا حرکت مجنونانہ ہے مگر اس گفتگو میں آنکھ بھی چار ہو گئی سنان الفت ادھر تو گڑی تھی ادھر بھی دو سار ہو گئی شہزادہ خنجر عشق کا زخمی قدیم تھا وہ تازہ شمشیر محبت کی گھائل

ہوئی طبیعت اُدھر مائل ہوئی بدن تھرایا جانعالم نے یہ سنایا میر سوز سے جس کو نہ ہو شکیب تاب
فغاں رہے ÷ تیری گلی میں وہ نہ رہے تو کہاں رہے ÷ آہستہ رو تو منزل مقصود کو گئے ÷ رفتار
گرم تھے سو ہمیں درمیاں رہے ÷ بندہ نواز حال پہ یکے کرو نگاہ ÷ بے جائے گریہ کریں کہاں واں
یہ کہہ کر گر پڑا غش آگیا عشق کی نیرنگیاں نہاں نہیں حاجت اظہار و بیان نہیں کشش اسکی چھوسے

تصویر جانعالم اور انجمن آرا مع قلعہ سرکنڈا شتہ رسیدہ و جانعالم کا بیہوش ہو کر گرنا سر زانوے انجمن آرا



بڑے پر آشکارا ہے ہزاروں کو اُس نے فریب مارا ہے انجمن آرا کو دلِ مضطر نے تڑپ کر سمجھایا بے قراری
میں اس پر قرار آیا کہ یہ مقرر عاشق صادق ہمارا ہے جو ایسی بلا سے نہ ڈرا سر کو بیچکر اس وادی میں دل
دھرا ورنہ اتنے دن گذرے بیکسی کے سوا کوئی ہمدم شریک زندان غم نہ تھا دل قبضۂ اختیار سے جاتا رہا
حجاب ہر چند مانع آتا رہا مگر جانعالم کا سر اپنے زانو پر رکھا چہرے کی گرد جھاڑی غش تو کبھی آنکھ سے
دیکھی تھی گھبرا کر رونے لگی اسطرح روئے یار دھونے لگی اور یہاں جو بوند آنسو کی منھ پر پڑی
اور دماغ میں خوشبوئے کنار دلدار چڑھی لخلخے کا کام کر گئی گلاب کیوڑہ چھڑکنے کی حاجت
نہ رہی آنکھ کھولدی سبحان اللہ سر خاک افتادہ کنار یار زانوے دلدار پر پایا ناز و نیاز نے دماغ
عرش اعلی پر پہونچایا او پاؤں پھیلایا یہ اترایا انجمن آرا نے جھجک کر گھٹنا سرکایا جانعالم نے چشم پُرنم

سے شہزادی کا منہ دیکھا اور کہا ہماری بیہوشی ہشیاری سے اچھی تھی مؤلف سے میں جو چوکا تو وہ
بھی چونک پڑا ؛ ہوئی غفلت جو ہوشیار ہوا ؛ یہ کہہ کے آنکھیں بند کریں کہ پھر ہمیں غش آیا کیوں تم نے
زانو سر کا یا انجمن آرا نے کہا کیا خوب اتنا اختلاط میری چوڑھ ہے میں نے تیری محبت اور مشقت
پر نظر کر کے یہ انسانیت کی حرکت کی تھی تم چل نکلے خدا جانے دل میں کیا سمجھے اپنی راہ لیجیے چلتا دھندھا
کیجیے واہ واہ نیکی برباد گنہ لازم جانعالم نے یہ جواب دیا۔ استاد سے خاک ہی اپنی اٹھے تو اس مکان سے
اٹھ سکے ؛ ہم جہاں جوں نقش پا بیٹھے نہ واں سے اٹھ سکے ؛ الا چور کی ڈاڑھی میں تنکا تمھیں اپنا
عاشق کبھی نہ سمجھوں گا نہ معشوقوں کے دفتر میں آپ کا چہرہ لکھوں گا انجمن آرا نے کہا چہ خوش
بھلا دل تو بہلا لو کچھ ہو یا نہ ہو زبان کا مزہ نکالو یہ تو وہی مثل ہوئی مان نہ مان میں تیرا مہمان ہمارا
بعینہ حال یہ ہے۔ فرد سے چہ خوش گفتست سعدی در زلیخا ؛ الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و
ناولہا ؛ عشق اور عاشقی کی باتیں مری بلا جانے رمز و کنایہ کسی اور سے جا کر کرو اپنا چوچلا تھم
کر رکھو اپنی صورت تو غور سے دیکھو تم نے سنا نہیں شاید مثل حلوا خوردن را روے باید ؛ جانعالم
نے کہا میں بیچارہ خستہ تن غربت زدہ دور از وطن بھنت پن کہاں سے لاؤں کیونکر دیسی صورت
بناؤں ایک ہنستا ہے ایک روتا ہے کفر و اسلام میں بڑا فرق ہوتا ہے تمھیں ابھی تک
موہن بھوگ کا ذائقہ نہیں بھولا ہے دم تقریر زبان پر حلوا ہے ہم نے آپ کے واسطے جوگ لیا
سلطنت کو تج دیا اب مراد پوری ہوئی دور دوری ہوئی انجمن آرا یہ سنکر کھسیانی ہوئی کہا
چلو صاحب وہ موا قربان کیا تھا اپنی چونچ بند کرو کٹی جلی کی ہنسی اپنے گھر جا کر کرو سحر و جادو و دُر
و ظلم مکر و فریب سے انسان ناچار ہے اسمیں کسی کا کیا اختیار ہے مگر خیر اور جو چاہیے کہہ لیجیے در پردہ
کیا صاف صاف گالیاں دیجیے یہ باتیں قسمت کی گردش سنواتی ہے دیکھوں ابھی تقدیر آگے
کیا کیا دکھاتی ہے اگر خدا ہمارا گھر بار چھوڑا موذی کے بس میں نہ پھنساتا تو ہر ایک راہ چلتا ہمیں
کاہے کو ایسی باتیں سناتا جانعالم یہ سنکر ڈر گیا رنگ فق ہو گیا خجالت سے مرگیا سمجھ کر آبدیدہ ہو کہنے لگا میری
کیا مجال جو آپ کو کچھ کہوں میں تو خانماں آوارہ مسافر ہوں انصاف تو کرو تم کتنی ہٹ دھرم
احسان فراموش ہو ہنسی میں رد دیا ہمیں دونوں جہان سے کھو دیا انجمن آرا نے دیکھا اس کے
آنسو جاری ہچکی طاری ہے مسکرا کر کہا ایک بات مطلب کی کہی مگر سے سچ ہے اوچھے کا بھی

احسان بُرا ہوتا ہے ٭ خاطر جمع رکھ اپنے گھر چل کر تجھے مال و زر سے لاد دوں گی کہ تو چل نہ سکیگا بوجھ سے ہل نہ سکے گا شہزادے نے کہا آخر سلطنت کا گھمنڈ آیا ہمیں محتاج جان کے یہ فقرہ سنایا ہم بھی کبھی حاجت روائے عالم مشہور تھے مگر الفت سے مجبور تھے اگر تم پر عاشق نہ ہوتے کیوں سلطنت کھوتے سر پہ ہاتھ رکھ کر روتے یہاں تو یہ نوک جھونک چھیڑ چھاڑ ہو رہی تھی وہاں خبر فتح و ظفر ہرکاروں نے بادشاہ کو پہونچائی وہ تو ہمہ تن گوش تھا اسی وقت مع ارکان سلطنت روانہ ہوا سکھپال ہمراہ لیا صبا اور سنائے میں آ پہونچا جو نزدیک تھے دور کھڑے رہے کہاریان بادشاہ کا تخت

تصویر سواری شہزادہ و بادشاہ ایک تخت پر و انجمن آرا کا سکھپال و محلات کی عورتوں کا ہجوم



قریب لائیں انجمن آرا منھ چھپا کر بیٹھ گئی جانعالم پاس سے سرکا بادشاہ تخت سے اترا جان عالم کو گلے
لگایا جرأت کی تعریف کی ہمت پر تحسین و آفرین کی پھر بیٹی کو چھاتی سے لگایا سکھپال میں سوار
کیا شہزادے کو برابر تخت پر بیٹھایا ترقی خواہان دولت ملازمان قدیم نزدیک آئے زر سرخ
و سفید تخت اور سکھپال پر نثار کیا اس قدر روپیہ اشرفی تصدق کیا کہ آجتک جو محتاج مسافر
اُدھر جاتے ہیں چاندی سونا پاتے ہیں نصیب جاگ جاتے ہیں پھرتے پھرتے بادشاہ کے
جلوس سواری نوبت نشان فوج سب سامان آپہونچا اہل شہر یہ خبر سنکر ہزاروں دوڑے شادیانے
بجاتے مبارک سلامت کا غل مچاتے شہر میں داخل ہوئے ملک کی رونق گئی ہوئی پھر آئی خلقت نے
جان تازہ پائی محل میں انجمن آرا رونق افروز ہوئی سب کو شادی نوروز ہوئی محل والیوں نے
کہرام مچایا بادشاہ نے فرمایا یہ خوشی کا وقت ہے نہ ہنگام غم اسی طرح سب بچھڑے خدا کی عنایت سے
باہم ہوں انجمن آرا کی ماں گرد پھرتی تھی دمبدم سجدہ کرنے کو زمین پر گرتی تھی کہتی تھی ہمارے
دن اللہ نے پھیرے مگر بدولت جانعالم انجمن آرا جب یہ نام سنتی خوش کیا کھل جاتی الا لوگوں کے
سنانے کو تجاہل عارفانہ کرکے یہ سناتی صاحبو یہ کیا بار بار کہتے ہو جو میرا مقدر سیدھا نہوتا تو
کون تھا جو دن پھیرتا ہم صحبتیں مزاجدان اس کہانی سے تاڑ گئیں کہ آپکی بھی آنکھ پڑی طبیعت لڑی
جب اسکی ماں سرکی وہ سب پاس آکے کہنے لگیں ہے ہے ہم تو تیری مفارقت میں مرتے تھے
زندگی کے دن گھڑیاں گن گن بھرتے تھے یہ صورت اللہ نے دکھائی یا جان عالم کی
جوتیوں کے صدقے سے نظر آئی جس طرح ہمارے مطلب دلی ملے خالق اسکی بھی جی کی مراد دے
انجمن آرا غصہ کی شکل بنا تیوری بھوں چڑھا کہنے لگی تم سبھوں کی شامت آئی ہے کیا بیہودہ
بک بک مچائی ہے چوچلے کی خوبی بزرگی خوردی سب ڈوبی واہ وا تم نے بیری چڑھ نکالی اپنی
دانست میں دوانی بنالی خدا جانے یہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے سبھوں نے میرا مغز کھایا ہے
اسے تو کیا کوسوں وہ تو مسافر بیچارہ ہو جی میں آتا ہے اس کا منھ نوچوں جس جس نے یہ نخرا اٹھایا ہے
اور بھائی مجھے چھیڑو گی تو رو دونگی اپنا سر پیٹ لونگی یہ کہہ کر مسکرانے لگی ہونٹ چبانے لگی آپسمیں مزہ
کٹنانے لگے تمام ملازمان بادشاہ مع رؤسا ترقی خواہ نذریں لے کر حاضر ہوئے شہر میں منادی ہوئی
کہ جتنے ساکنان قلمرو بادشاہ ہیں فقیر سے ہفت ہزاری بڑے آدمی سے بازاری تک آج کاروبار موقوف کر

ناچ دیکھیں خوشی کریں اور جسے مقدور نہ ہو سرکار سے لو تمام شہر میں عیش و نشاط راگ رنگ
کی مجلس با فرحت و انبساط ہوئی بادشاہ نے جشن جمشیدی کیا تمام شب بادۂ گلگوں کا دور رہا
ناچ گانا صحبت بے تکلفانہ کا یہ طور رہا دم صبح بادشاہ کیوان جاہ دیوان عام میں رونق افزا
ہوا اسقدر زر و جواہر محتاج فقیروں کو عنایت و امداد ہوا کہ کاسۂ گدائی انکا جام و صراحی سے بدل
ہو گیا محل میں بر محل رت جگے صحنک جا بجا کونڈے حاضری ڈومنے پڑیاں منتوں کی جس جس نے
مانی تھیں کرنے بھرنے دینے لگیں ور ڈومنیاں تراق پراق پری وش خوش گلو با انداز مع سامان
و ساز حاضر ہوئیں مبارک سلامت کہہ کر شادی مبارک گانے پچھے پچانے نئی مبارک باد
سنانے لگیں۔ مؤلف ؎ شادی و جشن سزاوار مبارک ہووے ٭ آج شہزادی کا دیدار مبارک
ہووے ٭ صد وسی سال سلامت رہے با امن و اماں ٭ حسن کی گرمی بازار مبارک ہووے ٭ وہ
بھی دن آئے جو سہرا بندھے سر پہ اسکے ٭ سب خوشی سے کہیں ہر بار مبارک ہووے ٭ بعد شادی
کے خدا دے کوئی فرزند رشید ٭ ہم کہیں آکے یہ دلدار مبارک ہووے ٭ خار کھاتے
رہیں کمبخت جو دشمن ہوں سرور ٭ دوستوں کو گل و گلزار مبارک ہووے

بیان جلسۂ شادی اس وطن آوارہ کا انکار کرنا اس مہر سیماہ پارہ کا اور ماں کا سمجھانا اُس کا شرما کے سر جھکانا پھر سامان برات کا مزا لوٹنا پہلی رات کا

کدھر ہے تو اے ساقی گلعذار ٭ مرا غم سے دل ہو گیا خار خار ٭ پلا دے کوئی ساغر لالہ رنگ ٭
جوانی کی لائے جو دل میں ترنگ ٭ سہے کتنے صحرانوردی کے رنج ٭ بھلا کچھ تو شادی کا ہوں
نغمہ سنج ٭ سرود سرایان بزم شادی و نغمہ پردازان محفل عروسی و دامادی انجمن بیان میں یوں
زمزمہ سنج ہوئے ہیں کہ جب جلسۂ عیش و طرب سے فرصت سب کو ہوئی ایک روز بادشاہ جمجاہ
محلسرائے خاص میں جلوہ بخش تھا بی بی سے خلوت میں فرمایا کہ حقوق اور احسان جیسے جان عالم
کے ہمارے ذمۂ ہمت پر ہیں تمام عالم جانتا ہے اور یہ بھی نزدیک و دور مشہور ہے کہ عشق
انجمن آرا میں نادیدہ مبتلا ہو سلطنت کھو یہاں آیا ہے اور کس مردانگی سے جادوگر کو مارا
اور اسکے پھندے سے چھوڑایا ہے اسکی قطع نظر صورت سیرت خلق و مروت ہمت و جرأت

یہ جتنی صفتیں ہیں سب خالق نے عطا کی ہیں حسب عالی نسب والا الحسن میں مہر و ماہ سے نرالا مناسب
کیا ضرورت ہے کہ جلد سامان شادی درست کر منعقد کرو خدا جانے آج کیا ہے کل
کیا ہوگا مرد زیرک دامگذار اس نے عرض کی کہ جو رائے اقدس میں گذرا یہی میرا عین مطلب
تھا بادشاہ نے فرمایا آج انجمن آرا سے یہ مقدمہ اظہار کر کے جواب باصواب حاصل کرو کل سے سرگرم
سامان شادی ہو یہ کہہ کے بادشاہ دیوان عام میں رونق افروز ہوا انجمن آرا کو ماں نے طلب کیا
اور دو چار اور مغلانیاں اتونیں سن رسیدہ محلدار جہان دیدہ قدیم جو تھیں انھیں بلوایا شہزادی
کی جلیسیں بھی یہ سنکر بے بلائے آئیں اُسنے بھولی بیٹی کو گلے سے لگایا پیار کیا پھر کہا سنو پیاری
دنیا کے کارخانہ میں یہ رسم ہے کہ بادشاہ کے گھر سے فقیر تک بیٹی کسی کی ماں باپ پاس ہمیشہ
نہیں رہتی اور غیرت دار کے گھر میں لڑکی جوان ہر وقت رنج کا نشان رخصت کا سامان ہے
اور خدا اور رسول کا حکم بھی یہی ہے کہ جوان کو بٹھا نہ رکھو شادی کردو علاوہ ان باتوں کے ایک
شخص نے تمھارے واسطے گھر بار چھوڑا سلطنت سے ہاتھ اٹھا کسی آفت سے منھ نہ موڑا
جی پر کھیل گیا کیا کیا بلائیں جھیل گیا سر کھپی اور جان جوکھوں کی جب تم نے ہم کو دیکھا ہم نے
تمھاری صورت دیکھی شکل میں پری شمائل فرخندہ خو فرشتہ خصائل تمام شہر عاشق زار ہے چھوٹا
بڑا اُسپر فریفتہ اور نثار ہے ہر چند تم پارۂ جگر نور نظر ہو مگر واری جو انصاف ہاتھ سے نہ دو تو تم
میں اسمیں بڑا فرق ہے تمھیں اللہ نے عورت بنایا ہے وہ مرد میدان نبرد ہے رنڈی مرد کا بہت
تفاوت مشہور ہے آگاہ نادان و ذی شعور ہے الاجانی ہمارا کہنا آرسی مصحف میں نظر پڑیگا
دیکھئے گا جو دکھائی دیگا انجمن آرا نے یہ سنکر سر جھکا لیا رونے لگی کہا حضرت صورت شکل کا یہاں
مذکور کیا ضرور تھا یہ اللہ کی قدرت ہے کسی کو بنایا کسی کو بگاڑا بہت سے لولے لنگڑے
کانے کھدرے گونگے بہرے ہیں وہ چاہے نہ جییں کہیں نور ہے کہیں نار ہے گل کے پہلو میں
خار ہے سب صنعت پروردگار ہے دنیا میں کون سی شے بیکار ہے بُروں سے اچھوں کی تمیز
ہے یوں تو بادشاہ مصر غلام عزیز ہے اور جو بار احسان سے دب کر فرماتی ہو کہ ایسا کرو
تو دنیا عالم اسباب ہے ایک کا کام دوسرے سے ہوتا آیا ہے یہ شخص نہ آتا اور میرے مقدر
میں رہائی ہوتی کچھ ایسا سامان نکل آتا اور کوئی اللہ کا ولی پیدا ہو جاتا میری بند چھوڑاتا

مؤلفہ ۔ نیک و بد زمانہ نہیں اختیار میں ؛ ہوتا وہی سر در ہے جو سرنوشت ہو ؛ میری قسمت
کمبخت بری ہے ایک مصیبت سے چھوڑ دوسری آفت میں پھنسایا ہر دم طعنے اپنے بیگانے
کے سُننے پڑنے کہ یہ آیا مجھے قید سے چھوڑایا خدا جانے وہ کون ہے کہاں سے آیا ہے اپنے منہ سے
میاں مٹھو شہزادہ بنا ہے آپکی لونڈی ہوں بہر صورت فرمانبردار اگر کنوئیں میں جھونک دو
چاہ سے گر پڑوں اُف نہ کروں مگر جو آپ اسکی شکل پر ریجھ محنت و مشقت کو سمجھ بوجھ یہ مقدمہ کیا
چاہتی ہیں تو میں راضی نہیں اگر مزدوری کی اجرت خدمت کا انعام منظور رہے کہ بادشاہوں
کے نزدیک احسان کسی کا اٹھانا بہت دور ہے تو روپیہ اشرفی جاگیر عنایت کرو اس کا بھلا ہو
کام ہو آپ کا نام ہو یہ فقرہ سُن کے وہ بہت ہنسی کہا شاباش بچی اسکی جانفشانی کی خوب قدردانی
کی واقعی وہ بیچارہ تمہارے ملک کا یا روپیہ پیسہ کا محتاج ہے اری نادان وہ تو خود صاحب تخت
و تاج ہے اس بات پر مہمنوں نے قہقہہ مارا کہا حضور بس ان کا یہ شعور ہے انکے نزدیک وہ شہزادہ
نہیں مزدور ہے انجمن آرا نے جھنجھلا کر کہا کہ روپیہ وہ شے ہے کہ اس کے واسطے اسفندیار رستم
روئیں تن مارا گیا فریدون و افراسیاب کا سر اتارا گیا وہ جو دائی دوا آتون مغلانیاں منہ لگی بڑی بوڑھیاں
حاضر تھیں بولیں قربان جائیں واری ماں باپ کی عدول حکمی میں خدا اور رسول کی نافرمانی ہوتی
ہے تمہیں انکار مناسب نہیں اور خدانخواستہ یہ کیا تمہارے دشمن ہیں جو راہ چلتے کے حوالے
کسی کے کہے سُنے سے بے دیکھے بھالے کر دیں گے آدمی وزیرزادہ عقل و شعور رکھتا ہے نشیب و فراز
بات کا محل بموقع سوچا سمجھتا ہے تم سلامتی سے ابھی تک وہی بچپنے کی باتیں کرتی ہو کھیلنے
کودنے کے سوا قدم نہیں دھرتی ہو انجمن آرا نے جواب نہ دیا سر زانو پر رکھ لیا لیکن وہ جو
امیرزادیاں اُسکی ہمنشین جلیسیں تھیں جن سے اس بات کے روز مشورے رہتے تھے بولیں ہے ہے
لوگو تمہیں کیا ہوا ہے آتو جی صاحب بے ادبی معاف آپ نے دھوپ میں چونڈا سفید کیا ہے
خیر ہے صاحبو دلھن سے صاف صاف کہوایا چاہتی ہو دنیا کی شرم و حیا کیا نگوڑی اُٹھ گئی اتنا
تو سوچو بھلا ماں باپ کا فرمان کسی نے ٹالا ہے جو یہ نہ مانیں گی الخاموشی نیم رضا بوڑھے بڑے کی
روبرو اور کہنا کیا یہ سنکر آتون قدیم جس نے انجمن آرا کو پالا پڑھایا لکھایا تھا اس نے مبارکباد کہکے
انجمن آرا کی ماں کو نذر دی محل میں قہقہے مچے شہزادی بناوٹ سے رونے لگی نواب ناظر بیگم

کی نذر لے کر بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا نذر دی خلعت مرحمت ہوا یہاں تو ارکان سلطنت اسی
دن کے روز منتظر رہتے تھے یہ مژدۂ فرحت افزا دریافت کرکے اٹھے براتب نذریں گذریں.
توپخانوں میں شلک کا حکم پہونچا نوبت خانوں میں شادیانے بجنے لگے مبارک و سلامت کی
صدا ازمین و آسمان سے پیدا ہوئی. شعر ؎ فلک پر یہ مبارکباد ہے اب کس کے ملنے کی :: ایسا
کون بختاور ہے جس کا بخت جاگا ہے :: بادشاہ نے وزیر اعظم سے ارشاد کیا جان عالم یہاں
مسافرانہ وارد ہوا ہے تم امورات محل میں مستعد ہو ہم اس کا سامان سرانجام کریں زیر آداب
بجا لایا خلعت فاخرہ ملا ہاتھی پالکی سے سرفراز ہوا جان عالم کا یہ نقشہ تھا چہرہ پر بشاشت سے
سرخی باچھیں تا بناگوش کھلیں فرحت کے باعث بند قبا ٹوٹے جاتے تھے مگر شرم کے باعث
آپ سر نہ اٹھاتے تھے بادشاہ نے رمال نجومی پنڈت جفر دان جو جو ہیئت اور ہندسہ و نجوم میں
طاق شہرۂ آفاق تھے طلب کیے اور ساعت سعید کا سوال کیا کسی نے قرعہ پھینکا زائچہ کھینچا
شکلیں لکھیں کسی نے پوتھی کھولی کوئی حرف مفرد لکھ کر حساب کرنے لگا کوئی تلا برچھک دھن
مکر کمبھ مین میکھ برکھ متھن کرک سنگھ کنیان گنگر بچارے کرنے لگا کوئی مشتری مریخ شمس
زہرہ عطارد قمر زحل کا حال مع گردش برج کہہ کے حمل ثور جوزا سرطان اسد سنبلہ قوس عقرب
جدی دلو حوت میزان کی میزان دیکر شمار کرنے لگا کہا بعد مدت قمر اور مشتری کا بطرز خلاف حمل
میں قران ہے اس ہفتہ کا دن رات سعد اکبر ہے اور باتفاق ایک روز مقرر کیا حضور سے بقدر
علم و کمال خلعت و انعام عنایت ہوا اور بعد جلسہ شادی بامید دیگر و امداد وافر امیدوار کیا القصہ بموجب
احکام اختر شناسان بلند بیں فلک سیر ماضی مستقبل کے حال دان باریک خیال منجمان صدر نشین
سند کنشت و دیر حکم روایان خوش فال مانجھے کا جوڑا دلھن کے گھر سے چلا تا مزدورے تا فیل نشین
زن و مرد فرد فرد بالباس رنگین پھراج کی کشتیوں میں زعفرانی جوڑے سنہرے خوانوں میں پنڈیاں مقوی
مفرح ذائقہ ٹپکتا خوان تک بسا اور دودھ کے واسطے اشرفیوں کے گیارہ توڑے طلائی چوکی
جواہر جڑا زمرد نگار کٹورا ابٹنا ملنے کا کنگنا بہ از عقد ثریا در یکتا بڑا بڑا انگی ملتان کی تھی بیل
بوٹے میں گلستاں کی تھی بنا اور تیل بے میل جو عطر کشمیر پر خندہ زن ہو معطر دماغ انجمن ہو کنٹر دنیں
عطر سہاگ مہک پری ایجاد نصیر الدین حیدری ارگجہ محمد شاہی فتنے کی بو چار زعفران کا تختہ کھلا

کوسوں تک خوانچے خوان طلا نوبت نشان گھوڑوں پر شہنا نواز نقارچی جوان بکھپال اور
چنڈولوں میں زنانی سواریاں انکے بناؤ کی تیاریاں کہاریاں پری چہرہ برق درخشاں کا عالم
قدم قدم اُس سامان سے وہ سب مانجھاے کے در دولت نوشاہ پر جو بس گئے شہر کے کوچے
و بازار بس گئے وہاں دولھانے یہاں دولھن نے مانجھے کے جوڑے پہنے منادی نے ندا کی جو
سفید پوش نظر آئے گا اپنے خون سے سرخ ہوگا یعنی گردن مارا جائے گا بادشاہ نے خود ملبوس خاص
رنگین زیب جسم کیا رنگ کھیلنے لگا تمام خلقت ہولی کی کیفیت بھولی شہر میں شہاب اور زعفران
کے سرخ و زرد نالے بہے گلیوں میں عبیر و گلال کے ٹیلے ٹیکرے رہے کوچہ ہر بازار کا زعفران زار
کشمیر تھا ایک رنگ میں ڈوبا امیر و فقیر تھا بتاکید تمام خاص و عام کو حکم ہوا کہ آج سے چوتھی
تک سوائے اہل حرفہ اپنے امور ضروری موقوف کر اپنے گھروں میں ناچ دیکھو جشن کرو جو کچھ احتیاج
ہو سرکار سے لو اور ہر رئیس محلہ اور سردار قوم سے فرمایا جو جو تم سے متعلق ہو انکی فرد درست کر
حضور میں گذرانو انکے کھانے پینے کا سامان خواہ ہندو ہو یا مسلمان حضور سے ملیگا اور ارباب نشاط
کے داروغہ کو حکم ملا کہ جس کی جیسی لیاقت ہو یا جس کا جو شائق ہو بشرطیکہ اسکے لائق ہو برضامندی
طرفین ویسا طائفہ وہاں بھیج دو دوکانداروں کو ارشاد ہوا دن رات دوکانیں کھلی رہیں قریب
قریب ناچ ہو دن کے کھانے کا صرف تصرفی باورچی خانے میں ٹھہرا ہندوؤں کو پوری کچوری
مٹھائی اچار مسلمانوں کو پلاؤ قلیہ زردہ قورمہ ایک آبی دوسری شیرمال فرنی کا خوانچہ تشتری
کباب کی بہت آب و تاب کی شہر میں گلی گلی عیش و نشاط خوشی میں چھوٹے بڑے سب کسی
کو کسی سے غرض نہ مطلب پکا پکایا کھانا کھانا دوکانوں پر بیٹھے ہر وقت ناچ دیکھنا سرکار کا نام لینا
بغلیں بجانا۔ بیت ؎ بہشت آنجا کہ آزارے نباشد ٭ کسے را با کسے کارے نباشد ٭ اور اس سے پہلے
بہ تعیین تاریخ روز شادی نامے بادشاہوں کو فرمان راجہ بابو کو صوبہ داروں کو شقے عاملوں
کو پروانے جا چکے تھے دو چار منزل گرد و پیش سر راہ دو دو کوس کے فاصلے سے باورچی اور
حلوائی کھانا مٹھائی گرما گرم تیار کیے رہتے تھے کہ اس عرصے میں جو مسافر گذرے یا طلبیدۂ بادشاہ
آئے بھوکا نہ جائے اور مژدۂ شادی راہ چلتوں کو سنا شہر میں بھیج دیتے تھے کہ یہ جلسہ قابل
دید ہے غرضکہ دو منزل چار منزل بلکہ دس بیس دن کی راہ سے تماش بین بے فکرے

لکھنؤ والوں سے سیر دیکھنے کو آئے اور ساچق کا دن آیا اگر سب سامان بیان کروں کہانی نا تمام رہ جائے
وہی مشتے نمونہ از خروارے پچاس ہزار چوگھڑے روپہلے سنہرے جواہر نگار نقل او ر میوے سے
لبالب لاکھ خوان لحبن و خوبی بسیار پر تکلف سب پچاس ہزار میں مصری کے کونے باقی میں
میوہ اور قند کے جھڑیاں مرصع کاری کی بڑی تیاری کی نقرئی دہی کی ٹکی گلے میں مچھلیاں
ناڑے سے بندھیں آرائش کے تخت بے حساب اس روش کے جن کے دیکھنے سے صناعی صانع
حقیقی کی یاد آئے گل بوٹا اس بج دھج کا جو نقل کو اصل کر دکھائے آتشبازی کے ٹوکرے
قطار در قطار بے پایان سرو جھاڑ درخت میوہ دار ہزار در ہزار لائیاں بہت تزک بڑا سامان
آرائش کے گلدستوں سے چمن رواں ساتھ تھا سر دست یہ باغ ہاتھوں ہاتھ تھا اس انداز سے
ساچق گئی منہدی کی شب ہوئی وزیر درست تدبیر نے خوب تیاری کی نارنول کی منہدی ہزار ہا من
بوباس میں دلھن پن رنگین جس کی دید سے ہاتھ مثل پنجۂ مرجان رشک عقیق یمن اور لعل بدخشاں
ہو جائے ایک بار لگائے لعل ہو تمام عمر کف افسوس ملتا رہے نہ ہاتھ لگنے کا ایسا ملال ہو
جڑاؤ سینیوں میں حنا شمع مومی و کافوری اُس پر روشن ملیدے کے خوانوں پر جوبن آرایش
و آتشبازی ہمراہ سب کے لب پر واہ واہ بہت چمک دمک سے منہدی لایا اور یہ رنگ ڈھنگ
حسن تدبیر سے دکھایا کہ تمام ہچشموں میں سرخرو ہوا برات کی رات کا حال سنو دیوان خاص سے
دُلھن کا مکان پانچ کوس تھا یہاں سے وہاں تک دونوں طرف بلور کے جھاڑ آدمی کے قد سے
دو چند سو سو بتی کے سر بلند پانچ چھ گز کے فاصلہ سے روشن اور دس گز جدا نقرئی طلائی
پنجشاخا جلتا اُن سے کچھ دور ہزاروں مزدور رٹھاٹھروں پر روشنی کرتے جھاڑ رشک سرو
چراغاں چمکتے جابجا ترپولئے اور نوبت خانے بنے کتھک اتھک اُن پر ناچتے نوبت بجتی مزرق
شامیانے تنے اسکے قریب دو لڑ یہ آتشبازی گڑی روشنی یہ روشن تھی کہ چیونٹی سوار
کو بہیئت مجموعی مفصل معلوم ہوتی تھی غرض کہ دولھا سوار ہوا شور وغل یکبار ہوا کسی نے
کہا سواری جلد لانا کوئی ٹیکہ شملہ سنبھال کر پکارا خدمت گار کو بلانا پلٹنیں آگے بڑھیں باجے
بجنے لگے کوس دکو گرجنے لگے نوبت نشان ماہی مراتب جلوس کا سامان سواروں کے
رسالے دو لڑ یہ باگیں سنبھالے خود اپنے آگے آگے بیش قرار درماہے دار پھر ہزار بارہ سو تخت

روان تمام تمامی سے منڈھا اُن پر رنڈیاں جوان جوان شادی مبارک گاتیں سج دھج دکھا
طبلے بھڑبھڑاتیں بہت سے سانڈنی سوار تیز رفتار خاص بردار خاصبان کندھوں کو دلھا کے

تصویرِ سواری برات مع جلوس فیلان وغیرہ



قریب برچھی والے با انداز چوبدار روشن چوکی والے شہنائیاں پرتکلف سرنرالے ہزاروں غلام زرّین کمر سنہری روپہلی انگیٹھیاں ہاتھوں میں جھولی میں عنبر سارا عود غرقی بھرا دشت مہکتا گرد ہزار ہا بخشا خا چھنکتا سونے چاندی کی دستیاں روشن جلو میں چالیس بادشاہ پُرشوکت وجاہ پیچھے بارہ ہزار ہاتھیوں پر امیر وزیر ارکان سلطنت ترقی خواہ خواصی میں انجمن آرا کا بھائی جان عالم کا سالا بجائے شاہ بالا آہستہ آہستہ قدم قدم خوش و خرم چلے کوچہ و بازار بوباس سے معطر تھا چرخ گرداں اس تماشہ کو بچشم انجم نگراں تھا دشت کا وحش و طیر حیراں تھا پہر رات رہے دلھن کے دروازے پر پہونچے ماما اصیلیں دوڑیں پانی کا تشت ہاتھی کے پاؤں کے تلے پھینکا کسی نے اور کچھ ٹوٹکا کیا دولھا اُتر کر مجلس میں داخل ہوا بارہ سے طائفہ رنڈیوں کا سوائے بھانڈ بھگیتے ہجڑے زنانے کشمیری قوال بین کار رباب سردیلے کے حاضر تھا ناچ ہونے لگا قریب صبح قاضی طلب ہوا ساعت معیّن کئی سلطنت کے خراج پر مہر بندھا طالب و مطلوب کو سلک ازدواج میں منسلک کیا مبارک سلامت کا غل مچا میر سوزنہ فلک شب کتخدائی دیکھ اس کی سوز یوں بولا ٭ تجھے یہ رات اے رشک مہ نور مبارک ہو ٭ سب طائفہ ساتھ

تصویر بزم نکاح جان عالم کی اور سامان محفل میں آرسی مصحف کے



کھڑے ہو ایک سُر میں مبارک باد گانے لگے کئی لاکھ رُپیے بادشاہ نے عنایت کئے دولھا زنانے میں طلب ہوا وہاں رسمیں ہونے لگیں وہ عجب وقت تھا آرسی مصحف روبرو محبوب دلخواہ دوبدو سورۂ اخلاص کھلا آئینہ رونمائی میں مزے لوٹتا سلسلۂ محبت مستحکم ہو رہا ڈومنیوں کا سٹھنیاں گانا دولھا دلھن کا شرمانا کبھی ٹوٹنے گانا اچھے سے سلونے ہمجولیوں کا پوچھنا ٹونا لگانا دولھا کا ہنس کے کہنا عرصہ ہوا کوئی دُلھن کی جوتی دولھا کے شانے میں چھو اگئی کوئی اُسی کا کاجل پارہ ہوا لگا گئی ہمسنوں کی چھیڑ چھاڑ اُنکے جوبن کی بہار فقط ململ اور شبنم کے دوپٹوں کی آڑ جسدم یہ رسمیں ہو چکیں تو نوبات کی نوبت آئی عجب سیر نظر آئی اس طرح چنی کہ دیکھی نہ سُنی میرحسن وہ جب پاؤں پر کی اٹھاتے اڑا ؛: نہیں اور وہاں کا عجب غل پڑا ؛: جب یہ رسمیں ہو چکیں ڈومنیوں نے پا ہونی گائی سب کی چھاتی بھر آئی کہرام مچا جب دلھن سب سے رخصت ہونے لگی روجی کھونے لگی سواری تیار ہو دروازے پر آئی دولھا نے سہرا سر سے لپیٹ دلھن کو گود میں اٹھایا سب کا دل امنڈ آیا شور و غل مچایا دنیا کے کارخانے قابل دید ہیں بلکہ ہیں نہ شنید ہیں شادی میں غم سلف سے توام ہے مگر ثبات بجز ذات باری کسی کو نہیں مقدمات جہاں گذران خواب پریشان ہیں اُن کا حال کیا کہیں ۔ مؤلف ؎ اک وضع پر نہیں ہے زمانے کا طور گاہ ؛: معلوم ہو گیا مجھے لیل و نہار سے ؛: غرضکہ دلھن کو سکھپال میں سوار کیا بادشاہ نے ملک و سلطنت خزانہ جہیز میں لکھ دیا برات رخصت ہوئی وہ اہتمام تجمل سواری کا سامان ہر شخص خرم و خنداں جہیز کا بڑھنا لوگوں کا دولھا پر دعائیں پڑھنا نسیم سحر کا چلنا شمع کا جھلملا جھلملا کے جلنا شہنا میں بھیروں بھباس اتیا للت رام کلی کا پھونکنا نقیب اور چوبداروں کا کوئل کی طرح کوکنا نوبت کی ڈکو جھا جھ کا جھانجھ سے شور جھٹ پٹا وقت نور کا تڑکا کڑکیتوں کا سویل کڑکا کھڑکا پچھ تاروں کی چمک نقاروں کی صدا دھونسے کی گمک چاند کے منھ پر سفیدی دُلھن والیوں کی یاس و نا امیدی عطر کی لپٹ پھولوں کی مہک سب کو نیند کا خمار کوئی پیادہ کوئی سوار فرش باسی ہار پھولوں سے رنگ صحن چمن کہیں جھول کہیں شکن کسی جا پھیر دکے اور بیڑوں کے پتے کھلے پڑے کہیں لوگ حیران و ششدر کھڑے مجلس کے فراق میں اہل محل کے اشتیاق میں شمع کی نزاری اشک باری لگن میں پروانوں کی بیقراری خاکساری دولھا کے لوگوں کی خوش بشاش تیاری دلھن کے

گھر میں نالہ و زاری کوئی کہیں نیند کے جھونک میں پڑا کوئی یہ سامان بچشم عبرت دیکھ تاسف
میں کھڑا شمع فانوس میں گل گلگیر میں زیرانداز پر پروانوں کے پر فراش فرش اٹھانے کی
تدبیر میں بیٹھی ہوئی ہر ایک کی آواز کہیں سوز کہیں ساز یہ وقت دیکھنے کے قابل ہوتا ہے
راہ چلتا بھی دیکھ کر رو دیتا ہے اسکی لذت وہ جانے جس کی نظر سے یہ ہنگامہ گذرا ہو کسی کی
برات تو دیکھی ہو گو بیاہ نہ کیا ہو قصہ مختصر دولھا شگفتہ خاطر خنداں چہرے پر شباب کی چمک
عارض تاباں سے حسن کی بہار عیاں ہاتھی پر سوار گرد شاہ و شہریار زر سرخ و سفید نثار ہوتا
سرچوک ہوکے دیوان خاص میں داخل ہوا جو رسمیں یہاں کی تھیں ہونے لگیں بکرا ذبح
کیا انگوٹھے میں لہو لگا دیا پھر کھیر کھلائی رسومات سے فرصت پائی اب یہ منتظر ہوئے کہ شام ہو
وصل کا سرانجام ہو اس دن جانعالم کا گھبرانا گھڑی گھڑیالی سے دن کی خبر منگوانا دیکھنے
کی گون تھا بد حواس پھرتا تھا کہ کہیں جلد رات ہو بے تکلفی کی ملاقات ہو کبھی کہتا تھا واہ قسمت
کی خوبی پہر بھر ہوا گھڑی نہیں ڈوبی ہوش کہاں بجا تھا مکرر پوچھتا تھا ابھی کیا بجا تھا ادہر
انجمن آرا بھی جمائیاں لیتی تھی تکیے پر سر دھر دیتی تھی جب اور کچھ تدبیر نہ بن آتی تھی لوگوں کے
چونکانے کو اونگھ جاتی تھی غرضکہ خدا خدا کرکے وہ دن تمام ہوا نمود شام ہوئی عروس شب
نے مقنعۂ مہتاب سے رو پوشی کی مشتاقوں کو فرصت ملی گرمجوشی کی لوگ آنکھ بچا کر جا بجا
کنارے ہوئے دولھا دلھن چھپر کھٹ میں ہمکنار بیتابی کے مارے ہوئے شادی کا زور

تصویر جانعالم اور انجمن آرا کی مع پلنگ



شباب کا عالم مشتاقوں کا بیٹھنا باہم آنکھوں میں خمار نیند کا دل میں اشتیاق دید کا عطر سہاگ
اور رفتنے کی خوشبو بٹنے اور تیل کی عجب بیل کی مہک ہر سو پھولوں سے پلنگ بسا اور کچھ کسا
خود دلشدۂ عشق سے باختہ ہواس تمنائے دل پاس نہ کچھ دغدغہ نہ وسواس ہنگامۂ صحبت
طرفین سے گرم ادھر شوق اُدھر شرم ایک طرف ولولۂ گرمجوشی ایک سمت حیا سے منھ پر مہر خموشی
بیان کرنا گذشتہ حال کا خیال لوگوں کی دیکھ بھال کا یہ معمول ہے اُس در ہمنشین برابر ایسا
تاکتی جھانکتی ہیں لیکن ان ڈروں پر چپ نہ رہے آہستہ آہستہ دونوں نے دُکھڑے کہے
جانعالم نے طوطے سے ذکر سُن کر در بدر خراب و خستہ ہو کر آنا طوطے کا بیٹھ رہنا وزیرزادے کا
صدمۂ فراق سہنا پھر طلسم میں پھنس جانا جادوگرنی کا ستانا بعد اسکے نقش سلیمانی لینا وہاں
سے چل دینا بکشادہ پیشانی وخوش بیانی بیان کیا مگر ملکہ مہرنگار کی ملاقات جگت رنگی
کے حرف وحکایات اسکی طبیعت کا آجانا اپنا بے اعتنائی سے چلے آنا کچھ شرما کر بات کے مطلب کو
چبا چبا کر کہا یہ اکثر ہوتا ہے کہ معشوق کے روبرو جو اُس پر کبھی کوئی عاشق ہوا ہے اس کا
ذکر کرتا ہے شیخی بگھارتا ہے کچھ جھوٹ اپنی طرف سے جوڑتا ہے دل کے پھپھولے توڑتا ہے
اسکی شرح گو طول طلب ہے پر عاشق مزاجوں پر منکشف سب ہے انجمن آرا نے جادوگرنی کے
قصہ پر تاسف کیا ملکہ کے مذکور پر بناوٹ سے ہنس دیا پھر روکھی صورت بنائی ناک
سیٹی تیوری چڑھائی مگر چلے آنے کے سہارے پر مسکرائی اپنا بھی اشتیاق سے لیے دیئے ارز
ملاقات محنت ومشقت کی قدردانی سے جادوگر کی لڑائی کی جانفشانی سے بیان کیا پھر
دونوں بیساختہ ہو شرم وحیا کو کھو ہم آغوش ہوئے رنج درکنار غم و درد مہاجرت فراموش
ہوئے۔ مؤلف ؎ یہ ہمکناری جاناں سے تازہ لطف اٹھا :: گلے سے مل گئے سب رنج درکنار ہوا
سینے سے سینہ لب سے لب ہاتھ پاؤں بلکہ جتنے اعضائے جسم ہیں سب وصل تھے مثل ہے
ایک جان دو قالب وہ ایک جان ایک ہی قالب غالب ہے کہ ہو گئے۔ استاد ؎ ایام وصل یوں گلے
لپٹے ہیں جیسے اس سے :: یوں وصلی کے بھی کاغذ چسپاں بہم نہ ہوں گے :: خواہش کو اضطرار
حیا مانع کار شرم برسر تکرار دونوں کے دم چڑھ گئے تھے جنگ زرگری کا ڈوزوریاں کر رہے
تھے شاہزادی موقع پر ہاتھ نہ لگانے دیتی تھی جب بے بس ہو جاتی تھی تو چٹکیاں لیتی تھی گاہ

کہتی تھی اے صاحب اتنا کوئی گھبراتا ہے دیکھو تو کون آتا ہے کبھی خود اُٹھ کر دیکھتی بھالتی تھی کوئی
دم یوں ٹالتی تھی آخر کار غنچۂ سر بستہ تمنائے دراز بحرکت نسیم وصل شگفتہ و خنداں ہوا در ناسفتہ
درج شہریاری رشک عقیق یمن غیرت دہ لعل بدخشاں ہوا بقول فردوسی ؎ چناں بُرد آورد
آورد و برد ۔ کہ دایہ زحسرت بسں پردہ مرد ۔ رشک و حسرت سے جگر صدف چاک ہوا دشمن کمبخت
در پردہ ہلاک ہوا تقاضائے سن الھڑ پنے کے دن اسوقت دونوں گھبرائے اور وہ کیفیت سب
بھولی جب دامن شب میں چادر پلنگ پر شفق صبح پھولی غرضکہ شرما کر استراحت فرمائی دل بیتاب
نے تسکین پائی ہنوز پلک نہ جھپکی تھی نمود سحر ہوئی تمامی شب کی خبر ہوئی دم صبح ایک سرخرو دوسرا
نو دیدہ سو حمام میں داخل ہوئے جو جو محرم راز شریک سوز و گداز تھیں انھوں نے رات کی باتیں پوچھیں
پتے رمز و کنایہ میں دیئے سب نے قہقہہ مارا جب دو بدو پنجیری اور شیشے میں تنبول آیا شرما کر سر جھکایا
غمزۂ و ناز سے انداز میں ہاتھ منہ دھو خاصہ نوش فرمایا جانعالم بادشاہ کے حضور میں آیا خلعت
فتح پایا امورات سلطنت بہ مشورۂ شاہزادہ ہونے لگے بعد رسم چوتھی چالے کے لبِ دریا
ایک باغ بہت پُرتکلف کا نشاط افزا نام بادشاہ نے رہنے کو عنایت کیا اگر اس باغ کی تعریف
رقم کروں شاخ زنبق و نرگس کی ٹہنی کو لاکھ بار قلم کروں الاّ خضر کی حیات رضواں کی ثبات درکار ہے
نہیں ناتمام رہے لکھنا بیکار ہے سو بہار خزاں جائے بہار آئے ایک پٹڑی کی روش صفا تحریر
نہ ہو سکے خامۂ مانی پھسل جائے رشک گلزار جناں ایک تختۂ فردوس سا کئی کوس کا باغ بے پایان
برگ و بار اسکے جور خزاں سے آزاد بالکل نہ بلبل پر ستم باغباں نہ خوف صیاد عجائب و غرائب جیسے
سنے نہ رنگ ڈھنگ کے ترانے یا دیکھے جتنے دنیا کے میوے ہیں تر و تازہ ہمیشہ تیار سرسبز پتے خوشرنگ پھول
پھل مزیدار گل تکلیف خار سے بری جہاں کی نعمت ہر تختہ میں بھری روش کی پٹڑیوں پہ مہندی
کی ٹٹیاں کتری ہوئی برابر چمن میں وہ درخت پھلے پھولے جسے دیکھ کر انسان کی عقل بھولے
پھولوں کی بوئے خوش سے دل و دماغ طاقت پائے جو پھل نظر سے گذرے بار خاطر نہ ہو ذائقہ
زبان پہ منہ میں پانی بھر آئے نہریں ہزار در ہزار پر از آبشار گرد نہر پرند خوبصورت قطعدار باغبانیاں
پری نژاد حور وش کمسن مہ لقا بیلچے جواہر نگار ہاتھوں میں ہر ایک آفت کی پرکالہ دلربا مہیا کنوئیں
بختہ چرخی سی کلابتو کی ڈول وہ کہ عقل دیکھ کر ڈانواں ڈول ہو جس پر نزاکت برسے

بیل کے بدلے نیل گائے کی جوڑیاں آہو جنگلے روبرو چکارۂ باغبانیاں سہ پارہ زربفت کے لہنگے قیمت کے مہنگے شبنم کے نفیس دوپٹے مغرق مصلح کی کرتی انگیا پاؤں میں طلائی چھڑے کان کی لو میں ہیرے کی بجلی برق دم سب کی آنکھ جس پر پڑے ڈول کو سنبھال بیٹا خیال گاتی کوئی شعر برجستہ یا ہندی کا دوہا اسمیں لاتی چھیڑ چھاڑ میں چٹکی لے کے اچھل جاتی ایسے باغ پُربہار میں جانعالم اور انجمن آرا ہاتھ میں ہاتھ پریوں کا اکھاڑا ساتھ دین و دنیا فراموش ہر دم نوشانوش باعیش و نشاط اوقات بسر کرنے لگا جہاں کا ساز و سامان ہر دم مہیا شراب و کباب چنگ و رباب کا جلسہ خدمت گذارین پری پیکر ماہ طلعت سب کام کو حاضر جیسے کنھیا شام عشرت سحر کرنے لگا نہ خیال اپنے شہر و دیار کا نہ خوف گردش روزگار کا نہ کچھ دھیان اُس جگر افگار کشتۂ انتظار ملکہ مہر نگار کا

پھر مذکور اُس مہجور کشتۂ فراق سوختہ آتش اشتیاق کا وہ کون خستہ و محزون جگر برشتہ دل خون ملکہ مہر نگار شہزادے کے آنے کی امیدوار اور حکایات ضرب المثل

کدہر ہے تو لے ساقی بے خبر ❊ نہ کی لطف سے غمزدوں پر نظر ❊ ہوا حال شادی کا سب اختتام ❊ مگر غم کا قصہ ہے وہ ناتمام ❊ تپش سے تڑپ سے تو کر دے بہم ❊ کہ لکھتا ہوں پھر داستان الم ❊ خوشی سے مجھے رنج مرغوب ہے ❊ یہ مونس ہی ہمدم بہت خوب ہے ❊ یہی ساتھ دیتا شب و روز ہے ❊ یہ غم عاشقوں کا غم اندوز ہے ❊ نالہ نوازان بزم ماتم و تفتہ جگران کلبۂ غم حاکیان حکایت اندوہ و ملال و نشاران دل خون آشفتہ حال لکھتے ہیں کہ اُس بے سر و سامان گشتۂ ہجران دور از دلدار و ہمقرین غم رو نادیدۂ شادی حجلہ نشین ماتم دلریش سینہ فگار یعنی ملکہ مہر نگار کا فرقت میں یہ حال ہوا استادہ یاں تک کہ اٹھانے کا وقت اپنے قریب آیا ❊ اسیر مرے بالیں پر تم اُٹھ کے نہ آ بیٹھے ❊ میں نام ترا لے لے دن رات جو چلاؤں ❊ اور سنتے ہوئے بہرے کیونکر اگل بیٹھے ❊ جو کوئی کہتا کہ خیر ہے ملکہ گھلی جاتی ہو کیوں اتنا رنج و غم اٹھاتی ہو تو یہ کہتی۔ مصحفی

ع غم کھاتی ہوں لیکن مری نیت نہیں بھرتی ❊ کہا غم ہے مرے کا کہ طبیعت نہیں بھرتی۔ مؤلف

ع نہ پوچھو کچھ مری حالت کہ اس دل کے لگانے سے ❊ پریشان سینہ سوزان منفعل سر در گریبان ہوں ❊

ایسی باتیں درد آمیز وحشت انگیز کرتی کہ سُننے والوں کی چھاتی پھٹتی وہ کہتیں بلکہ نظر بجدار کھو
حسن سے اُسے فضل کرتے نہیں لگتی بار :: نہ ہو اُس سے مایوس امیدوار :: شعر ـ پھر بہار آئی ہے
تجھ میں اے گلستان غم نہ کھا :: وہ چلی آتی ہے فوج عندلیباں غم نہ کھا :: گو کہ شب آخر ہوئی
اے شمع تو زاری نہ کر :: پھر وہی محفل وہی تیرا شبستاں غم نہ کھا :: وہ سنکر یہ کہتی کہ میں چراغ
سحری ہوں یقین ہے کہ تا صبح چلکر بزم جہاں سے سفری ہوں ـ خسرو ـ پس از انکہ من نمانم
بچہ کار خواہی آمد :: مؤلف ـ ہماری جان کے جانے میں جب عرصہ رہا تھوڑا :: تب اُس کے
دل میں آیا دھیان میرے پاس آنے کا :: آجتک اُس غفلت شعار فراموش کار کی کچھ خبر نہ آئی
ہم نے غم جدائی میں جان گنوائی ـ مؤلف ـ تپ جُدائی سے اسطرح اب نزار ہوں میں :: اجل کے
منھ سے بھی غالب ہے شرمسار ہوں میں :: کیا ہے رنج جدائی نے ایسا کاہیدہ :: نظر میں خلق
کی رشک خط غبار ہوں میں :: جو تو وہ گل ہے کہ عالم کے دل میں ہے تری جا :: تو سب کی
آنکھ میں کھٹکا کیا وہ خار ہوں میں :: قرار می بردار قلق آہ و زاری ما :: ستم دریغ میں کس کے
بیقرار ہوں میں :: یہ معمول تھا جب چار گھڑی دن رہتا سوار ہو کر ان درختوں میں جہاں
جانعالم سے ملاقات ہوئی تھی جاتی اور جو جو شریک رنج و راحت تھیں اُن سے مخاطب ہو کر
یہ کہتی ـ اہلی شیرازی ـ خوش آنکہ تو باز آئی و من پائے تو بوسم :: در سجدہ فتم خاک قدم ہائے
تو بوسم :: ہر جا کہ تو رونے بنشستے جائے گرفتی :: آنجا روم و گریہ کناں جائے تو بوسم :: روئے تو
تصور کنم و لالہ و گل را :: در حسرت رخسار دل آرائے تو بوسم :: ہر جا کہ غزالیست چوں مجنوں سر
چشمش :: در آرزوے نرگس شہلائے تو بوسم :: من اہلی درویش تو آں شاہ
نبانی :: دستیکہ بہو سم بتمنائے تو بوسم :: اور کبھی صبح سے پھرتے پھرتے قریب شام با دل ناکام
اسی جنگل میں پھر آتی یہ غزل زبان پر لاتی جرأت ـ بہ شکل پھر ہی گردش ہے ہم کو سارے دن
جو تم پھر آؤ تو پیارے پھریں ہمارے دن :: بہ وصل کیونکہ مبدل ہوں ہجر کے ایام :: مگر
خدا ہی یہ بگڑے ہوئے سنوارے دن :: رہے تھا جب کہ ہم آغوش مجھ سے وہ پیارا ::
عجب مزے کی تھیں راتیں عجب تھے پیارے دن :: نہیں ہے تیرے مریضان ہجر کا چارہ ::
اب اپنی زیست کے بھرتے ہیں یہ بچارے دن :: کب اُس سے ہوگی ملاقات میں یہ پوچھوں

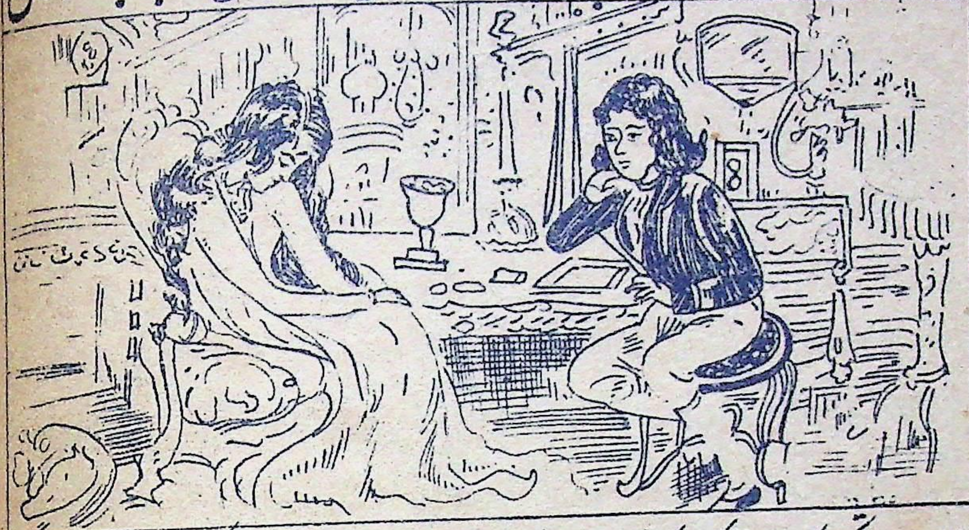
ہوں ؛ ذرا تو دیکھ نجومی مرے ستارے دن ؛ لگا یا روگ جوانی میں کیوں میاں جرأت ؛ ابھی تو کھیل تماشے کے تھے تمھارے دن ؛ رات کو بحال بیقرار وہ سوگوار ناچار گھبرا تی تمام شب کراہ کر سب کو جگاتی اور یہ سناتی ۔ اُستاد ؎ حرام نیند کی اقرار وصل جاناں نے ؛ الٰہی کوئی کسی کا امیدوار نہ ہو ؛ وہ رات جسے شب فرقت کہتے ہیں بے چینی سے پہاڑ ہو جاتی تو وہ غم کی ماری سخت گھبراتی یہ لب پر لاتی ۔ استاد ؎ جیسا شب عشرت کو فلک تونے گھٹایا ؛ کی جلد نہ فرقت کی ستمگر سحر ایسی ؛ ہے ہے آج نہ صدائے مرغ سحر آئی نہ مؤذن نے ندائے اللہ اکبر سنائی نہ خواب غفلت سے پاسباں کمبخت چونکا اور نیند کی جھونک میں گھڑیالی بھی گجر کا بجانا بھول گیا جرأت ؎ تھے شب وصل میں سب جان کے کھانے والے ؛ آج کیا مر گئے گھڑیال بجانے والے شب کو نالہ تھا دن کو زاری تھی دن رات اُس پر سخت بھاری تھی لوگ کہتے تھے ملکہ اللہ کو یاد کرو کبھی تو دل شاد کرو شافی مطلق تمھارے مرض مفارقت کو بصحت وصل بدل کرے اب روز وصال عنایت ذوالجلال سے قریب ہے تو اُس وقت بہ حسرت یہ کہتی ۔ مؤلف ؎ شب وصال جو قسمت میں ہے تو ہووے گی ؛ دعا کرو شب فرقت تو یہ سحر ہووے ؛ مریض ہجر کو صحت سے اب تو کام نہیں ؛ اگرچہ صبح کو یہ بچ گیا تو شام نہیں ؛ رکھو و یا نہ رکھو مرہم اُسپہ ہم سمجھے ؛ ہمارے زخم جُدائی کو التیام نہیں ؛ کیا جو وعدۂ وصل اُسنے دن پہاڑ ہوا ؛ یہ دیکھیو مری شامت کہ ہوتی شام نہیں ؛ وہی اٹھائے مجھے جس نے مجھ کو قتل کیا ؛ کہ بہتر اس سے مرے خوں کا انتقام نہیں ؛ اٹھایا داغ گل افسوس تم نے دل پہ سرور ؛ میں تم سے کہتا تھا گلشن کو کچھ قیام نہیں ؛ استاد ؎ آخر شب وصال کی جا پیش کی وہی ؛ ہر دن تھا اے فلک مجھے جس رات کا خیال ؛ معاملات عشق دیکھئے وہاں شہزادے کو غم سے فراغ کیفیت باغ گلعذار بغل میں راحت و آرام یہاں ملکہ آتش فراق سے بادل پرداغ خار غم جگر میں گرفتار رنج و آلام لیکن درد دل بیقرار نالہ جگر افگار رائیگاں نہیں جاتا جب تڑپ بلبل کے دل میں زیادہ ہوتی ہے موسم گل آتا ہے اسی طرح سوز دل عاشق جو حد سے فزوں ہو معشوق رحم کھاتا ہے بھولا ہوا یاد آئے دگرنہ ہجر میں پھڑک کر مرجائے مطلوب کو نعش پر لاکر کے اسکی بھی جان گنواتا ہے حضرت عشق دشمن جان عاشق و معشوق ہیں اُنکے حال کیا کہیں چنانچہ یہ نقل ضرب المثل ہے اور حقیقت

یہ اصل ہے بغور سنکر تامل کرو

نقل سوداگر کی بیٹی کی انگریز کا آنا فریفتہ ہو جانا آخر میں جان دینا دونوں کا

کلکتہ میں ایک سوداگر تھا عالیشان متاع ہر دیار تحفہ بجوار جوار دوکانیں فراواں اس کی بیٹی تھی حسین مہر طلعت ماہ جبیں سیمیں تن کافر فرنگ غارت گر لندن غرضکہ اور تو اسباب سب طرح کا دوکان میں تھا مگر گھر میں وہ زور رقم طرفہ تو ام تھی فرنگ سے ہند تک اس کے حسن کا چرچا تھا روم سے شام تک اور بمبئی سے سورت تک اسکی صورت کی دھوم تھی۔ اُستاد ؎ ہے رخنہ ساز ایمان وہ زادۂ فرنگی ؛ اسلام اب کہاں ہے عارضی فرامش ہے ؛ ہزاروں انگریز بریز بریز کرتے اسپر شیفتہ اور بیتاب تھے لاکھوں مسلمان سرگرداں خستہ وخراب تھے جب ہوا کھانیکو سوار ہو کر آتی تھی دو رویہ خلقت کی جان اسکی ہوا خواہی میں برباد جاتی تھی گبر و ترسا اس کا کلمہ پڑہتے تھے یہود و نصاریٰ اُس کا دم بھرتے تھے مسلمان دل وجان نذر کرتے تھے مؤلف ؎ اس لعبت فرنگ کو دکھلاکے قاش دل کہتا ہوں چکھو یہ دل بریاں کا توس ہے ؛ اتفاق زمانہ کوئی انگریز لندن سے تازہ وارد ہوا جلیل القدر ذیشان خوبصورت نوجوان سوز عشق سودا خیز سر میں سوز دل مزاج بے شر بے قراری آب و گل میں تیر سے تھا طرحدار آپ بھی لیکن ؛ رہ نہ سکتا تھا اچھی صورت بن ؛ قضارا وہ آفت کا مارا کچھ اسباب لینے اسکی کوٹھی میں آیا اور اس غارت گر دین و ایمان ہر گبر و مسلمان سے دوچار ہوا عشق گلے کا ہار ہوا دیکھتے ہی متاع عقل اساس ہوش وحواس گرہ سے کھو بیٹھا دل سے ہاتھ دھو جان کو رو بیٹھا اسباب خریدنے گیا تھا سودا مول لیا اس نے مشتری سمجھ میزان محبت میں تول لیا ہاتھ پاؤں نے مست دل نے ہمت ہاری دن دہاڑے لٹ گیا عشق کا بیوپاری جب اور کچھ تدبیر بن نہ آئی خرید فروخت کے حیلے میں آمد و رفت بڑھائی پھر تو یہ حال ہوا۔ جرأت ؎ دن میں سو سو بار اب ہم اُنکے گھر جانے لگے ؛ منھ چھپانے وہ لگے ہم انپہ مرجانے لگے ؛ سلف سے عشق آج تک چھپا نہیں مشہور ہے اس مقدمہ میں انسان مجبور ہے تیر عشق بے پردہ جب فسانہ ہوا مضطرب کتخدائے خانہ ہوا ؛ جب یہ امر مفصل سوداگر کے گوش زد ہوا بپاس نام و نشان خوف ذلت و رسوائی از حد ہوا پہلے دونوں کو نصیحت و پند کیا پھر سلسلۂ آمد و رفت قطع کیا دیکھا بھالی کا رخنہ بند کیا ادہر شعلۂ عشق نے بھڑک کر صاحب کو سلامت نہ رکھا تاب و

تصویر دختر سوداگر اور عاشق ہونا پسر انگریز کا اس پہ مع اسباب دکان



توان صبر و تحمل کو ہیزم خشک کی طرح جلا صبر کا قافلہ لوٹ لیا بستر سے بستر خاک پر گرایا ؎ درد کا گھر
ہوا دلِ بیمار ؎ خاطر افگار خار خار ہوئی ؎ جان تمنا کش نگار ہوئی ؎ دل نہ سمجھا اور اضطراب کیا ؎
شوق نے کام کو خراب کیا ؎ رفتہ رفتہ شرر ہوئے نالے ؎ لگے اُڑنے جگر کے پرکالے ؎
یہاں تک تب مہاجرت اور درد مفارقت سے حال درہم برہم ہوا کہ صاحب بہادر شکست
فاش اٹھا کر صاحب فراش ہوئے دل و جگر سینہ میں پاش پاش ہوئے حس و حرکت کی
طاقت نہ رہی سینے کے دینے پڑ گئے۔ اُستاد ؎ مرض یہ پھیل پڑا ہے تپ جُدائی سے ؎ کہ پیٹھ
لگ گئی یاروں کی چارپائی سے ؎ جو جو اسکے دوست دلی محبت قلبی تھے نصیحت و پند وقید
بند کرنے لگے عورتوں کی بے وفائی بتوں کی سنگدلی معشوقوں کی کج ادائی بہت مشرح سمجھائی
سودمند نہ ہوئی خاطر میں نہ آئی ایک دوست دار اس کا غمخوار تھا کہنے لگا کیوں جویائے مرگ
ہوا ہے ظالم کیا کرتا ہے اس کا انجام ذلت ہے حاصل اس کا خفت ہے یہ خیال محال
اپنے دل سے نکال زورق زندگانی سفینۂ نوجوانی دانستہ ورطۂ ہلاکت میں نہ ڈال اپنے
کس و کو پر نظر کر للہ دل خود رفتہ کو سنبھال تو نے پسر مجسٹن کی حکایت نہیں سنی کہ اُس پر
کیا گذری آخر کار کیسی خفت ہوئی اُس نے کہا کیونکر

حکایت پسر مجسٹن بیٹے کا پیدا ہونا سفر کی کیفیت جہاز کی تباہی

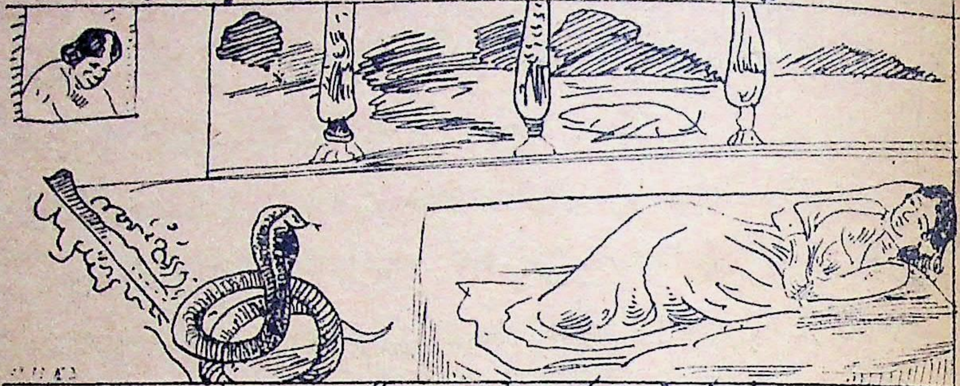
شہزادی کا ملنا پھر مفارقت مجسٹن کا ساتھ جانا

وہ بولا اسی شہر میں ایک شخص تھا مجسٹن نام نہایت اہل دول مرفہ حال صاحب علم وفضل جامع ہر کمال طبیعت رسا اور ادیب بے بدل سخن سنج لطیفہ گو برمحل کمالات میں یگانۂ روزگار تجارت میں نامور ہر دیار سو سو جہاز ایک بار تجارت کو جاتا تھا نصیب ایسا تھا مٹی چھوتا سونا ہاتھ آتا تھا کسی طرح کا خواہش مند بجز فرزند ارجمند نہ تھا شب و روز اسی کا خیال تھا مدام فرحت میں ملال تھا خوش قسمتوں کی دعا جلد قبول ہوتی ہے تمنائے دل حصول ہوتی ہے پچھتر برس کے سن میں اللہ نے بیٹا عنایت کیا حسب دلخواہ صورت میں غیرت ماہ بہت شاداں سرگرم پرورش تھا جب بارہ برس کا ہوا بسبب طبع رسا و تعلیم استادان باذکا جمیع علوم و فنون میں کامل ہوا درس دینے لگا مطلب کرنے لگا چودھویں سال باپ سے سفر کی اجازت چاہی کہ تجارت میں کوئی دقیقہ باقی نہ رہ جائے مجسٹن نے کہا اپنا بھی یہی قصد تھا مگر چندے توقف شرط ہے اس نے عرض کی کہ حضور عمر طبعی کو پہونچے مسن ہیں فدوی کے سیاحت کے دن ہیں چاہتا ہوں آپ کے بقید حیات سفر کو جاؤں جودت طبع دکھاؤں آخر مجسٹن نے دس بارہ جہاز پراز متاع و مال پندرہ بیس رفیق قدیم دیانت دار امانت شعار ہمراہ کر رخصت کیا جہاز ایک سمت روانہ ہوئے دو مہینہ کے بعد ہوائے جور گردوں سے جہاز تباہ ہو گئے مجسٹن کے بیٹے کا بھی جہاز ڈوبا یاران ہمراہی عالم بقا کو راہی ہوئے یہ ایک تختہ پر ڈوبتا اچھلتا بہہ چلا حیات مستعار باقی تھی ساتویں دن تختہ کنارے پر لگا اس کو غش سے جو افاقہ ہوا تختے سے اترا اور گھاس کی رسی بنا وہ تختہ پتھر سے اٹکا دیا پھر آپ بتلاش آب و دانہ روانہ ہوا چند قدم بڑھا تھا کہ شہر نمودار ہوا آہستہ آہستہ بیٹھتا اٹھتا شہر میں داخل ہوا وہاں عجیب سانحہ طرفہ ماجرا نظر آیا دوکان ہر ایک کھلی اشرفی روپیہ کا ڈھیر اسباب سب طرح کا موجود مگر آدمی کا پتہ مفقود اس قرینہ سے معلوم ہوا کہ عرصہ سے یہ بازار جنس بشر سے خالی ہے شہر کا وارث ہے نہ والی ہے پھرتا پھرتا قلعہ میں آیا دیکھا باغ سرسبز پرمیوہ بیچ میں بنگلہ زربفت کے نفیس پردے پڑے پردہ اٹھا بنگلے میں آیا پلنگ جواہر نگار گسترده اس پر کوئی بہ شکل مردہ دوپٹہ تانے نہ کوئی پائینتی نہ سرہانے پڑا ہے اس نے دوپٹہ سرکایا عورت نے چونک کر سر اٹھایا

اسکی صورت دیکھ کر کہا کہ اے عزیز اپنی جوانی پر رحم کر یہ مکان نہیں سیل فنا ہے تو نا آشنا ہے اسے
درگذر و گرنہ آفت کا بتلا ہوگا خدا جانے ایکدم میں کیا ہوگا اس نے کہا کہ ایسا ماجرا کیا ہے بیان
تو کر عورت نے کہا تو اپنے پہلے آنے کا حال سُنا کیونکر آپھنسا اُس نے کہا سات دن سے بھوکا
پیاسا ہوں جو کچھ کھاؤں داستان پریشاں سناؤں عورت بولی مدت کے بعد کھانے کا نام تیرے منھ
سے سنا ہے سو کھانا یہاں کہاں بجز غم کھانے اور پانی سوا اشک بہانے کے آنسو پینے کا نام ہے
اس سے خیر پیتی ہوں اور کھانے کی قسم سے قسم تک نہیں کھاتی متحیر ہوں کیونکر جیتی ہوں گر
تنہائی میں یہاں خوف کھا کے روز دن بھرتی ہوں ہر شب کہ شب اوّلیں گور ہے جان کنی
رہتی ہے سخت جانی کی بدولت نہیں مرتی ہوں. جرأت ؎ یہ غلط کہتے ہیں بے آب و خورش
جیتے ہیں :: سخت دل کھاتے ہیں اور خون جگر پیتے ہیں :: تو اس باغ میں جا اور جس میوے پر
رغبت ہو کھا مجسٹن کے بیٹے نے جا کے میوہ کھایا نہر سے پانی پیا گو نہ رنج فاقہ کشی سے اماں
ہوا پھر عورت کے پاس آکے حسب نسب پتا اور باعث سفر اور جہاز کی تباہی مفصل سرگذشت
سنائی پھر اس کا ماجرا پوچھا وہ بولی اے شخص اس شہر بے چراغ کی میں شہزادی ہوں باپ میرا
والی ملک تھا مجھ کو سوائے سیر و شکار کے کسی امر سے سروکار نہ تھا ایک روز لب دریا
مصروف تماشہ بیٹھی تھی دفعتہً ایک سانپ نمودار ہوا اور میری طرف بڑھا میں نے تیر مارا معلوم نہیں
لگا یا خطا کر گیا پھر جو دیکھا تو اژدہائے مہیب بشکل عجیب جھپٹا آتا ہے میں تو گھوڑے پر چڑھ کر
بھاگی جو جو ہمراہ رکاب تھے وہ طعمۂ دہن مار خونخوار ہوئے کہاں تک بیان کروں ساکنان شہر
مع بادشاہ انسان سے تا حیوان کوئی نہ بچا فقط میں سخت جان باقی ہوں اور یہ صحبت ہے کہ
قریب شام وہ مار خون آشام آکر اس بنگلے کے نیچے بیٹھتا ہے دو گھڑی بعد غائب ہو جاتا ہے
مجھ پر جب بھوک پیاس کا غلبہ ہوتا ہے اسی باغ میں میوہ کھا پانی پیتی ہوں اس خرابی سے جیتی
ہوں کوئی غمخوار بجز ذات پروردگار نہ تھا آج تجھے دیکھا خوف خدا آیا مطلع کر دیا پسر مجسٹن
نے کہا خاطر پریشان جمع رکھ اگر فضل الٰہی شریک حال ہے تو اس آفت سے جلد نجات ہو جائیگی
یہ کہہ کر جہاں سانپ کے بیٹھنے کا نشان تھا وہاں گڈھا کھود کر قلعے سے بارود لا کر اس میں بچھائی
اور دور تک نقب سی بنائی پھر گھاس ہری اوپر جمائی شہزادی نے کہا وہ آتا ہی ہوگا یہ سنکر نقب جا

پوشیدہ ہو کر بیٹھ رہا کہ دفعتہً وہ افعی پُر زہر خدا کا قہر آیا اور اپنی جگہ پر اُس سبز قدم نے فرش

تصویر مجسٹن کے بیٹے کی مع عورت و مکان نقب و سانپ



زمردین پایا بہت خوش ہو کر بیٹھا یہ تو تاک میں تھا پتھر سے آگ نکال اس نقب میں ڈالدی فوراً
ایک دھما کا پیدا ہوا وہ ٹکڑا زمین کا مع سانپ آسمان پر پہونچا دونوں نے شکر کا سجدہ
بدرگاہ دافع البلیات کیا باہم بے اندیشہ و غم رہنے لگے سات برس تک دونوں ساتھ رہے
اس عرصہ میں دو لڑکے بھی پیدا ہوئے ایک دن رنج تنہائی کی شہزادی نے شکایت کی کہ اکیلے
طبیعت نہیں لگتی۔ صائب ؎ بہار عمر ملاقات دوستداران است ؛ چہ خط بر د خضر از عمر جاودان
تنہا ؛ کوئی ترکیب ایسی نکالو کہ پھر یہ شہر آباد ہو خاطر غمگین شاد ہو وہ بولا کہ اگر وطن جاؤں نہ
مجسٹن کو یہاں لاؤں تو یہ بستی بسے عورت نے کہا اکیلی میں کیونکر بسر کروں گی میں بھی ساتھ
چلونگی آخرش ایک ایک لڑکا دونوں گود میں لیکر چل نکلے قضارا وہاں پہونچے جہاں تختہ
بندھا تھا ذہن میں آیا اسی پر سوار ہو کھولدو کہیں تو جا نکلو گے یہ سوچ کر دونوں سوار
ہوے وہ تختہ کھولنے لگا شہزادی بولی مال و اسباب تو اسقدر ہے کہ بیان قاصر ہے مگر
ایک ناریل اکسیر سے بھرا ہے دولت لا انتہا ہے جو تو اجازت دے تو اُسے لے آؤں۔ مصرعہ
بدر زد طمع دیدۂ ہوشمند ؛ مجسٹن کے بیٹے نے کہا اچھا وہ تختہ کچھ کھلا بندھا یونہی رہا شہزادی
لڑکا لیئے اتری اُسکے اُترتے ہی ایسی تند ہوا چلی کہ رسی تکان سے ٹوٹ گئی تختہ بہہ چلا
ہر چند اس نے ہاتھ پاؤں مارے وہ ساحل مطلب سے کنارے ہوا کنارے پر شہزادی بحال خراب
دریا میں وہ با دلِ کباب بہہ نکلا دل سے کہتا تھا دیکھیے مرضی ناخدا ہے کشتی بادبان شکستہ

کیا ہے پھر جھونکا ہوائے قوم عاد کا ہے اس سوچ میں تھا کہ ایک جہاز نمودار ہوا اہل جہاز نے دیکھا
تختے پر کوئی جوان گود میں لڑکا نادان لئے بہا جاتا ہے رحم کھا پنسوئی کو دوڑا جہاز پر لیا
اتفاق زمانہ مالک جہاز مجسٹن کا دوست دمساز تھا اس کو پہچانا بہت تعظیم و تکریم سے
پیش آیا برس روز میں جہاز کلکتہ میں داخل ہوا جہاز کا حاکم مجسٹن کی ملاقات کو آیا بچھڑے بیٹے
کو باپ سے ملایا یہاں جس دن سے جہاز کی تباہی مجسٹن نے سن پائی تھی غریق لجۂ غم تھا بارے
بیٹے کو دیکھکر سجدہ بدرگاہ باری کیا پوتا گھاتے میں ملا اور کلمات شکریہ اس سے کرنے لگا اس نے
کہا بندہ پرور خیر ہے دنیا اسی کا نام ہے جس کا کام جس سے نکلے وہ فخر و سعادت سمجھے بعد چند
روز مجسٹن نے بیٹے سے روئداد سفر پوچھی اس نے ابتدا سے انتہا تک سرگذشت سب بیان کی
یہ سنکر سمجھا مشکل پیچ پڑا مگر سہل سا یہ جواب دیا بخیر باد و قع خیریت اسی میں تھی جو ہوا مصرعہ۔ برسر فرزند
آدم ہرچہ آید بگذرد ؂ بیٹے نے کہا مناسب یہ ہے کہ اب جلد چلئے ایسا ملک مالا مال یہ دولت
لازوال ہاتھ سے نہ دیجئے مجسٹن نے کہا خیر ہے یہ بھی ایک فسانہ تھا جو میں نے سنا وہ خواب
تھا جو تو نے دیکھا۔ لاعلم ہے ایام وصال و صحبت سیم تناں ؂ در عالم خواب احتلامے شد و رفت ؂
اُسنے کہا آپ سا عقلمند ایسا کلمہ فرمائے تو نہایت بعید ہے دنیا میں تین معرکے ہیں زر و زمین
زن یہ سب سامان جمع ہیں اگر آپ نہ جائیں گے فدوی تنہا جائے گا مجسٹن نے کہا افسوس ہم
تجھے دانا جانتے تھے الا ہماری نادانی تھی حمق کی مقتضی تمہاری جوانی تھی اے بھائی کوئی
نادان سے نادان عورت کی بات کا دھیان نہیں کرتا یہ باتیں جب تک تھیں جو تم اور وہ
باہم تھے وہ مونس تھی تم ہمدم تھے اب خیریت ہے۔ سعدی ؎ زن دوست بود ولے زمانے ؂
تا جز تو نیافت مہربانے ؂ چوں در بر دیگرے نشنید ؂ خواہد کہ ترا دگر نہ بیند ؂ مصرع ؎ اسپ و زن
شمشیر وفادار کہ دید ؂ ہر چند اُس نے مغز خالی کیا یہ مقدمہ اُسپر جالی کیا وہ بے مغز نہ سمجھا
مصحفی ؎ مصحفی سود نصیحت کا نہیں عاشق کو ؂ میں نہ سمجھوں تو بھلا کیا کوئی سمجھائے مجھے ؂
ناچار مجسٹن نے کہا تم جب تک نے لت نہ اٹھاؤگے اور ہمیں خراب نہ کروگے اس حرکت بیجا سے
باز نہ آؤگے نہ چین لوگے اُسی دن سامان سفر درست کیا بہت سے جہاز مع اسباب اور
چند مشیر خوش تدبیر ہمراہ لے روانہ ہوا چند روز میں وہ جزیرہ ملا جہازوں کا لنگر ہوا مجسٹن کا بیٹا اترا

مگر جہاں ویرانہ بوم و غول کا آشیانہ تھا وہاں بستی دیکھی اور جس جگہ بیہڑ تھا اُسے ہموار پایا بلندی نظر آئی۔ نہ پستی دیکھی آدمی ہر سمت سرگرم کار و شہر پناہ تیار اسے تعجب ہوا سمجھا کہیں بھول گیا کسی سے پوچھا اس شہر کا نام کیا ہے والی ملک کون سا ہے وہ بولا مدت سے یہ ملک بہ سبب آفت آسمانی اُجاڑ ہو گیا تھا رعایا برایا بلکہ بادشاہ بھی نہ بچا تھا فقط بادشاہ کی بیٹی باقی تھی اب برس دن سے اُس نے شوہر کیا ہے شہر از سر نو آباد ہوا نیا طرز ایجاد ہوا یہاں مفسد ہے نہ ڈنڈی ہے نام اس کا شہزادی منڈی ہے مجسٹن نے یہ ماجرا سنکر بیٹے سے کہا خوش بہت ہوئے ہو گے لو سید ہے پھر چلو اُس نے کہا اتنی صعوبت سفر کی اُٹھائی اسکی صورت بھی نظر نہ آئی دو باتیں کر لوں تو پھر چلوں مجسٹن نے کہا مصیبت کچھ نہ تھی جو بات کرنے میں ایذا اٹھے گی وہ کب مانتا تھا انھیں لوگوں سے پھر پوچھا شہزادی کبھی سوار بھی ہوتی ہے وہ بولے روز غرضکہ سواری کا وقت دریافت کر لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر سر راہ کھڑا ہوا کہ شہزادی شب دیز کو مہمیز کرتی آپہونچی یہ پکارا ہم نے ایفائے وعدہ کیا حاضر ہوئے اور لڑکا بھی فضل الٰہی سے سلامت موجود ہے کیا ارشاد ہوتا ہے اُس نے بیگانہ وار جیسے کسی اجنبی کو کوئی دیکھتا ہے ملاحظہ کیا مگر جواب کچھ نہ دیا چلی گئی یہ خفیف گھر پھرا مجسٹن نے حال پوچھا بولا ملاقات نہ ہوئی کل پھر جاؤں گا اُس نے کہا صبح کا جانا روز ظالم شام غم دکھائیگا بہت پچھتاے گا اُس نے دوسرے روز بیٹے کو سکھایا کہ جب سواری قریب آئے گھوڑے سے لپٹ جانا اور یہ زبان پر لانا کہ دنیا کا لہو سفید ہو گیا مہر مادری سے محبت پدری میں لطف زیادہ پایا کہ ہمیں ساتھ یہ آرام تمام لیئے پھرتا ہے تم بات بھی نہیں کرتی ہو بلکہ پہچانتی نہیں جب سواری قریب آئی یہ تو بہت جلا بھنا اور سمجھ چکا تھا کہ کھیل تو بگڑ گیا کہا شہزادی باگ کو روکو وہ خود تو رکی تھی باگ بھی رُک گئی پسر مجسٹن بولا۔ مؤلف

یاد ایام کہ نفرت تھی زمانے سے تجھے
مگر تھا یاد خبر تھی نہ ہلانے سے تجھے
کبھی چوٹی کی خبر تھی نہ تھا کنگھی کا خیال
مجھکو افسوس یہ آتا ہے کہ گذرا نہیں سال
تجھی لگا دہی سب تجھے یاد نہ غلط سب سے

ہوتی وحشت تھی بہت غیر کے آئینے سے تجھے
بیدھڑک غیر سے باتوں کا کبھی طور نہ تھا
یاد رہا الجھے ہی رہتے تھے ترے سر کے بال
ایسی کیا بات ترے دل میں سمائی ظالم
گرمجوشی کا بھلا کب تھا یہ یکا سب سے

خوف آتا تھا نہیں آئینے جانیسے تجھے
ہمیں ہم تھے تری صحبت میں کوئی اور نہ تھا
پان کے لاکھے سے ورسی سے ہوتا تھا ملال
دفعتاً سب وہ رہ و رسم بھلائی ظالم
بیٹھنا کونے میں ہر دم تجھے تنہا سب

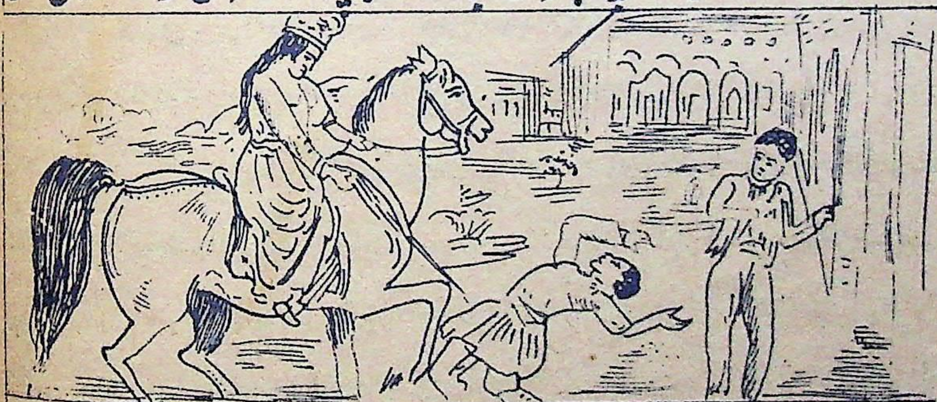
تجھ کو لگ چلتے کبھی ہم نے نہ دیکھا سب سے
شکر صد شکر ہوئی جلد رہائی تجھ سے
نہ ملیں پر جو کہے ساری خدائی تجھ سے
اب قسم کھاتا ہوں لو دل نہ لگاؤنگا کبھی
ربط تو کیا ہے نہیں پاس بٹھاؤنگا کبھی
بر زباں یار رہنگے یہ ذکر رہیگا بر بار
سر ٹپک مر گئے سب پہ نہ ملا وہ زنہار

اب تو ٹھٹی ہیں گیا چھید غضب تو نے کیا
اب تو تا حشر کدر ہے صفائی تجھ سے
بخدا اٹھنے سے ہم ہاتھ ترے دھو بیٹھے
ذلت و رنج نہ اس طرح اٹھاؤنگا کبھی
موسم اب دل کے لگانے ہی کا جاتا رہا
گو کہ عاشق تھا مگر تھا یہ بڑا غیرت دار
کرے معشوق کسی سے تو دغا ایسی کرے

کھل گیا سب ترا بھید غضب تو نے کیا
وضع اپنی نہیں کیا کیجیے دو برائی تجھ سے
خوش رہو تم کہ تمھیں کھل کے دل رو بیٹھے
گر طرحدار بھی اس دہر میں پاؤنگا کبھی
ربط کیا خاک کریں ہم وہ زمانہ نہ رہا
دیکھ بد وضع کیا دیکھئے ایسا انکار
بیچ کرے بات کی عاشق تو بھلا ایسی کرے

یہ سنکر وہ شرمندہ ہوئی پھر لڑکا گھوڑے سے لپٹ گیا بیچارہ نادان باتوں کا سود و زیان کچھ نہ سمجھا جو کچھ کہ باپ نے سکھایا تھا کہنے لگا جب کہہ چکا شہزادی نے تپنچہ قربوس سے کھینچ کر لڑکے پر جھونک دیا وہ دھم

تصویر شہزادی بہ سواری اسپ و پسر مجسٹن معہ خود و تپنچہ مارنا شہزادی کا لڑکے کو اور اسکی لاش



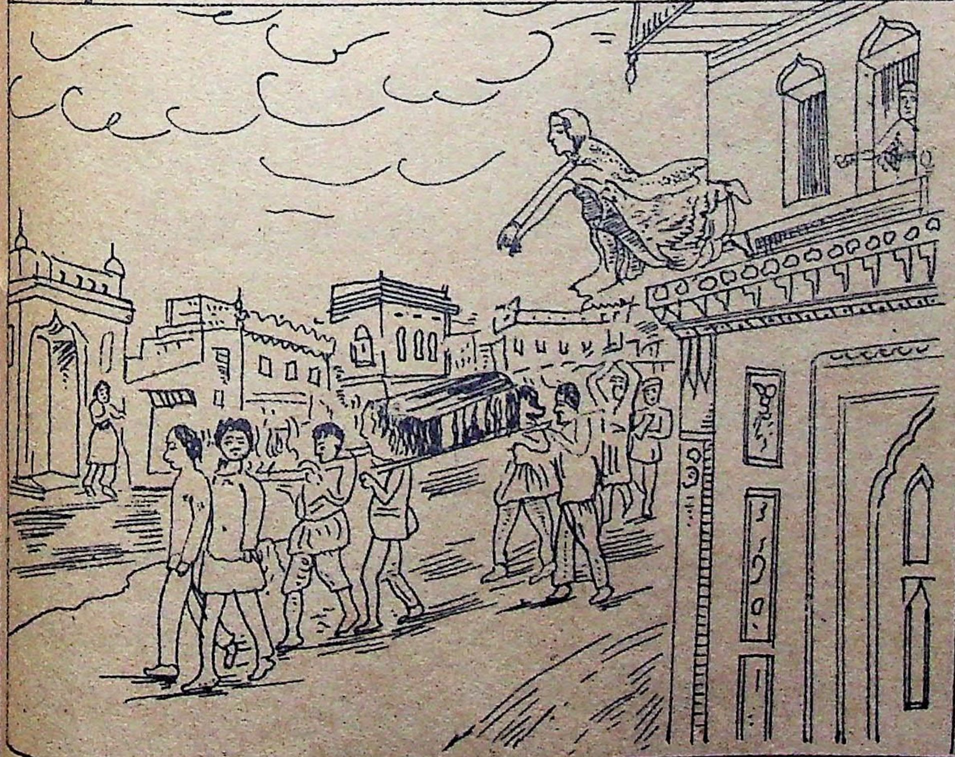
سے گر پڑا دایہ جس نے کنار عاطفت میں بٹھا لیا اہل قبور سے ملا دیا پھر باگ اٹھا چل نکلی مجسٹن کے بیٹے نے بہت خاک اڑائی بیٹے کی لاش باپ کو دکھائی اُس نے کہا کیوں جو ہم نے کہا تھا وہی آگے آیا وہ بد نصیب بولا صبح اختتام ہے جو ہونا ہے ہو جائے گا مجسٹن نے کہا تو اپنا بھی حال ایسا ہی بنائے گا دم سحر جب وہ چلا مجسٹن کا جی نہ رہ سکا ساتھ ہوا جس دم شہزادی کی سواری پاس آئی باگ پکڑی ہنوز زبان نہ ہلائی تھی شہزادی نے کہا اے مجسٹن ہم نے سنا تھا کہ تو مرد جہان دیدہ و سرد و گرم روزگار چشیدہ تجربہ رسیدہ ہے مگر افسوس بایں ریش فش تو نے سنا نہیں۔ لا اعلم

ع ز حادثات جہاں بس ہمیں پسند آمد ٭ کہ خوب و زشت و بد و نیک رگذر دیدم ٭ اس پیرانہ سالی میں

تجھ پر ہزار سانحے گذرے ہونگے کچھ الم و رنج کا مزا یا فرحت و خوشی کا نشہ باقی ہے اے نادان دنیا
میں کس بات کو یاد کیجیے کس کا غم کس سے خاطر شاد کیجیے اگر عقل رسا یا کچھ فہم و ذکا ہو تو دنیا
میں کافی ہے یہ بات گذشتہ را صلوات مصحفی ؎ اے مصحفی میں روؤں کیا پچھلی صحبتوں کو ؛ بن بنکے
کھیل ایسے لاکھوں بگڑ گئے ہیں ؛ یہ کہہ کر گھوڑا اپنچکارا کہ پھر سلسلہ جنبانی اس امر بے معنی کی سوء ادب
حضرت جان جاناں محسن نے بیٹے کو سلام کیا اور نہ کچھ کلام کیا وہ بھی نطفہ ضعیف کا پیدا
ہوا بوڑھے باپ کا بیٹا تھا محبوب وطن پھرا جیتے جی باپ سے آنکھ چار نہ کی پھر اس انگریز نے
کہا مطلب اس حکایت سے یہ ہے کہ آدمی وہ بات نہ کرے جس کا حصول ذلت و خفت ہو کہو اب
کیا کہتے ہو یہ سنکر وہ فرہاد بے ستون عشق شیریں زبانی سے کہنے لگا بقول استاد ؎ کب تک
جیوں گا میں موت اک دن آنی ہے ؛ ہجر میں جو آجاوے عین مہربانی ہے ؛ سب جلسہ سر ٹیک کر
اُٹھ کھڑا ہوا کہا جب یہ جان گنوائے گا تب جھگڑا جائے گا آخر کار جب اس کا حال ردی ہوا
دوستوں کو چٹھیاں لکھ کر جمع کیا کہا کل اس مقام سے ہمارا کوچ ہے اگر ہماری وصیت بجالاؤگے
دنیا میں تا حشر کو بخیر انجام ہوگا سب نے قبول کیا اس نے کہا بعد انتقال روح ہمارا جنازہ تکلف
کا بنا کر بجرے کی چھت پر صندوق میں نعش دھر باجے بجاتے ہمارے معشوق کی کوٹھی جو لب دریا ہے
اسکے نیچے سے لے جانا اور دل میں یہ تھا استاد ؎ ساتھ وہ میرے جنازے کے لحد تک آئے ؛
اے اجل تیرا قدم مجھ کو مبارک ہووے ؛ غرضکہ رات کو اُس مریض فرقت کا ہجر میں وصال ہوا
اس جہاں سے انتقال ہوا گویا ؎ مرنے کو بھی لوگ کہتے ہیں وصال ؛ یہ اگر سچ ہے تو مر جاتے ہیں ہم ؛
مؤلف ؎ مر کے حاصل کیا فرقت ہی تو نام وصال ؛ جان دی ہم نے مٹایا خلش ہجراں کا ؛
صبح کو یہ خبر عام ہوئی کہ سوداگر بچے کے عاشق محروم ناکام کا کام تمام ہوا مر گیا شدہ شدہ سوداگر
کو اور اُس ماہ پیکر کو یہ حال معلوم ہوا اگرچہ جذب محبت سے حال تغیر ہوا مگر ضبط سے کام لیا
دل بیقرار کو تھام لیا انگریز جمع ہو بصد پریشانی وصیت بجالائے جنازہ درست کر بجرے کی چھت
پر دھر لیا لباس سب نے سیاہ کیا بلند نالہ و آہ کیا سرننگے غل مچاتے باجے بجاتے عجب سانحہ
تھا ہزارہا زن و مرد کنارے کنارے گریاں چلے آتے تھے جس نے صندوق کی طرف دیکھا
فریاد مچاتا تھا اسی دن سے دریا دریا اشک بحر کی چشم سے رواں ہے مثل سیماب بیقرارانہ دواں ہے

اور جسے احباب حباب کہتے ہیں بہ فرط قلق سے ہر محیط کی چھاتی میں پھپھولا پڑتا ہے پھوٹتا ہے موجوں سے تلاطم نہیں چھوٹتا ہے ماہیان دریا کا خنجر الم سے حنجرہ یعنی گلا زخم دار ہے سنان غم سینہ کے پار ہے ساکنان دریا کو بسکہ شمشیر عشق کا خوف و خطر ہے اس ڈر سے سنگ پشت کی پیٹھ پر سپر ہے خلاصہ یہ کہ اسکی صورت سے جنازہ اسکی کوٹھی تلے آیا اور صندوق سے اُس زندہ جاوید نے یہ آواز بلند سنایا استاد ؎ اے فلک آخری پھیرا ہے نہ ہو تجھ سے گراور ۔ اُس کے کوچے میں جنازہ مرا سنگین تو ہو ۔ اسی وقت وہ مہ پارا کشش دل اور تپش متصل سے مطلع ہو دیوانہ وار کوٹھے پر چڑھی اور بیتابانہ پوچھا کہ یہ لاش دلخراش کس جگر پاش پاش کی ہے کہ حاجبان بارگاہ عشق سے صدائے دورباش دورباش کی ہے وہ بولے کہ یہ کشتہ تمہارا ہے رنج مفارقت نے آپ کے اسے بے اجل مارا ہے افسوس کہ اس بیکس نے جان دی اور تم کو مطلق خبر نہ ہوئی اور کسی شخص نے عمداً اسے سنا کر یہ شعر پڑھا جراُت مکر جانے کا قاتل نے نرالا ڈھب نکالا ہے ۔ سبھوں سے پوچھتا ہے کس نے اس کو مار ڈالا ہے ۔ یہ سنتے ہی وہ نعرہ جانسوز آہ دلدوز سینۂ بریان سے کھینچکر کوٹھے

تصویر جنازہ مع صندوق زیر مکان معشوق لانا اور معشوق کا اُس پر گرنا



عشق کا نشانہ دیکھیے صندوق نعش پر گر ٹکڑے ٹکڑے مثل جگر عاشق زار ہو خواب مرگ میں سو بخت خفتہ عاشق جگایا کشش محبت نے بچھڑوں کو اس طرح ملایا دیکھنے والے تھرّا گئے دلگدازوں کو غش آ گئے شہر میں یہ چرچا گھر گھر ہوا منزلوں یہ اخبار مشتہر ہوا اسکے ماں باپ نے بہت سی خاک سر پر اڑا دونوں کو پیوند زمیں کیا اس عشق فتنہ انگیز نے کیا کیا نہیں کیا تہہ خاک ہجر کے ماروں کو بیقراروں کو قرار آیا ہزار ہا شخص دیکھنے کو سر مزار آیا مطابق قول میر تقی ۔ حیرت کار عشق ہے مردم ؛ شکل تصویر آپ میں تھے گم ؛
کام میں اپنے عشق یکتا ہے ؛ ہاں یہ نیرنگ ساز یکتا ہے ؛ جس کو ہو التفات اسکی نصیب ؛ ہے وہ مہمان چند روز غریب ؛ ایسی تقریب ڈھونڈھ لاتا ہے ؛ کہ وہ ناچار جی سے جاتا ہے ؛ کون محروم وصل یاں سے گیا ؛ کہ نہ یار اس کا اس جہاں سے گیا ؛ پھر یہاں سے خامہ مصیبت نگار حال ملکہ زار لکھتا ہے کہ آخر کار جی تنگ ہوا تپ دوری سے یہ ڈھنگ ہوا استاد ۔ لگے زمین پہ اب سب آثار نے ہم کو ؛ یہ دن دکھائے ترے انتظار نے ہم کو ؛ فراق میں ترے بن موت اب تو مارا ہے ؛ تڑپ تڑپ کے دل بیقرار نے ہم کو ؛ جب بنا آہ دم نزع کنٹھ بیٹھ گیا ؛ تم آئے بالیں پہ اُس دم پکارنے ہم کو ؛ صبح سے تا شام ٹکٹکی جانب در دست تاسف بر سر اور ہر دم یہ کلمہ زبان پر استاد ۔ زبسکہ رہتا ہے آنے کا اسکے دھیان لگا ؛ صدا لے دریچے در پہ وہ اپنا کان لگا ؛ بیاد زلف رنا دو دآہ سب پہ کھلے ؛ میں منھ پہ اس لیئے رکھتا ہوں پیچوان لگا ؛ ہزار خوار ہوے تجھ سے عندلیب یہاں ؛ یہ بے ثبات چمن ہے نہ آشیان لگا ؛ آخر کثرت انتظار سے نظر کمی کرنے لگی اور جان زار تڑپنے سے دل بیقرار کے برہمی کرنے لگی یہ نوبت ہوئی ۔ گئے دن ٹکٹکی کے باندھنے کے ؛ اب آنکھیں رہتی ہیں دو دو پہر بند ؛ اسوقت کشش محبت ملکہ مہر نگار نے جان عالم کے دل کو بیچین کیا خیال آیا کہ خدا جانے صدمۂ فرقت سے اس کا کیا حال ہوگا دل نے کہا جینا وبال ہوگا گھبرا کر دست بازچہ ہوا عیش و نشاط بھولا یہ تازہ گل پھولا انجمن آرا سے کہا زیادہ طاقت مفارقت احباب وطن مجھ خستہ تن کو نہیں آج بادشاہ سے رخصت خواہ ہونگا بہر حال اطاعت و رضا اسکی تبع امور پر مقدم جانتی تھی کہا مجھے بھی تمنائے سیر کوہ و بیاباں بے پایاں ہے شہزادہ موافق معمول دربار میں حاضر ہوا اور سلسلۂ سخن بہ طلب رخصت وطن کھولا بادشاہ محزون و غمناک ہو فرمانے لگا یہ کیا کہا جو کلیجہ منھ کو آنے لگا جان من تاب جدائی نہیں رخصت بادیہ پیمائی نہیں اگر خواہش

سیر ہے تو فضا اس نواح کی جا بجا مشہور ہے خزانہ موجود فوج فرمانبردار ملک حاضر اگر منظور ہے جانِ عالم
نے دست بستہ عرض کی اے شہریار باوقار پر تمکین برس دن میں حضور کو مجھ غمگین سے محبت ہوئی
کہ مال و ملک و سلطنت بلکہ جان تک سے دریغ نہیں وائے برحال مادر و پدر سوختہ جگر جنھوں نے
لاکھ منتوں کروڑوں مرادوں سے دن کو دن نہ رات کو رات جان کر سولہ سترہ برس خاک
چھان کر مجھ کو پالا ولولۂ طبیعت نے گھر سے نکالا اب مدت مدید عرصۂ بعید گذرا انھیں میرے
جینے مرنے کا حال معلوم نہیں انکے صدمہ کو غور کیجیے رخصت بھر طور کیجیے آدمیت سے
بعید ہے آپ عیش و نشاط کرے ماں باپ کو رنج و تعب میں چھوڑے امیدوار ہوں
اس امر میں حضور کد نہ کریں بکشادہ پیشانی اجازت وطن دیں اگر حیات مستعار زیست ناپائدار
باقی ہے پھر شرف آستان بوسی حاصل کروں گا نہیں تو اس فکر میں گھٹ گھٹ کے مروں گا
دین برباد ہوگا اور دنیا میں عزت و آبرو نہ رہیگی خدا ناخوش ہوگا خلقت تن پرور راحت طلب
کہے گی بادشاہ سمجھا یہ اب نہ رکے گا آنسو آنکھوں میں بھر کر کہا خیر بابا مرضی خدا جو تیری رضا مگر تیاری
سامان سفر کو چالیس دن کی مہلت چاہیے جانعالم نے یہ بات قبول کی یہ تو رخصت ہو کر گھر آیا
خبرداروں نے اس حال کا خاص و عام میں چرچا مچایا خلاصہ یہ کہ شدہ شدہ یہ غلغلہ گھر گھر ہوا
خورد و کلاں بوڑھا اور جوان شہر کا اس خبر سے باخبر ہوا

عزم جانعالم زرنگار سے سوئے وطن تیاری سامان رخصت انجمن آرا کی عزیز و اقربا سے فرقت اور پہونچنا ملکہ مہرنگار پاس پھر نکاح کرنا

مؤلف ~ چل اے توسن خامہ چالاک دلچسپ * کہ اب بیٹھے بیٹھے بہت جی ہے سست * جگہ
بیٹھ رہنے کی دنیا نہیں * یہاں خاک بیٹھے کوئی دل حزیں * سفر ہر نفس سب کو رہتا ہے یاں
ٹھہرنا بھی عجب ہے مکاں * نہ بیٹھا کبھی جم کے اک جا سرور * قریبوں سے اپنے رہا دور دور
طے کنندگان ملک معانی و سیاحان اقلیم خوش بیانی بادیہ پیمایان بے توشہ با محنت بر سر راہ نوردان
ہوش باختہ بے راہبر یاد دلدار در دل دین و دنیا فراموش الم ہمراہ ہر گام نالہ و آہ تصویر یاس ہم آغوش
لکھتے ہیں کہ اس عازم سمت معشوق عاشق خصال کو چلہ دن میں گذرا سامان سفر تیار ہوا اب صبح کو
اُس چلہ نشین حجرۂ محبت کی رخصت ٹھہری سرشام بادل ناکام بادشاہ و امن سحر کی صورت

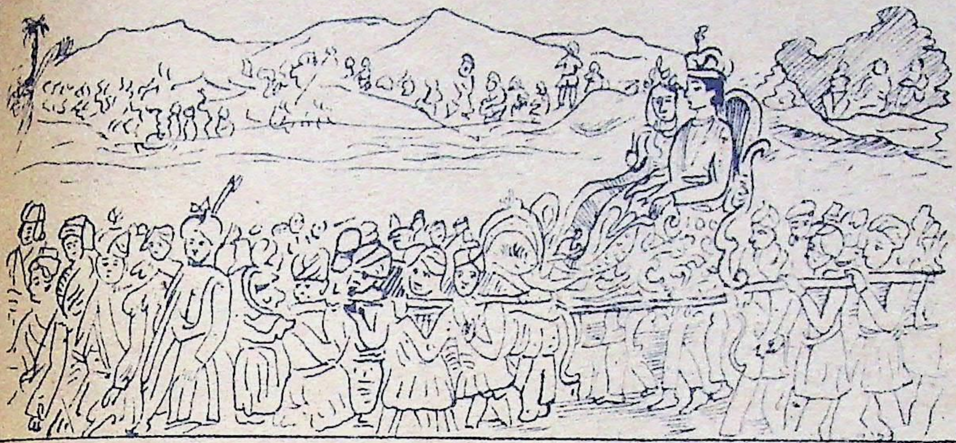
گریباں چاک کر مع ارکان سلطنت دو کوس شہر سے باہر سرِ راہ دامن کوہ پر جا بیٹھا وزیر خوش تدبیر
نے فرمایا کہ تم شہزادے کو رخصت کرو ہم یہاں سے جلوس سواری سامان سفر دیکھ لیں گے یہ خبر
اہل شہر کو معلوم ہوئی تمام خلقت پانچ برس کا لڑکا بچا نوے برس کا بوڑھا رانڈی مرد دوسرے
ٹیکرے پر اسی دم جمع ہوئے جھٹپٹے وقت جانعالم نے سواری طلب کی ہرکاروں نے عرض کی
بادشاہ راہ کی طرف متوجہ ہوا روشنی نمود ہوئیں پلٹنیں آئیں سجی سجائی توپخانہ گذرا پھر بارہ ہزار ہاتھی
سواری کا ہودج و عماری کا ہزار بارہ سو جنگی بارہ دست چاروں بھٹیاں ٹپکتیں بان پٹے سونڈوں
میں چڑھے بھسونڈے رنگے طلائی نقرئی زنجیریں کھنکتیں جھولیں زربفت کی نئے نئے رسے
کلابتوں کے ہیکلیں جڑاؤ مغرق گجگاہیں پڑیں دو رویہ اس انداز کی کہ اگر اصحاب فیل انھیں دیکھتے
خوف کھاتے کبھی کعبہ ڈھانے نہ آتے فیلبان زربفت کی قبا یا کمخواب کی پہنے جوڑیدار پگڑیاں
باندھے کمر میں پیش قبض یا کٹار ہاتھوں میں گجباگ جواہر نگار مستوں کے ساتھ دو بوڑی بردار
ایک چرکٹا ہاتھ میں ڈنڈا دو برچھی والے دیکھے بھالے آگے پیچھے ترپل قریب بانہڑ مار برابر دورویہ
دسوار پھر کئی لاکھ سواروں کے پرے ہاتھیوں سے پرے پرے سر سے تا پا لوہے کے دریا میں ڈوبے
بیس اکیس برس کا ہر ایک شخص کا سن شباب کی راتیں جوانی کے دن خود بکتر زرہ پہنے بائیں دہنے
چار آئینہ فولادی میں ہر دم روئے مرگ معائنہ کرتے ہاتھوں میں داستانے خانہ جنگیوں کے
بانے دو تلواریں ایک قاش زین میں دوسری ڈاب میں تینچے کی جوڑیاں قبور میں سپر بہادری
سے سر دہیں کمر میں قرولی یا کٹار آبدار پر پشت پر برچھا ہاتھ میں تیکھا پن ہر بات میں مثل نہنگان
بحر ہیجا و شیران اکنام وغا مونچھوں پر تاؤ دیتے ہر بار نوک کی لیتے گھوڑے وہ خوش خرام کہ سمند
سبز فام جس کا قدم دیکھ کر آجتک چال بھولا ہے دیکھنے والے کہتے تھے چمن روان کیا بھلا
بھولا ہے دو صفیں باندھے ہوئے بیچ میں پنجشاخے روشن گھوڑے کداتے جوبن دکھاتے
چلے گئے پھر ہزار بارہ سو سانڈنی سوار خوش رفتار زرد زرد قبائیں در بر سرخ پگڑیاں سر پر آبی
بانات کے پاجامے پاؤں میں ہتھیار لگائے مہاریں اٹھائے ستاروں کی چھاؤں میں سانڈنیوں
میں دو دو سو کوس کا دم بخنی فلک اب تک بلبلاتا ہے جب ان کا دھیان آتا ہے قدم قدم
پر جب بڑھے تو سواری کے خاص خاصے نظر آئے عربی ترکی تازی عراقی یمنی اور کاٹھیاوار

گاڑدن

کا دکھنی نہ وہ گھوڑا جو ابلق پیل و نہار کی نظر سے نہیں گذرا ہڈا نہ موڑا نہ رس کا خلل زنگ جا
نہ کھونٹا اکھاڑ سانپن نہ ناگن عقرب نہ ارجل شبکور نہیں منہ زور نہیں کم خور نہ سٹھانہ کھوٹا بال
بھونری سے صاف حشری کمری کہنہ لنگ نہیں سینہ کا تنگ نہیں ہمہ تن اوصاف کسی پر چرجر
زین بندھا کسی پر چارجامہ ڈال کوکسا کسی کی نقط گردنی الٹی گنڈہ پٹہ ساز یراق جواہر نگار
یوزی دمچی طرحدار پر ہما کی کلغی لگی پاکھر پر تکلف پٹھوں پر پڑی دوگا ماگام سہ گام پر غاییہ پویا
دلکی کا منجا ایل کرتا جلودار جیتو رہیے مشغول مگس رانی میں ہمرکاب تپائی بردار معقول سرگرم
جانفشانی میں باگ ڈوریں پُرزر سائیس لے کر نکلے انکے بعد نوبت نشان ماہی مراتب عسر
اژدہا پیکر جلو میں نصرت وظفر یہ سب جلوس باکروفر آیا نوبت کی ندا جھانجھ کی جھانجھ سے صدا
قرنا سے شور و غل تھا بیں بھیروں بھباس کے سر بالکل نقیب اور چوبداروں کی آواز پرسوز وگداز
عجب کیفیت کا عالم تھا ادھر نقارہا ے تتری و فیلی سے گوش کر دو بیان کر رہا جاتا تھا ایک طرف
شہرے بڑکوں کا غول بجادے بجادے کا غل مچاتا چلا آتا تھا۔ سیر تو زے کے تو ہر دمہ لیکر عصا
نور ہاتھوں میں ٭ یہی کہتے تھے گردوں پر ادب سے اور تفاوت سے ٭ پھر شکار کا سامان سر شکارلا
باز آہنی چنگال تیز بال بحری باشے شاہیں عقاب فلک سیر جہاں کے طیر انکے قریب تازی ولایتی کے
بودار گلدڑ انک تازی جانبازی کرنے والے چیتے جو دشمنوں کو بُرا چیتے بلکہ لہو پیتے سیاہ گوش در آغوش
ہرن لڑنے والے خانہ زاد گھر کے پالے اُنکے بعد ہزار ہا سقہ خواجہ خضر کا دم بھرتا چھڑکاؤ
کرتا کمر میں کھارے کی لنگیاں شانوں پر بادلے کی جھنڈیاں مشکوں میں بید مشک بھرا دہانے
میں ہزارے کا فوارہ چڑھا متعدد غلام بادلہ پوش حلقہ بگوش ہاتھوں میں ہیرے کے کڑے
پڑے منقل انگیٹھیاں سونے چاندی کی لیئے ہوے جھونکتے نکلے پھر تو کوسوں تک جنگل رشک
تاتار مثل طبلہ عطار ہو گیا انکے متصل دو ہزار لالٹین والے کمسن بلور کی صاف صاف شفاف
لالٹینیں لیئے شمع مومی دکافوری روشن کیئے وہ سب غنچۂ دہن زیب انجمن بڑھے پھر صدا
اہتمام نقیبان خوش گلو چارسو بلند ہوئی اور صبح صادق نے جلوہ دکھایا ہاتھ کو ہاتھ نظر آیا
شاہ خاور بھی دریچۂ مشرق سے سر نکال کر مشغول نظارہ ہوا حسرت میں وطن آوارہ ہوا دم سحر
نسیم و صبا کی فر فر شمع کا جھلملا جھلملا اداس جلنا سواری کا آہستہ آہستہ چلنا پہاڑی جانوروں کی

ذکرِ حق میں وحش و طیر سرسبز درخت لہلہے پھول رنگ برنگ کے ڈہڑ ہے سقوں کی آب پاشی صدائے
نالۂ مرغان خوش الحان سے دلخراشی خسرو انجم کا مع ثابت و سیارہ چھپتے جانا سورج کی کرن کا جگمگانا
پھولوں کی بوباس چشمہ سرد و شیریں آس پاس خلق کا مجمع دامن کوہ پر سب کی نگاہ کبھی اس کیفیت
پر گاہ اس انبوہ پر ادہر مسافروں کی کثرت اُدہر بادشاہ پر ارمان خلق خدا با حسرت بچشم انتظار امیدوار
آمد پیادہ و سوار دتماشائے عجیب و نگار رہتے یکایک غول خاص برداروں کا آیا کمخواب کی نرالی
انگرکھے گجراتی مشروع کے گھٹنے دلی کی ناگوری پاؤں میں سر پر گلنار پھیٹے طرحدار خاصیوں کے غلاف
باناتی سقرلاتی بلغ و بہار گرد پوش ململ کے سینگڑے ساز مطلا جھلا جھل کے رفل چقماق توڑے
دار قرابین شیر بچے جس سے شیر زندہ نہ بچے جواہر نگار اور برچھی دار باندازگتے والے یکے بیش قرار
درماہے دار راکب و مرکب جھمکڑے کا عالم گرد اگرد بیچ میں شہزادہ جانعالم اسپ باد رفتار پر سوار برابر
انجمن آرا کا سکھپال پری تمثال ہزار بانسو کہاریاں پیاری پیاریاں کمسن جسم گدرایا شباب چھایا
زربفت واطلس کے لہنگے مصالحہ ٹکا ململ کے دوپٹے باریک بنت گوکھرو کی کرتی انگیا کاشانی
مخملی کرتیاں کندھوں پر کچھ سکھپال اُٹھائے باقی پرا جمائے اِدہر اُدہر جڑاؤ کڑے ملائم ہاتھوں میں
بڑے پاؤں میں سونے کے تین تین چھڑے کانوں میں سادی سادی بالیاں نشۂ حسن میں
متوالیاں کسی کا کان جو آلا تھا تو حسن کی دوکان میں ناز و ادا کا نرخ دوبالا تھا انداز و ناز نرالا تھا
وہ آہستہ تیوری چڑھائے پاؤں رکھنا کبھی سسکی جھجکی بڑی سیر تھی کئی سو سواری کا دوڑنے والا
خواجہ سرا عجیب عجیب طرح کا نسکٹا قلماقنیں ترکنیں سرگرم اہتمام خواجہ سرایان ذی لیاقت معقول
گھوڑوں پر سوار بندوبست میں مشغول جریب زمین میں پڑتی کوس کا پہیہ ساتھ زمین کی پیمایش سواری
کی آرایش بڑا تزک بہ مرتبہ کرد فر نہایت دھوم دھام سے بادشاہ کے پاس آپہونچے جانعالم نے دیکھا
ظل سبحانی کے چشمہ چشم سے جوئے خون جاری ہچکی لگی بیقراری طاری گھوڑے سے کود کر آداب
بجا لایا بادشاہ نے بہ تبسم فرمایا اسوقت ہمارے پاس نہ آؤ تمہیں خدا کو سونپا چلے جاؤ شہزادہ مجرا کر کے سوار
ہو جدم جانعالم نے گھوڑا بڑھایا تمام خلقت کا جی بھر آیا علی الخصوص بادشاہ کی بیقراری جانعالم
اور انجمن آرا کی گریہ و زاری دیکھ کر تماشائی واویلا مچا کہنے لگے آج رونق شہر کی رخصت ہے
زینت سلطنت کی فرقت ہے ایسے مہر و ماہ کے جلنے سے شہر میں غدر پڑیگا اندھیر ہو جائیگا انکا الم جدائی رنج

تصویر جانعالم معہ سامان سفر و کھپال انجمن آرا اور ادھر ادھر ٹیلوں پر لوگ بیٹھے اور سواری رواں



دشت پیمائی ہزار در زسیہ شام غم دکھائے گا کہتے ہیں کہ سیکڑوں مرد رنڈی بے کہے سُنے ہمراہ ہوئے غریب الوطنی اختیار کی وہاں بود و باش گوارا نہ ہوئی انکے بعد چھ سات سو پالکی نالکی چنڈول محافے امیر زادیوں کا اور انیسوں جلیسوں کی تین چار سو کھڑ کھڑیاں اور رفیقیں پیش خدمتوں کا ڈیڑھ سو بیانہ چوبیلا مغلانی آتون محلداروں کا ہزار نو سو رتھ اکبر آبادی دو برجے سائبان دار نئے مغرق پردے چلکتے ناگوری بیل جو تور فلک نے نہ دیکھے تھے جتے۔ انا چھو چھو جھنجھی نوئیں باریدار لونڈیاں باندیاں سوار یہ بھی قطار قطار گذر گئے اور چھکڑے اونٹ ہاتھی خزانے اور اسباب کے ڈیرے خیمے لدے لدائے کسے کسائے جکڑے نظر آئے غرضکہ تا شام ہیر بنگاہ بازاری سرکاری سب لوگ چلے گئے لکھا ہے کہ روپے اور اشرفیاں امام ضامن کی دم رخصت اتنی آئیں کہ تمام راہ بید مسافروں نے بائیں اور کھچو رکلچوں کا یہ حال ہوا کہ راتب کے سوا ہاتھیوں کو کلچے ملے اور اہل لشکر کو بانٹ دیے کھجوریں جو زمکیں راہ میں پھیکدیں وہ اُگیں اسکے درخت اُگے کم تھے اُس دن سے جنگل ہو گئے اُسوقت بادشاہ سراسیمہ بدحواس باحال یاس دولتسرا میں آیا دہ بسا بسایا شہر اجڑا ویران نظر آیا بازار میں جا بجا چراغ گل سر شام بگڑی غائب اندھیرا بالکل جس طرف دیکھا لوگ تھکے ماندے پھر کر پڑے تھے بازار میں تختے لگے ٹٹر چڑھے تھے لوگ سونفار قتسے در مند دکانیں بند جو جہاں پڑا تھا شہزادی کی رخصت کا ذکر کرہا تھا دو شخص اگر باہم تھے با دل پُرغم تھے کوئی سوتا تھا کوئی اچکا پڑا روتا تھا بستی سنسان بازار میں سناٹا خلق خدا اندوہ کی مبتلا بادشاہ کو دونا قلق سوا رنگ فق ہو محلسرا میں آیا وہاں بھی چھوٹے بڑے کو غمگین پایا لوگوں کے غم جدا ہو گئے

سب اُس یوسف رفتہ کے زندان فراق میں اسیر بلا ہو گئے' علی الخصوص انجمن آرا کی ماں جسکی نظر سے
وہ چاند سورج چھپ گئے' زمانہ آنکھ میں تیرہ و تار دل غم سے خار خار حیرت میں نقش دیوار ہو رہی تھی
آنکھوں پر زور بھاری ہو رہی تھی بادشاہ نے سمجھایا ہاتھ منھ دھلوایا کچھ کھلایا یہ تو سب نالۂ لب آہ و درد دل
جانعالم اور انجمن آرا و بمنزل پانچ پانچ کوس کا کوچ دو چار دن کے بعد ایک دو مقام پر براحت و آرام کرتے
چلے فوج ظفر موج ساتھ اردوے معلی کا عجب عالم تھا ایک عالم رونہ ہمراہ جہاں کی نعمت تیار شام و پگاہ
صراف بزاز جوہری روپیہ پیسہ اشرفی ڈھاکے کا ریزہ بنارس کا گلبدن گجرات کا کمخواب الماس زمرد یاقوت احمر
جو چاہو سو لو ایک طرف قصاب' نانبائی' پکی پکائی لیے ہوئے میوہ فروش خانہ بدوش حلوائی' طرح
طرح کی مٹھائی' مینا بازار باغ و بہار جدا جدا ہر گنج کا جھنڈا گڑا چوپڑ کا بازار پڑا جلو خانے کے در و نفت
شب گذرے تک دوکانیں کھلیں اکاسی دیا جلتا بھولا بھٹکا اسکی روشنی میں آملتا کوتوال سرگرم پاسبانی
بازاریوں کی نگہبانی نرسنگا روندیں پھکتا غرضکہ سب خرم و شادماں رواں تھے مگر جانعالم جذب محبت
ملکہ سے کبھی یہ کہتا تھا شعر ؎ بہ سامان سفر با خود دل رنجیدہ دارم :: بکف چیز یکہ دارم دامن برچیدہ دارم

ورود لشکر فیروزی اثر دیار ملکہ مہر نگار میں پیر مرد کی ملاقات اور انجمن آرا اور ملکہ مہر نگار کی دو بدو گفتگو پھر جانعالم کا نکاح بعد رخصت بصد شوکت و حشمت

مشاطۂ خامہ نے عروس سخن کو بصد زیب و زینت حجلۂ بیان میں یوں جلوہ آرا کیا ہے کہ جس روز ورود
لشکر فیروزی اثر ملکہ مہر نگار کے باغ سے قریب ہوا خبرداروں نے یہ مژدۂ جان بخش فوراً ملکہ کو پہونچایا
کہ مبارک ہو شاہزادہ تشریف لایا بسکہ غم مفارقت سے تاب و طاقت طاق تھی سنتے ہی غش آیا
پھر سنبھلکر فرمایا بخت خفتہ کب بیدار ہوتا ہے ایسا پاؤں پھیلائے سوتا ہے اور جو میرا دل بہلانیکو
کہتے ہو تو سن لو مؤلف ؎ تفریح کلفتوں کی ترغیب ہے لاحاصل :: بہلانے کی باتیں ہیں یہ دل
بھی بہلتے ہیں :: چندے جو یہی لیل و نہار رہے تو قصہ فیصلہ ہے تدبیر خلاف تقدیر سراسر بیکار ہے
مؤلف ؎ گر اُسکے ہجر میں یونہیں اندوہگیں رہے :: تو ہوئے گا وصال ولا یقین رہے :: ہے احتیاط
شرط کہ اس چشم تر پہ آہ :: دامن رہے رہے نہ رہے آستیں رہے :: مدفن کا اپنے ہمکو تردد ہو کس لیے
کوچہ کی تیرے یار سلامت زمیں رہے :: تو گلشن وصال کی کر سیر عندلیب :: ہم خرمن فراق کے بس خوشہ چیں رہے

جو جو کہ انتخاب تھے صفحے پہ دہر کے ؛ ایسے وہ مٹ گئے کہ نشاں بھی نہیں رہے ؛ کس کی خوشی کہاں
کی ہنسی کیسا اختلاط ؛ ہم کو نہ چھیڑو تم کہ وہ اب ہم نہیں رہے ؛ چھوٹا نہ نزع میں بھی خیال اس کا
اے سرور ؛ دم بھرتے ہم اسی کا دم واپسیں رہے ؛ اس عرصہ میں وہی خواص دل آرام نام
بارہ دری سے نیچے اتری پھر کہا خدا جانے یہ لشکر کہاں سے آکر اترا ہے ملکہ ہنسکر بجیلہ یہ خواصوں کے
کندھوں پہ ہاتھ دھر ٹھنڈی سانس بھر کوٹھے پر چڑھی دیکھا تو فی الحقیقت لشکر بے پایاں سپاہ
فراواں ہے خیام شاہی استادہ ہیں پھرتے چلتے سوار اور پیادہ ہیں یکایک شہزادہ جانعالم بجنبہ
سوار اسپ صرصر خرام رخش تیز گام پر سوار نظر آیا اول تو اُسے نچا کھچا منزلوں کا مارا دشت غربت کا
آوارہ دیکھا تھا اب چم و خم جاہ و حشم سے پایا بدن تھرایا اعضا اعضا میں رعشہ ہوا یہ وزتماشہ ہوا
استادہ آتے ہی ترے چھٹتا ہے رعشہ سا بدن میں ؛ ہر چند کہیں بیٹھیے ہر لحظہ سنبھل ہم ؛ وہ زردی
چہرۂ پرغم مژدۂ وصل کی سرخی سے بدل گئی غش سے سنبھل گئی شہزادہ گھوڑے سے اتر سیدھا ملکہ کے
باپ پاس گیا رسم سلام بجالایا اس نے دعائے خیر حیاتی سے لگایا کہا الحمد للہ تمھیں بصحت و عافیت
اللہ نے کامیاب دکھایا پھر انجمن آرا کی سواری آئی تسلیم بجالائی پیر مرد نے فرمایا شہزادی نے
فقیر کے حال پر کرم کیا اللہ بھلا کرے اُس نے عرض کی کہ کنیز مدت سے حضور کی صفت و ثنا طلب سے
کی زبانی سنا کرتی تھی آج شہزادہ کی بدولت سعادت آستان بوس حاصل ہوئی دو گھڑی بیٹھی
پھر التماس کیا کہ اگر اجازت دیجیے ملکہ کی ملاقات سے مسرور ہوں اس مرد حق پرست نے فرمایا اس کا پوچھنا کیا
بابا بے تکلف خانہ خانۂ شما است جانعالم رخصت ہو خیمہ میں آیا انجمن آرا نے ملکہ کے مکان کا رستہ لیا آنے کی خبر

تصویر انجمن آرا و ملکہ مہر نگار کے باہم گلے ملنے کی



پیشتر ملکہ کو پہونچی تھی سامان اس اُجڑے مکان کا درست ہوا تھا جب سواری اتری لب فرش لینے کو آئی فراشی سلام کیا گلے سے انجمن آرا نے لگایا ملکہ آبدیدہ ہو کر بولی تم نے مجھے محجوب کیا میں فقیر کی بیٹی تم شہزادی ہر چند شاہ و گدا دونوں بندۂ خدا ہیں الا تمھارے قدم آنکھوں پر رکھوں تو بجا ہے آپکے آنے سے مجھے بڑا افتخار حاصل ہوا ہے انجمن آرا بولی ہم نے یہ خوب کیا رنڈی یہ چوچلے کی باتیں بیگانہ وار نہ کرتی تو کیا ہوتا اے صاحب ہمارے تمھارے تو رشتہ ہمسری و برابری ہے اور حساب کی راہ سے پہلے تو سلامتی سے تھیں ہو سرکاری اُلش ہمیں ملا ہے پہلے مزا آپنے چکھا ہے جوبن لوٹا ہے غرضکہ وہ دونوں کیس ہو گئیں اختلاط حرف و حکایات رمز و کنایہ شب بھر رہے جس وقت عروس شب نے مقنعۂ مغرب میں منھ چھپایا اور نوشاہ روز مشرق سے نکل آیا انجمن آرا جانعالم کے پاس آئی دیر تک اخلاق و محبت ملکہ مذکور کیا کہ اس صفت کی عورت آجتک نہ دیکھی تھی دوسرے دن جانعالم نے ملکہ کے باپ سے عرض کی کہ الکریم اذا وعدہ وفی اس سالک راہ حق نے ارشاد کیا ہم اس لائق کہاں ہیں لیکن مصرعہ ؎ شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را ۔ تم قول کے پورے ہوا قرار کے سچے ہو بسم اللہ اپنے زمرۂ کنیز و نیں سرفراز کرو شادی کا نام لینا منھ چڑھانا ہے نہ وہ ہم ہیں نہ وہ ہمارا زمانہ ہے آخر بطور شرع شریف ملکہ کا نکاح جانعالم کے ساتھ ہوا اب یہ معمول ہوا کہ ایک شب انجمن آرا کی دوسری رات ملکہ کی ملاقات کی ٹھہری اور ان دونوں میں وہ راہ و رسم محبت و الفت کی بڑھی کہ شہزادے کی عاشقی نظر سے گر گئی نظری ہوئی اور سچ ہے جو طرفین سے نجیب الطرفین ہوتے ہیں اُنہیں رشک و حسد رنج و ملال داخل نہیں پاتا کٹی جلی ڈاہ بغض عداوت کج بحثی دانتا کل کل رات دن کی ٹوٹو میں میں چھوٹی امت پر ختم ہے لاکھ طرح انھیں سمجھاؤ نشیب و فراز دکھاؤ لیکن اُن لوگوں سے بے جھونک جھانک نہیں رہا جاتا دو دن ایک طرح پر صحبت برابر نہیں آتی ہے زندگی انسان کی تلخ ہو جاتی ہے لاکھ طرح کا غم ہوتا ہے ناک میں دم ہوتا ہے مولف

عشق میں طرفین سے اُلفت برابر چاہیے	جو بدل بندہ ہو اُس کو بندہ پرور چاہیے

داستان حیرت بیان رخصت جانعالم پیر مرد کا عمل بتانا چلتے وقت وزیرزادے کا مل جانا انجمن آرا کے میلان سے شہزادے کو بند بنانا اُس بیچارہ کا ہزاروں مصیبت اُٹھانا مع الخیر صحت پانا

مصیبت نگار و مصائب رقم	جگر چاک و مغموم میرا قلم
زمانے کی کچھ طرز لکھتا ہے یاں	

عجائب غرائب ہے یہ داستان
مری بات یارو یہ کرنا یقین
کسی کا کوئی دوست مطلق نہیں
جو دوست ہیں ایسے دشمن کہیں
نہیں ہیں نہیں ہیں نہیں ہیں نہیں
کیا امتحان میں نے اکثر ضرور
ضرورت کی کچھ دوستی ہے ضرور

قصہ کوتاہ چندے شہزادہ والا جاہ وہاں رہا ایک روز یہ سب عاشق ومعشوق باہم بیٹھے تھے جانعالم نے کہا ہمیں وطن چھوٹے عزیزوں سے منہ موڑے عرصہ ہوا ہنوز دلی دور ہے اب چلنا ضرور ہے وہ دونوں نیک خو رضا جو بولیں بہت خوب اسی وقت حرف رخصت ملکہ کے باپ سے درمیان آیا اس نے بھی روکنا مناسب نہ جانا سفر کی تیاری ہوئی دم رخصت اسقدر مال واسباب نقد وجنس کی قسم سے شہزادے کو ملا کہ انجمن آرا کا جہیز بھول گیا اور وقت وداع پیر مرد نے بادل پُر درد جانعالم سے کہا فقیر کے پاس کچھ نہ تھا جو پیش کش کرتا مگر ایک نکتہ بتاتا ہوں جب امتحان ہوگا خزانہ قارون سے زیادہ کام آئیگا اگر احتیاط کروگے پھر چند فقرے تنہا لیجا کر بتا کر تاکید سے کہا اگرچہ یہ مقدمہ حقیقی بھائی سے اظہار کروگے یاد رکھو حضرت یوسف سے زیادہ صدمے سہوگے زمانہ کے اخوان الشیاطین پر از کید آمادہ کیں ہیں اسی سبب سے دنیا میں راز کہنا برا ہے چپ رہنا بھلا ہے یہ نکتہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے سب کو یاد ہے کہ دنیا میں برادر حقیقی دشمن مادر زاد ہے ؎ بھاگ ان بردہ فروشوں سے کہاں کے بھائی ؛ بیچ ہی ڈالیں جو یوسف سا برادر ہووے ؛

پھر انجمن آرا پاس آ فرمایا شہزادی فقیر زادی کنیز کو عزیز جانکر نظر الطاف و کرم ہر دم رکھنا یہ بھی خدمت گذاری میں قصور نہ کریگی اسے تمکو سونپا تمھیں حافظ حقیقی کے سپرد کیا لو خدا حافظ سواری دیر سے تیار تھی لوگوں پر ثابت تھا کہ کوئی امر پوشیدہ درویش باوقار شہزادے پر بتکرار اظہار کرتا ہے اتفاق زمانہ اسی وقت وہ وزیرزادہ جو وطن سے ساتھ نکل ہرن کے پیچھے گھوڑا پھینک دشت ادبار میں شہزادے سے جدا ہوا تھا سرگشتہ و پریشان پھرتا پھراتا پیادہ پا ادھر آنکلا اس نے جو یہ لشکر جرار قافلہ تیار دیکھا پوچھا کس کی سواری ہے کہاں کی تیاری ہے لوگوں نے تمام جانعالم کا قصہ سنایا یہ خوش ہوا جی میں جی آیا پوچھا شہزادہ کہاں ہے وہ بولے پیر مرد جو یہاں کا مالک ہے فقیر سالک ہے کچھ کہنے کو جدا لیگیا ہے اس عرصہ میں جانعالم رخصت ہو سوار ہوا وزیرزادے نے مجرا کیا شہزادے نے گھوڑے سے کود کر گلے لگایا دیر تک نہ چھوڑا اسی دم لباس فاخرہ پہنا ہمراہ سوار کیا راہ میں سرگذشت تفرقہ پوچھتا کہتا چلا جب خیمہ میں داخل ہوا وزیرزادے کو محلسرا میں طلب کیا انجمن آرا اور ملکہ کو نذر دلوا کہا یہ وہی شخص ہے جس کا الم مفارقت مدام دل میں کانٹا سا کھٹکتا تھا جی سینے میں بھٹکتا تھا دیکھو جب اچھے دن آتے ہیں بچھڑے مل جاتے ہیں ایکدن گردوں نے

ہیں آوارۂ دشت ادبار کیا تھا جدا ہر ایک دوستدار و غمخوار کیا تھا اب ساعدت بخت سے ایام سخت دور ہوئے ہم بہجور رہوئے وزیرزادے کا حال سنو انجمن آرا کا حسن و جمال بیشال دیکھ دیوانہ ہو ہوش و حواس عقل کھو نمک حرام بنا وصل کی تدبیر میں پھنسا

استاد ہ	یار اغیار ہو گئے اللہ	کیا زمانہ کا انقلاب ہوا
ب	خدا ملے تو ملے آشنا نہیں ملتا	کوئی کسی کا نہیں دوست سب کہانی ہے

دو چار گھڑی یہ صحبت رہی پھر اپنے اپنے خیموں میں گئے وزیرزادے کے واسطے خیمہ عالی استادہ ہوا پھر حسنی انیسیں جلبیں حسین مہ جبیں دونوں شہزادیوں کے ہمراہ تھیں اسے دکھا فرمایا جسطرف تیری رغبت ہو دلوا دوں وہ نطفۂ حرام اور رخیال میں تھا عرض کرنے لگا میری کیا مجال ہے اور کیا تاب و طاقت ہے جو انھیں بری نگاہ سے دیکھوں جانِ عالم بہت رضامند ہوا کہ بڑا نیک طینت صاف باطن ہے بہ اسباب ظاہر اس نظر سے زیادہ مدِّ نظر ہوا دل میں گھر ہوا تمام صعوبتیں حالات سفر رنج راہ نفع و ضرر شہزادے نے بیان کیا مگر جب پیرمرد کے مشورے کا ذکر آتا ٹال جاتا وہ سمجھا کہ کچھ اسمیں بھید ہے ایک روز ملکہ مہر نگار اور انجمن آرا نے متفق ہو کر جانِ عالم سے کہا یہ نیا ماجرا ہے ہر دم ایک شخص غیر اور جوان کو شریک صحبت خلا ملا رکھنا کیا مناسب ہے اور آداب سلطنت سے بھی بعید ہے شیطان کو انسان دور نہ جانے غیر تو کیا اپنے کا اعتبار نہ مانے جانِ عالم نے کہا پھر ایسا کلمہ زبان پر نہ لانا اس نے تمھاری لونڈیوں کا پاس کیا نہ کہ تمھارا حفظ مراتب ورنہ بھی تو ایسا بیہودہ نادان تھا جو خلاف وضع حرکت کرتا ملکہ یہ سنکر ہنسی انجمن آرا سے مخاطب ہو کر کہا برائے خدا انصاف تو کیجئے خاطر کی نہ لیجئے انکے حق میں کس بیوقوف کو تامل ہوگا آپ اگر عقل کے دشمن نہ ہوتے تو کیوں حوض میں کود کر ساحرہ کی قید میں پھنستے نام ڈبوتے لو بھلا سچ کہو شرمندہ نہ ہو جی میں کیا سمجھے تھے جو کود پڑے ذرا خیال نہ آیا غواص فکر کو محیط تامل کو غوطہ زن نہ فرمایا کہ کہاں انجمن آرا جنگل کا حوض وہاں کیونکر آئی وہ از نسل شاہی تھی یا از خاندان ماہی تھی جانِ عالم کھسیانا ہو گیا کہا بات اور سخن این اور کہاں کا ذکر کس جگہ ملایا کیا میری حماقت کا موقع تھا ملکہ ہاتھ آیا یہ تو سمجھو شعر

	عشق از بیسیار کرد ست و کند	سبحہ از زنار کرد ست و کند
استاد ہ	کہتے ہیں جسے عشق وہ از قسم جنوں ہے	کیونکر کہ حواس اپنے میں پاتے ہیں خلل ہم

بھلا اپنی باتیں تو یاد کرو دلمیں منصف ہو ملکہ نے کہا دیکھا اب شرمائے تو یہ کہانی لائے ہیں رنڈی ہوں
ناقص عقل سب کہتے ہیں بھلا صاحب اگر مجھ سے بیوقوفی کی حرکت ہوئی تعجب نہیں شکر کرنیکی جا ہے
کہ آپکا مزاج بھی میرا ہی سا ہے آخر یہ بات ہنسی میں اُڑ گئی مگر وہ مکار ہر کوچ و مقام میں وقت کا منتظر تھا اگر وہ
غم اندوز شہزادے کا خیمہ صحرائے باغ و بہار دشت لالہ زار مگر ہمہ تن خار خار پر از آزار رہتا ہوا ایک صحرا نے دیکھا کیفیت
پھولوں کی خوشبو دماغ میں سمائی جا بجا چشمے رواں دیکھکر یہ لہر آئی کہ تنہا وزیرزادے کا ہاتھ پکڑ لب چشمہ جا بیٹھا تشنگی
شراب کی طلب ہوئی جسدم جانعالم کی آنکھوں میں سرور آیا اختلاط کا زبان پر مذکور آیا اُس دغا شعار غدار نے وقت
تنہائی صحبت بادہ پیمائی نشے کی حالت غنیمت جانی رونے لگا شہزادے نے ہنس کر کہا خیر ہے وہ بولا جو شرط رفاقت
حق خدمت دنیا میں ہوتا ہے غلام سب بجا لایا اگر محنت مشقت غریب الوطنی دشت نوردی کا عوض خوب بھر پایا آپ بسبب
قدرداں بات کو چھپائے تو پھر اور کس سے کس بات کی امید ہے جانعالم نشے میں انجام کار نہ سوچا اس فیلسوف
کے رونے سے بیچین ہو گیا کہا اگر تجھے یہی امر ناگوار ہے تو سن لے جو اسرار ہے مجھے ملکہ کے باپ نے یہ بات بتائی ہے کہ جسکے
قالب میں چاہوں اپنی روح لیجاؤں اُسنے پوچھا کس طرح شہزادے نے ترکیب بتا دی جب وہ سب سیکھ چکا بولا غلام کو
بے امتحان غلطی کا گمان ہے شہزادہ اٹھکر جنگل کی طرف چلا چند قدم بڑھکر ایک بندر مردہ دیکھا کہا دیکھو میں
اسکے قالب میں جاتا ہوں یہ کہکر شہزادہ زمین پر لیٹا بندر اُٹھ کھڑا ہوا وزیرزادے کو سب ڈھنگ یاد ہو گیا تھا فوراً وہ
کورنمک زمین پر گرا اور اپنی روح جانعالم کے قالب خالی میں لا کھڑا ہوا اور کمر سے تلوار نکال اپنا جسم ٹکڑے ٹکڑے کر کے
دریا میں پھینک دیا شہزادے کا نشہ کرکرا ہوا سمجھا بڑی خطا ہوئی از ماست کہ بر ماست خود کردہ را علاج نیست
وہ کافر بندر کے پیچھے دوڑا شہزادہ بیچارہ بھاگ کر درختوں کے پتوں میں چھپا پھر تو با دلجمعی بتمام

تصویر بندر کے قالب میں آنا جانعالم کا اور وزیرزادے کا جانعالم کے قالب میں آنا اور اپنا قالب ٹکڑے کرنا



وہ نطفۂ حرام لہو کپڑوں پر چھڑک بید ھڑک ملکہ کے خیمہ میں آیا رو دیا پیٹا چلایا کہا اسوقت ستم کا حادثہ ہوا میں
وزیرزادے کے ساتھ سیر کرتا تھا یکایک جنگل سے شیر نکلا اسے اٹھا لیچلا ہر چند میں نے جانبازی
سے شیر کو تہ شمشیر کیا زخمی ہوا مگر اُسے نہ چھوڑا لے ہی گیا ملکہ نے تاسف کیا سمجھایا قضا سے کیا چارہ
یہی حیلۂ مرگ اسکے مقدر میں تھا پھر انجمن آرا کے پاس گیا وہاں بھی یہی اظہار کیا الا گھبرایا ہوا باہر
چلا گیا ملکہ انجمن آرا کے خیمہ میں آئی وزیرزادے کا مذکور آپس میں رہا لیکن ملکہ کو قیافہ شناسی کا بڑا ملکہ
تھا پریشان ہو کر یہ کلمہ کہا خدا خیر کرے آج بہت شگون بد ہوئے تھے صبح سے داہنی آنکھ پھڑکتی تھی
راہ میں ہرنی اکیلی راستہ کاٹ کر منہ تکتی تھی اپنے سایہ سے بھڑکتی تھی خیمے میں اترتے وقت کسی نے
چھینکا تھا خواب متوحش نماز کے وقت دیکھا تھا تم بھی بفضل الٰہی عقل و شعور رکھتی ہو آج کی حرکتیں
شہزادے کی غور کرو خلاف عادت ہیں یا مجھی کو وہم بیجا ہے انجمن آرا نے کہا تم جانتی ہو وزیرزادے
سے محبت کیسی تھی رنج والم برا ہوتا ہے بدحواسی میں ادر کیا ہوتا ہے القصہ وہ شب ملکہ کے پاس رہنے
کی تھی اُسے اندر کا حال کیا معلوم تھا طبیعت کے لگاؤ سے انجمن آرا کے خیمہ میں گیا جسوقت پہر بجا ملکہ
وہاں گئی دیکھا شہزادہ وہاں بیٹھا ہے مگر مضطر اُسنے پوچھا آج کہاں آرام کرو گے وہ جھجک کر بولا جہاں تم
کہو ملکہ نے کہا یہیں سو رہو شہزادے نے کہا بہت خوب یہ کلمہ بھی خلاف دستور تھا مگر نہیں آیا اس کا بہت خب کہنا
ملکہ نے برا مانا انجمن آرا کا ہاتھ پکڑ کر اپنے خیمہ میں لائی روتی پیٹتی چلائی انجمن آرا بولی ملکہ خدا کیواسطے کچھ مفصل
بتاؤ وہ بولی غضب ہے قسمت الٹ گئی شہزادے سے چھٹ گئی خدا کی قسم یہ جان عالم نہیں وہ بھی شہزادی تھی
گو سیدھی سادھی تھی کہا درست کہتی ہو بہت سی باتیں اُس نے آج نئی کی ہیں ملکہ نے کہا خیر اب جو ہوا سو ہوا
تم یہیں سو رہو پھر جشنوں اور ترکنوں سے فرمایا ہم سوتے ہیں تم در خیمہ پر مسلح جاگو اسوقت شہزادہ گیا اگر فرشتہ
آئے بار نہ پائے یہ خبر سنکر وہ بچارا ڈرے اکیلے اور خیمہ میں جا پڑے ایک ڈرنا حرف ہوتا ہے ملکہ نے کہا
دیکھا اگر جانعالم ہوتا کبھی اکیلا نہ سوتا بے تامل چلا آتا بدمزگی کا باعث خفگی کا سبب تو پوچھتا اُسے کس کا
ڈر تھا اُس کا تو گھر تھا انجمن آرا کہنے لگی صورت تو وہی ہے اسوقت ملکہ نے ماجرا غیر کے قالب میں روح
لیجانے کا دم رخصت اپنے باپ کے بتانے کا مفصل بتایا پھر کہا کہ یہ حال وزیرزادے سے کہا ہو گا یہ
یہ فساد اُس کا ہے ہمیں چتون پر اسکی شک آیا تھا سامنے لانے کو منع کیا تھا سمجھایا تھا وہ نادان
ہمارا کہنا خاطر میں نہ لایا اس کا مزہ پایا القصہ وہ شب کہ شب دلہن گور تھی رونے پیٹنے میں

کٹی انجام کار کا تردد و تفکر رہا کہ دیکھئے شیشۂ ناموس و ننگ سنگ ظلم سے کیونکر بچتا ہے اور یہ کہتی تھیں

استادہ کسے تیغ جفائے چرخ سے اُمید ہنسنے کی ۔۔۔ جو ہوئے بھی تو ہاں شاید دہان زخم خنداں ہو

اسی فکر و اندیشہ میں صبح قیامت نمود ہوئی سواری ڈیوڑھی پر موجود ہوئی کوچ ہوا اخبر دارفس نے اُس نے شہزادہ سے عرض کی یہ سرزمین غضنفر یہ ہے یہاں سے پانچ کوس شہر ہے حاکم یہاں کا زرہ پوش غضنفر شاہ زرہ پوش ہے حکم کیا خیمہ ہمارا شہر کے قریب ہو کارپرداز حسب الارشاد عمل میں لائے جب شہزادیاں خیمہ میں داخل ہوئیں خود آیا ادھر یہ بیچاریاں ڈر سے بادل صد چاک اُدھر ملکہ کے رعب سے وہ بیچا بھی خوفناک ساعت بھر بیٹھ کر اٹھ گیا جب غلغلہ فوج اور آمد لشکر وہاں کے بادشاہ نے سنا کہ لشکر بے شمار سپاہ جرار شہر کے متصل آ پہونچی اسے بہت تشویش ہوئی وزیر خوش تدبیر کو چند تحفے دیکر استفسار حال در پردہ استقبال کو بھیجا تا ملازمت حاصل کرکے حضور میں سن و عن عرض کرے وزیر حاضر ہوا عرض بیگیوں نے خبر پہونچائی وہ تو داب سلطنت ریاست کا رنگ ڈھنگ جانتا تھا وزیر اعظم کا بیٹا تھا روبرو طلب کیا بعد ذکر اذکار ہر شہر و دیار اپنا سبب آمد بجہت سیر و شکار اور اچھا ہونا آب و ہوا اس جوار کا اور دیکھنا یہاں کے شہر اور شہریار کا بیان کیا دم رخصت خلعت فاخرہ وزیر کو عنایت ہوا اور بطرز دوستانہ کچھ ہدایا بادشاہ کو روانہ کیا جب وزیر اپنے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا حسن اخلاق دبدبۂ شوکت و صولت آئین سلطنت رعب و جرأت کا اسکے اس رنگ ڈھنگ سے ذکر کیا کہ وہ بادشاہ بیساختہ مشتاق ہو کر سوار ہوا خبرداروں نے اس حال سے مطلع کیا ارکان سلطنت وزرا امرا بخشی سپہ سالار پیشوائی کو گئے جب قریب پہونچا خود در خیمہ تک آیا معانقہ کر دونوں تخت پر جا بیٹھے سلسلہ کلام بلاغت نظام طرفین سے کھلا وہ بھی اسکی صورت پر غش ہو گیا فصاحت پر عش عش کرتا رہا بصد تکرار شہر کا مکلف ہوا جلد جلد عمارات شاہی سجی سجائی خالی ہوئیں اُس کو اتارا لشکر وہیں رہا پھر حسب طلب ملکہ انجمن آرا سر چوک دو محلسرا برابر خالی ہوئے شہزادیاں وہاں اتریں چند روز دعوت کے جلسے رہے جب فرصت ملی دل میں سوچا اگرچہ جان عالم بند ہے الا اس کے جینے میں اپنی مرگ کا خوف و خطر ہے ایسی تدبیر نکالئے کہ اسے جان سے مار ڈالئے پھر بے کھٹکے آرام صبح و شام کیجئے ملکہ سے ڈرتا تھا پیر مرد کے نام لینے سے مرتا تھا جیسے چور کی داڑھی میں تنکا یہ سوچکر حکم کیا ہمیں بندہ درکار ہیں جو لائے گا دس روپیہ پائے گا اہل شہر ہزاروں بندے

پکڑ لائے جو سامنے آیا بغور دیکھ کر سر تڑواتا تھوڑے عرصہ میں بہت بندر ہلاک اُس سفاک نے کئے
جب بندر کم ہوئے دام بڑھے بحدیکہ فی بندر سو روپیہ مقرر ہوئے دو کوس چار کوس گرد و پیش نام و نشان
بندر کا نہ رہا عنقا ہوگیا چنانچہ وہیں کے بھاگے ہوئے آجتک متھرا اور بندرابن اور اودھ بنگلے میں خستہ تن
ہیں بلکہ اس زمانہ میں بندرابن بالفتح تھا اب عرصہ دراز گذرا وہ بندروں کی کثرت جو نہ رہی اس کسر سے
یہ لفظ بالکسر خلقت کہنے لگی غرض کہ شہر میں ہر طرف غلغلہ ہوا سب کی یہی معاش ہوئی ہر شخص کو
بندر کی تلاش ہوئی ایک چڑیمار زیر دیوار سرا اس بستی میں بستا تھا مگر محتاج مفلوک بہزار جستجو
وتگاپو تمام دن کی گردش میں دس پانچ جانور جو ہاتھ آجاتے دو چار پیسے کو بیچ کر جورو خصم روٹی
کھاتے اگر خلق پھر افاقے سے پیٹ بھرا ایک روز اسکی جورو کہنے لگی تو سخت احمق ہے دن بھر جانوروں
کی تلاش میں در در خاک بسر اُلو سا دیوانہ ہر ایک حیرانہ جھانکتا پھرتا ہے اس پر جو روٹی ملی تو بدن
پر ثابت لتا نہیں کسی طرح اگر ہنومان کی دیا سے ایک بندر بھی ہاتھ آئے تو برسوں کو فرصت
ہو جائے لالچ تو بُرا ہوتا ہے وہ راضی ہوا کہا کہیں سے آٹا لا روٹی پکا اور جس طرح بنے تھوڑے چنے
بہم پہونچا صبح بندر کی تلاش میں جاؤں گا نصیب آزماؤں گا اس نے مانگ جانچ وہ سامان کر دیا
دو گھڑی رات رہے چڑیمار جال پھٹکی پھینک لاسا کپا چھوڑ ٹٹی جو دھوکے کی تھی وہ توڑ روٹی
اور چنے اور رسّی لے کر چل نکلا شہر سے چھ سات کوس باہر نکل درختوں میں ڈھونڈھنے لگا وہاں
کا حال سنئے شہزادہ جو بندر بنا تھا اُس نے جس دن سے بندر پکڑتے لوگوں کو دیکھا تھا اور سر تڑوانے
کا حال سنا تھا بدحواس پریشان سراسیمہ زیست سے یاس حیران ہر طرف چھپتا پھرتا تھا کہ مبادا

تصویر چڑیمار کے بندر کے پکڑنے کی مع شگاف درخت



کوئی پکڑ لیجائے زندگی میں خلل آئے اس روز کئی دن کا بے دانہ و آب خستہ و خراب ضعف و
نقاہت سے ایک درخت کے کول میں غش ہو کر پڑا تھا چڑیمار نے دیکھا بے پاؤں اگر گردن پکڑ
اُس نے آنکھ کھولی گلا دست قضا میں پایا جینے سے ہاتھ اٹھایا یقین ہوا زیست اتنی تھی آج پیمانہ
بادۂ اجل سے لبریز ہو کر چھلکا پکارا اے گردوں دوں انا للہ و انا الیہ راجعون چڑیمار نے کمر
سے رسی کھول مضبوط باندھا پھر شہر کا رستہ لیا تھوڑی دور چل بندے نے کف افسوس مل کہا
اے شخص کیوں خون بے گناہ راندۂ درگاہ اپنی گردن پر لیتا ہے مصیبت زدہ کو اور دُکھ دیتا ہے
وہ بولا کیا خوب تو باتوں سے مجھے ڈراتا ہے اگر دیو بھوت جن آسیب جو بلا ہے بلا سے مگر تیرا چھوڑنا
ناروا ہے آج قسمت آزمائی ہے نعمت غیر مترقبہ ہاتھ آئی ہے تجھے بادشاہ کو دوں گا سو روپیے لوں گا
چین کروں گا یہ سنتے ہی سُن ہو گیا رہی سہی جان قالب سے نکل گئی ہر چند منت و سماجت سے
کہا لالچ کا کام بُرا ہوتا ہے کچھ کام نہ آیا چڑیمار نے جلد جلد قدم بڑھایا قریب شام شاد کام گھر آیا
جورو سے کہا اچھی ساعت گھر سے گیا تھا طائر مطلب بیدام و دانہ خواہش کے جال میں پھنسا یہ کہہ کر
خوب ہنسا اب دو کلمے یہ سنئے جس دن شہزادہ گرفتار بلائے تازہ ہوا یعنی چڑیمار کے دام حرص میں گرفتار
ہوا ملکہ دل گرفتہ خود بخود گھبرائی رو رو یہ بیت زبان پر لائی۔ استاد ؎ ہوئی کیا وہ تاثیر اے آہ تیری
تھی آگے تو کچھ بیشتر آزمائی ؛؛ انجمن آرا سے کہا تم نے سُنا یہ کمبخت بہت بڑا ہے کلیجہ کھایا جاتا ہے یقین جانو جانِ عالم
اسی ہیئت میں ہے اور آج خدا خیر کرے صبح سے یہ طرح دل ناکام کو اضطراب ہے جان زار کو پیچ و تاب ہے
گھر کاٹتا ہے غم کلیجہ چاٹتا ہے معلوم ہوتا ہے شہزادہ پکڑا گیا یا اور کوئی آفت تازہ ستم نو بے اندازہ

چرخ کہن دکھائیگا ہنسی کے بدلے رلائیگا
جنبش اسکی پلک کو گردان ہو
چشم عاشق لہو سے تر ہووے

غیرت جس سے جی کو کمال ہو الفت
دل میں یاں کاوش اک نمایاں ہو
واں دہن تنگ یاں ہے دل تنگی

جس کی جانب درست ہو نسبت
یار کو درد چشم اگر ہووے
حسن اور عشق میں ہے یکرنگی

انجمن آرا نے جھلا کر کہا اس سے اور فزوں کیا دنیا میں تباہی و خرابی ہو گی شہر چھٹا سلطنت گئی
ماں باپ و عزیز و اقربا کی جدائی نصیب ہوئی زخم دل و جگر آئے پڑے ہیں جان کے لالے پڑے ہیں مصحفی

مرض الموت سے کچھ کم نہیں آزار اپنا
دل میں دشمن کے بھی یارب نہ چبھے خار اپنا

اور جس کے واسطے آوارہ و سرگشتہ ہوئے یہ صدمے سے نحوست بخت نافرجام گردش ایام سے اسے کھو بیٹھے

وطن سے ہاتھ دھو بیٹھے اب رضینا بقضا مرضی مولیٰ از ہمہ ولیٰ۔ ناسخ سے مجھے فرقت کی اسیری سے
رہائی ہوتی ؛ کاش عیسیٰ کے عوض موت ہی آئی ہوتی ؛ ابر رحمت سے تو محروم رہی کشت مری ؛
کوئی بجلی ہی فلک تو نے گرائی ہوتی ؛ ہوں وہ غم دوست کہ سب اپنے ہی دل میں بھرتا ؛ غم عالم کی
اگر اس میں سمائی ہوتی ؛ یہاں تو یہ باتیں تھیں اُدھر چڑیمار کی جورو چراغ لیکر بندر کو دیکھنے لگی بندر
سوچا وہ کمبخت مرد بر سر رحم نہ ہوا کیا عجب یہ رنڈی ہے اگر نرم زبانی سے مذکور آفت سماوی سنے اور
مہربانی کرے اس خیال سے پہلے سلام کیا وہ ڈری تو یہ کلام کیا اے نیک بخت خوف نہ کرو باتیں میری

تصویر چڑیمار کی بندر لئے ہوئے اور اسکی جورو کا چراغ سے دیکھنا اور بندر کا سلام کرنا



گوش دل سے سن لے کنواریاں جی کی کڑی بھی ہوتی ہیں بندر کا بولنا اچنبھا سمجھ کر کہا کہہ وہ بولا ہم
غریب الوطن گرفتار رنج و مبتلائے محن گھر سے دور قید سے مجبور ہیں ماں باپ نے کس کس
ناز و نعم سے پالا فلک نے کون کون سی مصیبت دکھانے کو گھر سے نکالا یہانتک در بدر حیران
و پریشان کرکے برے دن دکھائے کہ تیرے پاس گرفتار ہو کر آئے۔ اُستاد ۔ پیدا کیا خدا نے کسی
کو نہیں عبث ؛ لایا مجھی کو یاں یہ جہاں آفریں عبث ؛ اب صبح کو جب ہم گردن مارے جائیں گے
تب سو روپئے تمہارے ہاتھ آئیں گے خون بیگناہ کی جزا حشر کے دن پاؤگے بیکنٹھ چھوڑ نرک میں
جاؤگے پیسہ روپیہ ہاتھ کا میل ہے اس پر جو میل کرتے ہو کتنے دن کھاؤگے دھبہ جیتے جی نہ چھوٹیگا
دھوتے دھوتے مرجاؤگے ۔ اگر ہمارے حال پر رحم کروگے خدا اور کوئی صورت کرے گا
سو روپیہ کے بدلے تمہارا گھر اشرفیوں سے بھرے گا ہمارے قتل میں گناہ بے لذت یا
ایک موذی کی حسرت نکلنے کے سوا اور کیا فائدہ ہے اگرچہ ایسا جینا مرنے سے بُرا ہے

لیکن خدا جانے ارادۂ ازلی مشیّت ایزدی کیا ہے ہماری تقدیر میں کیا کیا لکھا ہے۔ جو
خدا کے نام پر نثار ہے اللہ اس کا ہر حال میں مددگار ہے تو نے بادشاہ یمن کا قصہ سنا نہیں
ایک سلطنت للہ دی دو پائیں لالچیوں کی قضا آئی جانیں گنوائیں رنڈی موم کی ناک ہوتی ہے
جب گھر گئی جدہر پھیرا ادھر پھر گئی۔ بندر کی باتوں پر کچھ تعجب کچھ تاسف کر کے کہنے لگی۔

ہنومان جی وہ کہانی کیسی ہے سناؤ مہراج

فسانہ شاہ یمن سلطنت سائل کو دینا اور بی بی کو مع بیٹوں لے کر شہر سے باہر نکلنا راہ میں سوداگر کا فریب پھر فرزند کی جدائی آخر سلطنت ہاتھ آئی

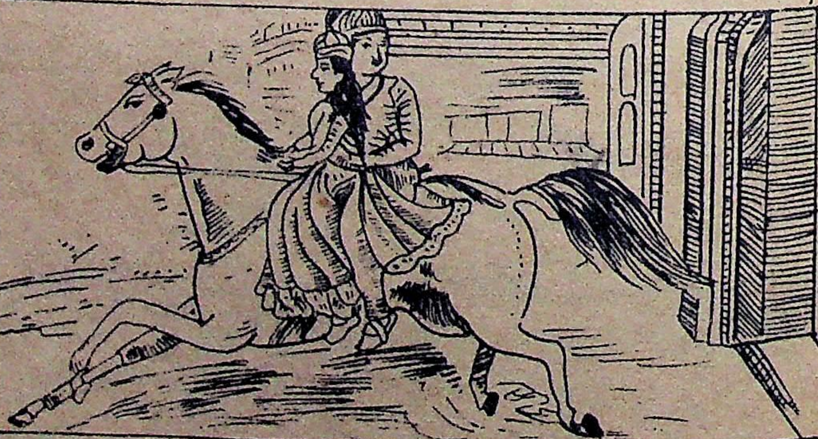
بندر نے کہا سرزمین یمن میں ایک بادشاہ تھا ملک اس کا مالا مال دولت لازوال بخشندۂ تاج و تخت نیک سیرت فرخندہ بخت جس دم سائل کی صدا گوش حق نیوش میں در آئی دہیں احتیاج بکار کی بر آئی یہانتک کہ لقب اُس کا خدا دوست نزدیک و دور مشہور ہوا۔ ایک روز کوئی شخص آیا اور سوال کیا کہ اگر تو خدا دوست ہے تو للہ تین دن مجھے سلطنت کرنے دے بادشاہ نے فرمایا بسم اللہ جو رکن سلطنت مسند نشین حکومت حاضر تھے بتاکید انھیں حکم ہوا کہ جو اسکی نافرمانی کرے گا مورد عتاب سلطانی ہوگا یہ فرما وہ فرمانروا تخت سے اٹھا سائل جا بیٹھا حکمرانی کرنے لگا چوتھے روز بادشاہ آیا کہا کیا قصد ہے سائل بولا پہلے تو وہ فقط امتحان تھا اب بادشاہت کا مزا ملا بارے خدا تاج و تخت مجھے یک لخت بخشدے بادشاہ نے فرمایا کہ یہ حکومت آپ کو مبارک ہو
بادشاہت دے کر کچھ نہ ہیہات لیا فقط لڑکوں کا ہاتھ میں ہاتھ بی بی کو ساتھ لیا

تصویر سائل کی تخت پر بیٹھنے کی اور بادشاہ کا بی بی و لڑکوں کو ساتھ لیکر چل نکلنا



دل کو سمجھایا کہ اتنے دنوں سلطنت کی حکومت کی چندے فقیری کی کیفیت فاقے کی لذت دیکھیے گو جاہ و حشم مفقود ہے مگر شاہی بہر کیف موجود ہے اس شہر سے کہیں اور چلنا فرض ہے حکم خدا قل سیروا فی الارض ہے۔ دنیا جائے دید ہے عنایت خالق سے کیا بعید ہے جو کوئی اور صورت نکلے ایک لڑکا سات برس کا دوسرا نو برس کا تھا غرض کہ وہ حق پرست شہر سے تہی دست نکلا بلکہ تکلف کا لباس بھی نہ لیا جامۂ عریانی جسم پر چست کیا اور چل نکلا دنیا کا او رنقشہ ہے مصرعہ کہ این عجوزہ عروس ہزار داماد است۔ کل وہ سلطنت شکوہ و فر افسر و تاج آج یہ مصیبت اذیت دربدر پیادہ پا سفر محتاج کبھی دو کوس کبھی چار کوس بے نقارہ و کوس بہزار رنج و تعب چلتا جو کچھ میسر آتا تو روزی ہوتی نہیں تو روزہ یوں ہی ہر روز راہ طے کرتا جب یہ نوبت پہونچی چندروز میں ایک شہر ملا مسافر خانے میں بادشاہ اُترا اتفاقاً ایک سوداگر بھی کسی سمت سے وارد ہوا قافلہ باہر اترا آپ ہوا کے گھوڑے پر سوار سیر کرتا ہوا مہمان سرا میں وارد ہوا شہزادی گو کہ گرد راہ صعوبت سفر میں مبتلا تھی لیکن اچھی صورت کبھی چھپی نہیں رہتی۔ سعدی ؎ حاجت مشاطہ نیست روئے دلآرام را۔ سوداگر کی جو آنکھ پڑی بیک نگاہ از خود رفتہ ہوا بادشاہ کے قریب آ کے سلام کیا بیچارے اللہ کے ولی وہ ولدالزنا شقی بادشاہ نے سلام کا جواب دیا اس عرصہ میں وہ غدار حیلہ سوچا بہت افسردہ خاطر ہو کر کہا اے عزیز میں تاجر ہوں قافلہ باہر اترا ہے میری عورت کو درد زہ ہو رہا ہے دائی کی تلاش میں دیر سے گدائی کر رہا ہوں ملتی نہیں تم بزرگ ہے

تصویر سوداگر کا شہزادی کو گھوڑے پر بٹھا کر لے بھاگنا



کج ادائی نہ کر اس نیک بخت کو ملدیے کر ساتھ کر دے کہ اسکے واسطہ سے اسکو رنج سے نجات ملے
وگرنہ ایک بندۂ خدا کا مُفت خون ہوتا ہے یہ اللہ کا نام سنکر گھبرا اُٹھے بی بی سے کہا نہ ہے نصیب
جو محتاجی میں کسی کی حاجت رفع ہو کام نکلے بسم اللہ دیر نہ کر اُسنے دم نہ مارا سوداگر کے ساتھ روانہ
ہوئی دروازے سے باہر نکل اُس غریب سے کہا قافلہ دور ہے مجھے آئے ہوئے عرصہ گذرا ہے آپ
گھوڑے پر چڑھ لیں تو جلد پہونچیں وہ فلک کی ستائی فریب نہ جانتی تھی سوار ہوئی سوداگر نے
گھوڑے پر بیٹھا باگ تو اٹھائی قافلے کے پاس آ کوچ کا حکم دیا آپ ایک سمت گھوڑا پھینکا اسوقت
اُس نیک بخت نے داد بیداد فریاد مچائی تڑپی روئی پیٹی چلائی آہ وزاری اسکی اس بیرحم سنگدل
کی خاطر میں نہ آئی بادشاہ پہر بھر منتظر رہا پھر خیال میں آیا خوب چلیئے دیکھئے وہاں کیا ماجرا ہوا بیٹوں کا ہاتھ
پکڑے سرائے نکلے ہر چند ڈھونڈھا نشان کے سوا قافلہ کا نشان نہ ملا دور گرد اُڑتی ہوئی دیکھی
جرس کی صدا سُنی نہ پاؤں میں دوڑنے کی طاقت نہ بی بی کے چھوٹنے کی دل کو تاب سب طرح
عذاب نہ کوئی یار نہ غمگسار نہ خداترس نہ فریادرس بحسرت و یاس قافلے کی سمت دیکھ کر یہ کہا مصحفی

ایسے ہی گر قدم ہیں اٹھائے تو ہم رہے	تو ہمرہان قافلہ سے کہیو اے صبا

ناچار لڑکوں کو لے کر اسی طرف چلا چند گام چلکر راہ بھول گیا ایک ندی ملی مگر نہ کشتی نہ ڈونگی نہ ملاح
راہ سے نا آشنا وہاں سیلاب کا گذر ایک نعرہ مارا اور ہر طرف ماہی بے آب سا واہی تباہی پھرا

تصویر بادشاہ کے دریا پر پہونچنے کی اور ایک لڑکے کو بھیڑیئے کا لیجانا اور دوسرے کا دریا میں گرنا



رہبر کامل کو پکارا ساحل مطلب سے ہمکنار نہ ہوا مگر کچھ ڈھب ڈھانے کا ڈھب

تھا ایک لڑکے کو کنارہ پر بٹھا چھوٹے کو کاندھے پر اٹھا دریا میں در آیا نصف پانی بصد گرانی
طے کیا تھا کنارے کا لڑکا بھیڑیا اٹھا لیچلا وہ چلایا بادشاہ آواز سنکر گھبرایا پھر کر دیکھنے جو لگا
کندھے کا لڑکا پانی میں گر پڑا ازیادہ مضطرب جو ہوا خود غوطے کھانے لگا لیکن زندگی باقی تھی
بہرکیف کنارے پر پہونچا دلمیں سمجھا بڑے بیٹے کو بھیڑیا لے گیا چھوٹا ڈوب مرا نیرنگی فلک سے عالم حیرت
بی بی کے چھٹنے کی غیرت بیٹوں کے الم سے دل کباب سلطنت کے دینے سے خستہ و خراب اسی پریشانی
میں شکر کرتا پھر چلا سہ پہر کو ایک شہر کے قریب پہونچا در شہر پناہ پر خلقت کی کثرت دیکھی ادھر آیا
اُس ملک کا یہ دستور تھا کہ جب بادشاہ عازم اقلیم عدم ہوتا ارکان سلطنت رؤسائے شہر وہاں آکر
باز اڑاتے تھے وہ جسکے سر پر بیٹھ جاتا اسے بادشاہ بناتے تھے چنانچہ یہ روز وہی تھا باز چھوڑ چکے
تھے ابھی کسی کے سر پر نہ بیٹھا تھا اس بادشاہ گدا صورت کا پہونچنا تھا کہ باز اُسکے سر پر آ بیٹھا
لوگ معمول کے موافق حاضر ہوئے تخت روبرو آیا ہرچند یہ تخت پر بیٹھنے سے باز رہا کہا مجھ گم کردہ

تصویر باز کے بیٹھنے کی بادشاہ کے سر پر اور لوگوں کا اُس کو بادشاہ بنانا



آشیاں کو سلطنت شایاں نہیں ہے میں نے اس علت سے اپنے مرز بوم شوم کو چھوڑا ہے حکومت
سے منھ موڑا ہے مگر وہ لوگ اسکے سر پر باز کا بیٹھنا عنقا سمجھ نہ باز رہے جو شاہین تھے تاڑ گئے
پر بین پہچان گئے کہ یہ مقرر ہمارے اوج سلطنت کا ہے قصہ مختصر رگڑا جھگڑا تخت طاؤس پر بٹھایا
نذریں دیں توپخانے میں شلک ہوئی بڑے تزک و حشمت سے آشیانۂ سلطنت کاشانۂ دولت میں داخل
کیا تمام قلمرو نقد و جنس اشیائے بحری و بری اُنکے تحت حکومت قبضۂ تصرف میں آیا گزرسکے پر نام
جاری ہوا منادی نے ندا دی دہائی پھر گئی کہ جو ظلم و جور کا بانی ہوگا وہ لیٹا کر گردن مارا جائیگا۔ موسم

شعر	پل میں چاہے تو گدا کو وہ کرے تخت نشیں	کچھ اچنبھا نہیں اس کا کہ خدا قادر ہے

کارخانۂ قدرت عجیب و غریب ہیں نہ اعتماد سلطنت نہ قیام غربت و حسرت ۔ مرزا رفیع سوداؔ

عجب نادان ہیں جن کو عجب ہے تاج سلطانی	فلک بالِ ہما کو پل میں سونپے ہے مگس رانی

یہ سلطنت تو کرنے لگا مگر افسردہ خاطر پژمردہ دل بہ سبب شرم و حیا منفعل حال کسی سے نہ کہتا تھا
شب و روز غمگین اور اندوہناک پڑا رہتا تھا جب وہ بلبل ہزار داستان یعنی فرزند شمع دودمان
یاد آتے تھے ظل سبحانی آہ کو لب پر لاتے تھے ۔ اب اُن لڑکوں کا حال سنیے جس کو بھیڑیا اٹھائے
لیے جاتا تھا اُدھر سے کوئی تیر انداز سبکدست آتا تھا اُسنے چھوڑا دیا دوسرا جو غوطے کھاتا تھا
اسکو ماہی گیر نے دام محبت میں الجھایا وہ دونوں لاولد تھے اسی شہر کے رہنے والے جہاں اُن
لڑکوں کا باپ بادشاہ ہوا تھا وہ اپنے اپنے گھر میں لابقدر مقدور لڑکوں کو پرورش کرنے لگے
جل جلالہ کیا سنگ تفرقہ فلک نے پھینکا کہ ایک دوسرے سے جدا ہوگیا ۔ چند عرصہ میں بیٹوں کی
مفارقت نے بادشاہ کو بیچین کیا وزیر سے فرمایا کہ دو لڑکے قوم شریف کے ہماری صحبت کے قابل لا
وزیر نے تمام شہر کر لڑکے طلب کئے حکم حاکم مرگ مفاجات وہ دونوں بھی آئے سبحان اللہ
جامع المتفرقین بھی اسی کا نام ہے بچھڑے ملانا اسکے روبرو کتنا کام ہے وہی وزیر کو پسند آئے روبرو
لایا بہ سبب طول زمان مفارقت اور تکلیف و عسرت نقشے بدل گئے تھے قطع او ہو گئی تھی نہ بادشاہ
نے پہچانا نہ تقاضائے سن سے لڑکوں نے باپ جانا اور نہ یہ سمجھ آئی کہ ہم دونوں بھائی ہیں یہ بھی
قدرت نمائی ہے ہم ہوئے مگر جدا ہے لیکن بادشاہ بہ محبت تمام مصروف عنایت علی الدوام تھا سب نے
سُنا ہے کامل کا یہ نکتہ ہے کل امر مرہون باوقاتہا تھوڑے دن میں معتمد و مقرب ہوئے اور وہ جو سوداگر
جو فروش گندم نما دغا کا پتلا یہاں کے پہلے بادشاہ سے رسائی علے سے شناسائی رکھتا تھا اس نظر
سے وہ بھی اُس عورت ناراض کو لے کر وہاں وارد ہوا آخر مرگ بادشاہ سنکر ملول ہوا کہ مطلب حصول ہوا
لوگوں نے کہا بادشاہ تازہ وارد اُس سے زیادہ خلیق و غریب پرور ہے بوساطت وزیر اعظم تحفہ تحائف
حضور میں نذر کر شرف اندوز ملازمت ہوا اسکو بھی بادشاہ نے نہ پہچانا نہ سوداگر نے حریف
جانا مگر بادشاہ اسکو ذی اعتبار سیاح دیار دیار سمجھ بیشتر اطراف و جوانب کا ذکر سنتا ایک دن قریب شام
حضور میں حاضر تھا بادشاہ نے فرمایا آج کی شب گھر نہ جانا کچھ پوچھنا ہے وہ بیٹھا تو مکدر و پریشان

بادشاہ نے تردد کا سبب پوچھا یہ باعث عنایت فی الجملہ گستاخ ہو چلا تھا دست بستہ عرض کی خانہ زاد کے پاس ایک عورت ناراض ہے اسکو فدوی سے اغماض ہے اسکی نگہبانی بذات خود کرتا ہوں ایسا نہ ہو کہ نکل کے راز پنہاں فاش کرے حمایتی تلاش کرے حکم ہوا یہ مقدمہ آج ہمارے ذمہ ہے۔ وہی لڑکے بسکہ معتمد تھے خاص دستہ اُنکے ہمراہ کر پاسبانی کی تاکید کی لڑکے آداب بجالا کر سوداگر کے مکان پر گئے باغ میں خیمہ برپا تھا۔ در خیمہ پر کرسی بچھا کر دونوں بیٹھے لوگ گرد کھڑے ہو گئے جب آدھی رات گذری ایک کو نیند آنے لگی دوسرے نے کہا سونا مناسب نہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی فتنہ خوابیدہ جاگے خیمہ سے کوئی چونک بھاگے وہ بولا تو ایسا فسانہ کہہ جو نیند اچٹنے کا بہانہ ہو اُس نے کہا خیر آج ہم اپنی سرگذشت کہتے ہیں اگر غور سے سنو گے تو نیند کیسی روز بھوک پیاس نہ آئیگی اے عزیز باتمیز میں بادشاہ یمن کا بیٹا ہوں میرا باپ بلا سلطنت سائل کو دے مجھے اور ایک میرا چھوٹا بھائی کہ وہ تم سے بہت مشابہ تھا اسکو اور اپنی بی بی کو ہمراہ لیکر غریب الوطن ہوا تھا راہ میں ایک سوداگر فریب سے شہزادی کو لیگیا ہم دونوں بھائی ساتھ رہے آگے چلکر دریا ملا ناؤ بیڑہ کچھ نہ تھا بادشاہ مجھ کو کنارے پر بٹھا چھوٹے کو کندھے پر اٹھا پار چلا مجھے بھیڑیے نے پکڑا میرے چلانے سے بادشاہ بدحواس ہوا بھائی دوش سے آغوش دریا میں کھسک پڑا غوطے کھانے لگا پھر نہیں معلوم کیا ہوا مجھے تیر انداز نے دہن گرگ سے چھوڑا یا اب فلک اس بادشاہ پاس لایا وہ رو کر لپٹ گیا کہا بھائی دریا میں ہم گرے تھے مچھلی والوں کے باعث ترے تھے پھر دونوں بغلگیر ہو ایسے چلائے کہ وہ عورت چونک پڑی پردے کے پاس آکر حال پوچھنے لگی انھوں نے ماجرائے گذشتہ بیان کیا وہ پردہ الٹ لڑکوں سے لپٹ گئی کہا ہم ابتک سوداگر کی قید میں ہیں اسیدم یہ خبر بادشاہ کو پہونچی سواری بھیجی طلب کیا اسوقت سب نے پہچانا سوداگر کو قید کیا صبحدم جب جلاد سپہر شمشیر شعاع کھینچکر ہنگامہ پرداز عالم ہوا سوداگر کو کاروان عدم کا ہمسفر کر بار ہستی سے سبکدوش کیا یمن میں اخبار نویسوں نے حال لکھا وہاں ہر بونگ مچا تھا وہ سائل ستم شعار بد بخت ظلم پیشہ جفا کار نکلا رعیت نالاں ارکان سلطنت ہراساں رہتے تھے ہزاروں رنج رات دن سہتے تھے جب یہ خبر وہاں پہونچی وزیر نے زہر دیکر اُسے مارا تلخکامی سے نجات پائی اور عرضداشت اپنی بادشاہ کو مع عنایت نامہ ہمہ تمام شہر کی تحریر کی بادشاہ کو بھی محبت وطن دلیں جوش زن ہوئی سفر کی تیاری ہونے لگی قطعہ حب الوطن از ملک سلیمان خوشتر

خار وطن از سنبل و ریحاں خوشتر؛ یوسف کہ بمصر بادشاہی میکرد؛ میگفت گدا بودن کنعاں خوشتر؛

القصہ یمن میں آیا دونوں سلطنتیں قبضہ میں رہیں جب بندر نے یہ فسانہ تمام کیا پھر کہا اے نیکبخت مطلب اس کہانی سے یہ تھا کہ جو بادشاہ عاشق اللہ خدا پر شاکر تھا ایک سلطنت دی دو پائیں یہ دونوں بدبخت جو لالچی تھے انھوں نے جانیں گنوائیں قیامت تک مطعون خلایق رہینگے جتنے نیک ہیں یہ قصہ سنکر بد کہینگے رنڈی ان باتوں سے بر سر رحم ہوئی بندر کی تسکین کی کہا تو خاطر جمع رکھ جبتک جیتی ہوں تجھے بادشاہ کو زندگی فاقہ نہ ہونے دونگی پھر اسے روٹی کھلا پانی پلا کھنڈری میں لٹا سو رہی صبح کو چڑیمار اٹھا بندر کے لیجانیکا قصد کیا عورت نے کہا آج اور قسمت آزما پھر جانور پکڑنے جا جو روٹی میسر آئے تو کیوں اسکی جان جلائے تو ہمیں ہتیا لگے بدنامی آئے نہیں تو کل لیجانا وہ بولا تو اسکے دم میں آگئی بندر نے کہا ماشاء اللہ رنڈی تو خدا پر شاکر ہے تو مرد کیوں مضطر ہوتا ہے باجی تو زن مرید ہوتے ہیں پھر وہ پٹک جھٹک جال پھٹکی اٹھا لاسا لکڑی ٹٹی کندھے پر سے لگا کر گھر سے نکلا یا تو دن بھر گھر سے خراب ہو کر دو تین جانور لاتا تھا اس روز دو پہر میں پچاس ساٹھ جانور ہاتھ آئے پھٹکی بھر گئی خوش خوش گھر پھرا کئی روپیے کو جانور بیچے آٹا دال لون تیل لکڑی خرید تھوڑی مٹھائی لے بھی دو چار ٹکے کا ٹھراپیا ہاتھ پیر پھول گئے جھومتے گیت گاتے گھر کا راستہ لیا مفلسی کا غم بھولگئے جورو سے آتے ہی کہا اری ہنومان جی کے قدم بھڑے بھاگوان ہیں بھگوان نے دیا کہ آج روپیہ دو لائے اتنے جانور ہاتھ آئے وہ گھر بسی بہت ہنسی پہلے مٹھائی بندر کو کھلائی پھر روٹی پکا آپ کھا کچھ اُسے کھلا پڑ رہی بندر بیچارا سمجھا چند روز پھر جان بچی جو فلک نے جل مرجائے اور اسکا رشک کرے مولف ؎ کیا شاخ گل پہ پھولکے بیٹھی ہے عندلیب؛ ڈرتا ہوں نہ چشم فلک کو برا لگے؛ جب لایا یار پاس ہی لایا اے سر فرو؛ گا ہے نہ نخل غم میں ثمر اس سوا لگے؛ اب رزق چڑیمار کی ترقی ہونے لگی تھوڑے دنوں میں گھر بار کپڑا لتا گہنا پاتا درست ہو گیا قضارا کوئی بڑا تاجر سرا میں بھٹیاری کے گھر میں اترا جسکی دیوار تلے چڑیمار رہتا تھا ایک روز بعد نماز عشا سوداگر وظیفہ پڑھتا تھا ناگاہ آواز خوب صدائے مرغوب جیسے لڑکا پیاری پیاری باتیں کرتا ہے اسکے کان میں آئی بھٹیاری سے پوچھا یہاں کون رہتا ہے وہ بولی چڑیمار سوداگر نے کہا اس کا لڑکا خوب باتیں کرتا ہے بھٹیاری بولی لڑکا بالا تو کوئی نہیں فقط جورو خصم رہتے ہیں سوداگر نے کہا اسوقت یہ کس کی آواز آتی ہے بھٹیاری جو آئی لڑکے کی آواز پائی وہ بولا اس صدا سے بوئے درد دیدار آتی ہے اس کو میرے پاس لا باتیں کرونگا جو لڑکے کو دونگا او تیرا بھی منھ میٹھا کرونگا بھٹیاری چڑیمار کے گھر گئی بندر باتیں کرتا تھا اُسے دیکھ چپ ہو رہا وہ دونوں بھٹیاری کے پانوں پر گر پڑے منت

کرنے لگے کہا ہم نے اسے بچوں کی طرح پالا ہے اپنا دکھ ٹالا ہے شہر پُر آشوب ہو رہا ہے بندر کش
بادشاہ اُترا ہے ایسا نہ ہو یہ خبر اڑتے اڑتے اسے پہونچے بندر چھن جائے ہم پر خرابی آئے وہ
بولی مجھے کیا کام جو ایسا کلام کروں سرا میں آکر سوداگر سے آکر کہا وہاں کوئی نہ تھا اُس نے کہا دیوانی
ابھی وہ آواز کس کی تھی بغور سننے کہ کیا معقول جواب وہ نامعقول دیتی ہے بولی بلیاں لوں بھلا
مجھے کیا غرض جو کہوں بندر بولتا ہے سوداگر خوب ہنسا پھر کہا تو سڑن ہے اری بندر کہیں بولتا ہے
پھر بولی جی گریب پر وصدکے گئی اسی سے تو میں بھی نہیں کہتی بندر بولتا ہے سوداگر کو سخت خلجان بمرتبۂ
خفقان ہوا کہ یہ کیا ماجرا ہے مکان قریب تھا خود چلا گیا اور دیکھا تو فی الحقیقت ایک عورت دوسرا
مرد چہچہند تیسرا بندر ہے یقین کامل ہوا یہی بندر بولتا تھا بھٹیاری بچی ہے وہ سوداگر کو دیکھ بندر کو
چھپانے لگی اُس نے کہا بھید کھل گیا اب پوشیدہ کرنا لاحاصل ہے مصلحت یہی ہے بندر ہمیں دیجو احتیاج
ہوا سکے جلد دیں لو نہیں بادشاہ سے اطلاع کرونگا یہ بیچارہ مارا جائیگا تمھارا کیا جائے گا دونوں
رونے پیٹنے لگے بندر سمجھا اب جان نہیں بچتی اتنی ہی زیست تھی چڑیمار سے کہا اے شخص فلک کج رفتار
گردوں دوار نے اتنی جفا پر صبر نہ کیا یہاں بھی چین نہ دیا مناسب یہی ہے رضائے الٰہی پر راضی ہو
مجھے حوالہ کرو قضا آئی ٹلتی نہیں تقدیر کے آگے تدبیر چلتی نہیں فرد بشر کو حکم قضا و قدر سے چارہ نہیں کسکے
ٹال دینے کا یارا نہیں اذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون چڑیمار نے کہا دیکھو بندر کی
ذات کیا بیوفا ہوتی ہے ہماری محنت و مشقت پر نظر نہ کی طوطے کی طرح آنکھ پھیر لی سوداگر کے ساتھ جانے
راضی ہو گیا بڑا آدمی جو دیکھا ہمارے پاس رہنے کا مطلق پاس نہ کیا بندر نے کہا اگر نہ جاؤں اپنی
جان کھوؤں تم پر خرابی لاؤں آخر کار بہزار گریہ و زاری سوداگر سے دونوں نے قسم لی کہ بادشاہ کو
نہ دینا اچھی طرح پرورش کرنا یہ کہہ کر بندر حوالے کیا سوداگر نے اسکے عوض بہت کچھ دیا بندر کو سرا میں
لا پیار کیا بدلداری و نرمی حال پوچھا بندر نے یہ چند شعر حسب حال تو اُکے روبرو پڑھے مرزا رفیع سوداؔ

نے بلبل چمن نہ گل نو دمیدہ ہوں
میں موسم بہار میں شاخ بریدہ ہوں

گریاں بہ شکل شیشہ و خنداں بہ شکل جام
اس میکدے کے بیچ عبث آفریدہ ہوں

میں کیا کہوں کہ کون ہوں سوداؔ بقول درد
جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

اے عزیز آتش کاروان نقش پائے یاران رفتگان ظاہر ہوں گر نہاں ہوں بلبل دور از گلزار گم کردہ

آشیاں صیاد درپے آزار گھات میں باغباں کیونکر نہ سرگرم فغاں ہوں حضرت عشق کی عنایت ہے
زمانے کی شکایت ہے حاجت روائے عالم محتاج ہے تخت ہے نہ افسر ہے نہ وہ سر ہے نہ تاج ہے
غریب و یار چرخ موجد آزار شفیق و مہربان نہیں حال زار کا کوئی پُرسان نہیں حیرت کا کیوں مبتلا ہوا
اپنے ہاتھ سے اسیر دام بلا ہوں خود گرفتار پنجۂ ستم ہوا کبھی مجھے جن کا الم تھا اب انھیں میرا غم ہوا
مرنے سے ہم اس لیے جی چھپاتے ہیں کہ ہمدم میرے فراق میں موئے جاتے ہیں مجھے دام مکر میں
الجھایا دوستوں کو میرے دشمن کے پھندے میں پھنسایا گردش چرخ سے عجیب سانحہ پیش آیا میر تقی

سخت مشکل ہے سخت ہے بیداد
ایک میں خون گرفتہ سو جلاد
کوئی مشفق نہیں جو ہووے شفیق
بیکسی چھٹ نہیں ہے کوئی رفیق
آہ جو ہمدمی سے کرتی ہے
اب تو وہ بھی کمی سی کرتی ہے
اب ٹھہرتا نہیں ہے پائے ثبات
ایک میں اور ہزار تصدیعات
مصرعہ گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

مگر آج خوش قسمتی سے آپ سا قدردان ہاتھ آیا ہے انتشار طبیعت برطرف ہو تو بہ دلجمعی تمام آغاز سے تا
انجام اپنی داستان غم سانحہ ستم گذارش کرونگا سوداگر کے اس مضمون دردناک سے آنسو ٹپک پڑے سمجھا یہ
بندر نہیں کوئی فصیح و بلیغ عالی خاندان والا دودمان سحر میں پھنس گیا ہے کہا اطمینان خاطر رکھ تیری جان
کے ساتھ میری جان ہے اب زیست کا یہی سامان ہے بندر کو تسکین کامل حاصل ہوئی غزلیں پڑھیں
نقل و حکایات میں سرگرم رہا اپنا حال پھر کچھ نہ کہا تمام شب سوداگر نہ سویا اسکے بیان جانکاہ پر خوب
رویا اب بہت تعظیم و تکریم سے بندر رہنے لگا مگر امر شدنی بہرکیف ہوا چاہے ہے راز فاش ہوا اگر
خدا چاہے سوداگر کا یہ انداز ہوا جو شخص نیا اسکی ملاقات کو آتا اسے بندر کی باتیں سنواتا وہ استعجاب سے
غرق بحر فکر ہوتا ہر جگہ ذکر ہوتا آخر شہر اسکی گویائی کا چرچا کوچہ و بازار میں مچا اور یہ خبر اس کو رنگ
محسن کش کے گوش زد ہوئی سنتے ہی سمجھا یہ وہی ہے بعد مدت فلک نے پتہ لگایا اب مطلب ہاتھ آیا فوراً
چوبدار بندر کے لینے کو سوداگر کے پاس بھیجا یہ بہت گھبرایا اور تو کچھ بن نہ آیا بصد عجز و نیاز عرضداشت کی
غلام صاحب اولاد نہیں اس اندوہ میں دل مضطر شاد نہیں طبیعت بہلانے کو اسے بچہ سا ایک
فرزندوں کی طرح پالا ہے رات دن دیکھا بھالا ہے بندر ہے مگر عنقا ہے مفارقت اسکی خانہ زاد
کی جان لیگی آیندہ جو حضور کی مرضی چوبدار یہاں سے خالی پھرا وہ ظالم اظلم غضب میں بھرا
وہاں کے بادشاہ کو لکھا اگر سلطنت اور آبادی مملکت اپنی منظور ہو سوداگر سے جلد بندر لے کر

یہاں بھید دنہیں تو اینٹ سے اینٹ بجادوں گا نام ونشان مٹادوں گا یہ خبر وحشت اثر سُنکے
غضنفر شاہ متردد ہوا مشیران خوش تدبیر امیر وزیر سمجھانے لگے کہ خداوند نعمت ایک جانور کی خاطر
آدمیوں کا کشت وخون زبوں ہے حکم ہوا کہ کچھ لوگ سرکاری وہاں جائیں جسطرح بنے سوداگر سے
پکڑ لائیں ڈیوڑھی پر پہونچائیں جب بادشاہی دستہ سرا میں آیا بندر دست بستہ زبان پر لایا
کہ اے مونس غمگسار و وفا شعار اس اجل رسیدہ کے باب میں کد وکوشش بیکار ہے سراسر بیجا ہے
قضا کا زمانہ قریب پہونچا در ناکامی وا ہے مبادا کسی طرح کا رنج میری دوستی میں تمھارے دشمنوں کو
پہونچے تو مجھے حشر تک حجاب وندامت رہے خلق خدا برا بھلا کہے سوداگر نے کہا استغفر اللہ کیا
بات ہے جو کہا وہ سر کے ساتھ ہے جب بادشاہ کے لوگوں کا تقاضائے شدید ہوا اور دن کم رہا
بعد رد وقدح بہ معذرت بسیار منت بیشمار ہزار دینار دے کر اس شب مہلت لی اور صبح کے وقت
چلنے کی ٹھہری بموجب مثل مصرعہ ؎ زر بہ سر فولاد نہی نرم شود اس عرصہ میں یہ حال تباہ وماجرائے
جانکاہ گلی کوچے میں زبان زد خاص وعام ہوا کہ ایک بندر کسی سوداگر کے پاس باتیں کرتا تھا وہ
بھی کل مارا جائیگا بمجرد یکہ اُس کشتۂ انتظار مایوس دلفگار یعنی ملکہ مہرنگار کو بھی معلوم ہوا دو شنید جانعالم
تجھی کہ یہ بندر نہیں شہزادہ ہے افسوس صد افسوس اب کونسی تدبیر کیجیے جو اس بیکس کی جان بچے
دلگوسوس و زیر زادے کو کوس پوچھا دم سحر کدھر سے وہ سوداگر جائیگا یہ تماشہ ہمارے دیکھنے میں
کیونکر آئیگا لوگوں نے عرض کی حضور کے جھروکے تلے شاہراہ ہے یہی ہر سمت کی گذرگاہ ہے
یہ سنکر تمام شب تڑپا کی نیند نہ آئی دو گھڑی رات سے برآمدے میں برآمد ہوئی اور ایک طائر
میں پاس رکھ لیا گجر سے پیشتر بازار میں ہلڑ تھا تماشائیوں کا میلہ سا ہو گیا جس وقت تاجر ماہ نے متاع
انجم کو تہ خانۂ مغرب میں چھپایا اور شحنۂ چرخ چہارم خونخواری کو مشرق سے نکل آیا سوداگر نماز
صبح پڑھ ہاتھی پر سوار ہو کر کمر میں پیش قبض رکھ گود میں بندر کو بٹھا مرنے پر کمر مضبوط باندھ کر چلا
بندر سے کہا پریشان نہ ہو جب تقریر سے اور اسراف کثیر سے کام نہ نکلے گا جو بن پڑیگا وہ کرونگا
اپنے جیتے جی تجھے مرنے نہ دونگا قول مرداں جان دارد اور بمصرعہ بعد از سر من کن فیکون شد
شدہ باشد سوداگر کا راستے سراسیمہ آگے بڑھنا تھا کہ خلقت نے چار طرف سے گھیر لیا بندر
لوگوں سے مخاطب ہو کر یہ کہنے لگا۔ بیت ؎

برق طپیدہ باشرر پرجیدہ ہوں	جس رنگ میں ہوں میں غرض از خود رمیدہ ہوں
اے اہل بزم میں بھی مرقع میں دہر کے	تصویر ہوں ولے لب حسرت گزیدہ ہوں
صیاد اپنا دام اٹھالے کہ جوں صبا	ہوں تو چمن میں پر گل عشرت نہ چیدہ ہوں
اے آہ و نالہ مجھ سے نہ آگے چلو کہ میں	بچھڑا ہوں کارواں سے مسافر جریدہ ہوں
غم ہوں الم ہوں درد ہوں سوز و گداز ہوں	سب اہل دل کے واسطے میں آفریدہ ہوں

صاحبو دنیائے دوں نیرنگی زمانہ سفلہ پرور بوقلموں عبرت و دیدہ کی جا ہے گرما گرم آیند و روند کا بازار ہے کس و ناکس جنس ناپائدار ہے لہو و لعب کا خریدار ہے اپنے کام میں مصروف قضا ہے جو شے ہے فنا ہے معاملات قضا و قدر سے ہر ایک ناچار ہے یہی مسئلہ جبر و اختیار ہے کوئی کسی کی عداوت میں ہے کوئی کسی کا شیدا ہے جسے دیکھا آزاد نہ پایا کسی نہ کسی بکھیڑے میں مبتلا ہے ایک کو اتنا سوجھتا نہیں کیا لین دین ہو رہا ہے سود کی اُمید میں سراسر زیاں ہے سڑی ہونیکا سودا ہے اسکی قدرت ناطقہ دیکھو مجھ سے بیزبان ناچیز کو بے تکلف گویائی عنایت کیا تم سب کا سامعون میں چہرہ لکھ دیا باتیں سننے کو ساتھ چلے آتے ہو جدائی میری شاق ہے جو ہے مشتاق ہے حال زار پر رحم کھا آنسو بہاتے ہو یہ رحیمی کی صفت ہے شان تمہاری دیکھو اسی تقریر کی دھوم سے ایک ظالم شوم سے مجھ مظلوم کا مقابلہ ہوتا ہے یقین کامل ہے وہ قتل کریگا بیگناہ کے خون سے ہاتھ بھریگا سود الوجہ فی الدارین ہوگا تب اُسے آرام و چین ہوگا یہ گویائی گویا پیام مرگ تھا دیا جائے آزمایش ہے نادان جانتے ہیں مقام قابل آرام و آسایش ہے دو روزہ زیست کی خاطر کیا کیا ساز و سامان پیدا کرتے ہیں فرعون بے سامان ہو کر زمین پر پانوں نہیں دھرتے ہیں جب سر کو اٹھا آنکھ بند کر چلتے ہیں خاکساروں کے سر کچلتے ہیں آخر کار حسرت و ارمان نقطے کر مرتے ہیں جان اسکی جستجو میں کھوتے ہیں جو شے ہاتھ آئے ذلت سے جمع ہو پریشانی و مشقت سے پاس رہے زحمت سے چھوٹ جائے یاس و حسرت سے پھر تربت پر ہاتھ دھر روتے ہیں۔ ناسخ ؎

دنیا اک زال بیسوا ہے	بے مہر و وفا و بے حیا ہے
مردوں کیلئے زن ہے رہزن	دنیا کی عدو ہے دین کی دشمن
پھرتی ہے برنگ نرد گھر گھر	رہتی نہیں ایک جا یہ جم کر

انجام شاہ و گدا دو گز کفن اور تختہ تابوت سے سوا نہیں کسی کی ادھی یا مٹی دی گاڑ دیا یا بہ تحریر کربلا کسی کو گز بھی گاڑھا میسر ہوا بعد کرب و بلا اُسنے صندل کا تختہ لگایا

اُسنے ہیر کے چیلوں میں چھپایا کسی نے بعد مرگ سنگ مرمر کا مقبرہ بنایا کسی نے مرمر کے گور گڑھا پایا کسی کا
مزار مطلا منقش زنگار رنگ ہے کسی کی مانند سینۂ جاہل گور تنگ ہے حسرت دنیا سے کفن چاک
ہوا بستر دونوں کا فرش خاک ہوا نہ امیر سمور و قاقم کا فرش بچھا سکا نہ فقیر پھٹی شطرنجی اور ٹوٹا بوریا
لا سکا بعد چندے جب گردش چرخ نے گنبد گرایا اینٹ سے اینٹ کو بجایا تو ایک نے نہ بتایا کہ دونوں
میں یہ گور شاہ ہے یہ لحد فقیر ہے اسکو مرگ جوانی نصیب ہوئی یہ استخواں بوسیدہ پیر ہے سو یہ بھی
خوش نصیب نیک کمائی والے گور گڑھا کفن پاتے ہیں نہیں تو سیکڑوں ہاتھ رکھ کر مر جاتے ہیں
لوگ در گور کہہ کر چلے آتے ہیں کتے بلی چیل کوتے بوٹیاں نوچ نوچ کر کھاتے ہیں دامن دشت عریاں
کفن گور بے چراغ صحرا انکا صحن ہوتا ہے یاس و حسرت کے سوا کوئی نہ سرہانے روتا ہے تمنا بے جھٹ
کوئی پائنتی نہ ہوتا ہے سا لہا مقبروں کی عمارات عالی اور ساز و سامان کی دیکھا بھالی میں رنج اسیر رہے
ہزاروں رنج گور بے چراغ غریباں کی دید میں بیٹھے بٹھائے سہے حرف نقش ہے کہ والی و وارث انکے
سریر سلطنت مسند حکومت پر شب و روز جلوہ افروز ہیں مگر تنبیہہ غافلوں کو قدرت حق سے
گنبدوں میں آشیانۂ زاغ و زغن میناروں پر مسکن بوم شوم قبروں پر کتے لوٹتے دیکھے یہ سرع

مزار غریباں تاسف کی جا ہے
وہ سوتے ہیں پھرتے جو کل جا بجا تھے

رنگ چمن صرف خزاں دیکھا ڈھلا ہوا حسن گلرخاں دیکھا اگر گل خنداں پر جوبن ہے بہار ہے
غور کیا تو پہلوئے نازنیں میں نشتر سے زیادہ خلش خار ہے سینہ فگار ہے دنیا میں دن رات ق ذق
بق بق ہے کوئی چیچے کرتا ہے کسی کو تلق ہے نوش کے ساتھ گزندنیش ہے ہر ہر ور کو کرہ می منزل در پیش ہوا الف ہے

بلبل کو خزاں میں جان کھوتے پایا
گلچیں کی بھی نیند اُڑ گئی یک سرِ دار
صیاد کو سر ٹیک کے روتے پایا
جو اہل دول تھے انکو سوتے پایا

مدتوں صدائے مرغ سحر کے رنج اٹھائے کبھی دم نہ مارا شکوہ لب پر نہ لائے برسوں ندائے اللہ اکبر
کے صدمے سے شکر کیا چپ رہے مہینوں گجر کی آواز نے دم بند کیا قلق جی پر لیا نالہ نہ بلند کیا
سوچے تو وصل مہرویان خواب شب تھا لطف انکا عین غضب تھا تمام عالم کی خوب سیر کی کبھی حرم
محترم میں مسکن رہا گاہ دھونی رمائی کنشت و دیر کی عالم سے آیۂ حدیث وعظ پند ناقوس برہمن سُن
سر دُھنتا وہ بدکیش تابع ملت صنم لطف نسیت خط نفس کا دشمن تھا یہ کوتہ اندیش رخنہ پرداز

اہل ایمان و دین کا رہزن تھا تامل کیا تو اُن دونوں سے دور حسد بغض بیر ہونا معلوم اپنے نزدیک
اُن کا انجام بخیر ہونا معلوم واللہ اعلم یہ لوگ کیا سمجھے خود اچھے ٹھہرے اور کو بُرا سمجھے مطلب کی
بات بیہات دونوں کی سمجھ میں نہ آئی بایں دانائی اُن سے خدا سمجھے ۔ مؤلف ؎

اچھے کو بُرا بُرے کو اچھا سمجھے	کتنی یہ بُری سمجھ ہے اچھا سمجھے

دنیا فقط رہگذر ہے ہر دم مثال تار نفس درپیش سفر ہے تا زیست ہزاروں مفسدے ہیں ڈر ہے
مرنے کے بعد باز پُرس کا خطر ہے کسی طرح انسان کو مفر نہیں کون سا نفع ہے جسکی تلاش میں ضرر
نہیں حاصل کار یہ ہے کہ دنیا میں جینے کی خوشی نہ مرنے کا غم کرے تا مقدور کسیکی خاطر نہ برہم کرے گر شعر

نیم شبے آہ زند پیر زال	دولت صد سالہ کند پائمال

دل شکستہ کی دلداری یا فتادہ کی مددگاری کرے ہوا و ہوس جو دل سے دوچار ہو جائیں تو
مال سے یا کمال سے عجب و نخوت نزدیک نہ آئے عنایت ایزدی پر قانع ہو شکر ہر نعمت سپاس ہر
خدمت کرے منہیات کا مانع ہو رنج کا حامل رہے سب رنگ میں شامل رہے زمانہ کے مکروہات سے
گھبرائے نہیں صحبت غیر جنس سے نفرت کرے تو بدنامی پاس آئے نہیں دولت کا اعتبار کیا مفلسی
سے ننگ و عار کیا ایک دن مرنا ہے جینا مستعار ہے اسپر کس کا اختیار ہے نیک عمل کا خیال
رکھے کہ قید ہستی زیست کا نام ہے رہائی یہاں سے انجام ہے ۔ شعر ؎

کسی کے مرگ پہ اے دل نہ کیجیے چشم تر ہرگز	بہت سا روئیے اُن پر جو اس جینے پہ مرتے ہیں

عمر خضر کی تمنا اور حشمت خسروانہ خزانہ قارون کی فکر میں ہر ایک صبح و مسا ذلیل و خوار ہے تحصیل
لاحاصل کوشش اس امر میں سراسر بیکار ہے ۔ بقول ناسخ ؎

ہاتھ آتی ہے کب علم و ہنر سے دولت	ملتی ہے قضا و قدر سے دولت
جو علم و ہنر رکھتے ہیں وہ ہیں محروم	مانوس ہے بل احمق و خر سے دولت

روپے کا جمع ہونا جواہر کی تلاش میں دن کا جاگنا چاندی سونے کی اُمید میں رات کا نہ سونا
سیمیں تن لعل لبوں سے ہم ہونا جنھیں میسر ہر بار ہے انھیں مفارقت دنیا ناگوار ہے اور یہ کلام ہے مؤلف

یاں کے جانے سے جی الجھتا ہے	کیا ہی دلکش سرائے فانی ہے

سلف سے اہل کمال دنیا کے مال سے محروم رہے جو سزاوار حکومت تھے وہ محکوم ہے شعر

اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالاں
طوق زریں ہمہ گردن خرمی بینم

لیکن کبھی صبح عشرت ہے گاہ الم کی شام ہے دنیا عجب مقام ہے نہ امیر ہوتے عرصہ نہ فقیر ہوتے کچھ دیر ہے اس کارگاہ بے ثبات میں عجب اندھیر ہے۔ سوا اسکے

ہے چرخ جب سے ابلقِ ایام پر سوار
رکھتا نہیں یہ ہاتھ عنان کا بیک قرار
جنکے طویلے بیچ کئی دن کا ذکر ہے
ہرگز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار
اب دیکھتا ہوں میں کہ زمانے کے ہاتھ سے
موچی سے کفش پا کو گٹھاتے ہیں وہ اُدھار

اور جب وعدہ آپہونچا تو نہ روپیہ کام آتا ہے نہ فوج ظفر موج سے کچھ ہو نہ تہمتن جرار بچاتا ہے کوئی آشنا دوست آڑے آئے نہ عزیز و اقربا پنجۂ ملک الموت سے چھوڑائے اگر یہی مانع قضا و قدر ہوتے جمشید و کاؤس دارا و سکندر بصد حسرت و افسوس جان نہ کھوتے نیک عمل کرے تو وہ ساتھ جاتا ہے احتیاج کسی کی بر لائے یا للہ کچھ دے یہ البتہ کام آتا ہے وگرنہ دنیا سراب زندگی بدتر از حباب ہے پابند اس کا خراب ترک کرے تو لا نایاب ہے

شعر
ترک دنیا کا سوچ گیا ناسخ
کچھ بڑی ایسی کائنات نہیں

شعر
اس گلشن ہستی میں عجب سیر ہے لیکن
جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا

قطعہ
دنیا خوابیست کش عدم تعبیر است
صید اجل است از جوان و پیر است
ہم روئے زمین پر است وہم زیر زمیں
ایں صفحۂ خاک ہر دو رو تصویر است

الا مقتضائے عقل یہ ہے کہ عالم اسباب میں کسی اسباب کا پابند نہ ہو تعلق خاطر نہ رکھے ہمیشہ اُسنے بھلے سے برائی کی ہے جو گیا یہاں سے یعنی جہان گذران سے اس کا شاکی تھا بادشاہ سے فقیر تک جوان سے پیر تک حقیقت میں نفس امّارہ سخت ناکارہ ہے اسکو بہر کیف پچھاڑے گرد ہوا و ہوس سے دامن جھاڑے

شعر
دیوانہ باش تا غم تو دیگراں خورند
آنرا کہ عقل بیش غم روزگار بیش

آدمی کو لازم ہے وہ بات پیدا کرے تا صفحۂ دنیا پر چندے بہ نیکی نام یاد رہے۔

شعر
اس طرح جی کہ بعد مرنے کے
یاد کوئی تو گاہ گاہ کرے

دنیا میں کسی سے دل نہ لگائے کہ یہ کارخانہ بہت بے ثبات ہے وصل سے فرحت ہجر کی مصیبت اپنے سر پر نہ لائے کہ مرجانے کی بات ہے معشوق باوفا عنقا کی طرح ناپید ہے اور پر دغا ہر جائی ہر جا ہویدا ہے خواہش کا انجام کاہش ہے تمنا دل سے دور کرنے میں جان کی آسایش ہے۔ مؤلف

خراب و خستہ ہیں اس دل کی آرزو سے رہا	کبھی نہ چین سے رہنے دیا تمنا نے

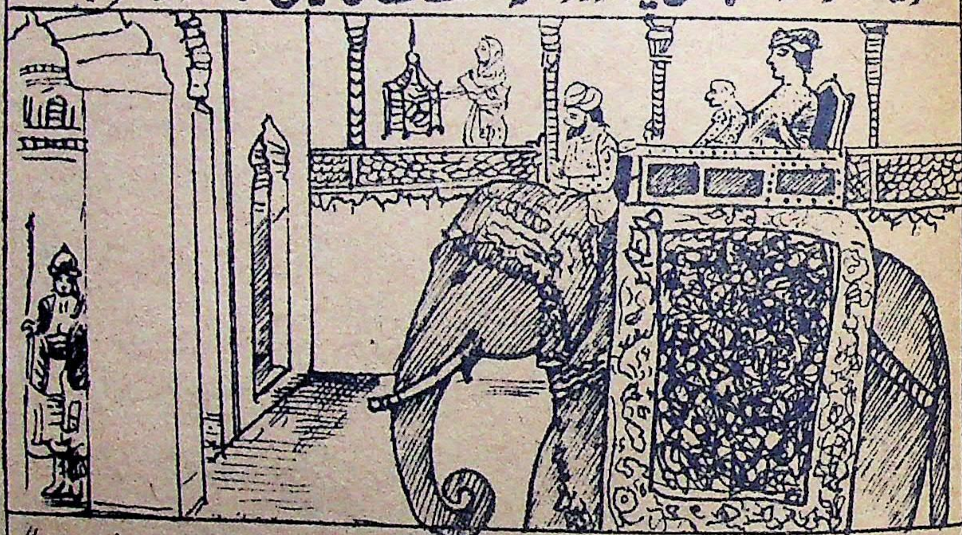
مگر وائے قسمت ہائے نادانی کہ جب نشہ جوانی کا موسم پیری میں خمار اترتا ہے اسوقت آدمی سر پر ہاتھ دھر کر روتا ہے وقت از دست رفتہ و تیر از شست جستہ کب ہاتھ آتا ہے ناچار ہو کف افسوس ملکر پچھتاتا ہے گذشتہ را صلوٰت کہکر دلکو سمجھاتا ہے آدمیوں کو بند کی تقریر دلخراش پر اثر سے عبرت و حیرت حاصل تھی کبھی نصیحت و پند نگاہ کلام رنگین و دلچسپ بادل دردمند کبھی سخنان وحشت افزا سناتا چلا جاتا تھا اہل دل طبیعت کے گدازنے رو رہے تھے ہر فقرہ پر درد پر ضبط نہ ہو سکتا تھا چلاتے تھے خلق خدا جنازہ کی طرح ہاتھی کے ہمراہ تھی ایک عالم کے لب نالے تھے فغان و آہ تھی اسی سامان سے ملکہ کے جھروکے تلے پہونچے وہ منتظر تمام شب نالہ بلبل سوداگر سے بولی ایک دم ٹھہر جا میں اسکی تقریر کی شائق ہوں سوداگر نے ہاتھی روکا ملکہ نے کہا اے مقرب زبان گم کردہ خانماں اگرچہ اب ہم کس لائق ہیں مگر تیری داستان ظلم و جور کے شائق ہیں بند نے آواز پہچانی پہلے تو خوب رویا پھر جی ٹھہرا کر کہنے لگا شعر ہر کس از دست غیر نالہ کند :: سعدی از دست خویشتن فریاد :: تیرے کیونکہ کہئے کوئی نہیں آگاہ :: اک قیامت بپا ہے یاں سرراہ :: کچھ چھپا اب نہیں رہا یہ راز :: ہے جہاں اس سے سب سخن پرواز :: بس تغافل نہ کر ترحم کر :: گوش دل جانب تکلم کر :: شعر قسمت تو دیکھنا کہ کہاں ٹوٹی جا کمند :: دو تین ہاتھ جبکہ لب بام رہ گیا :: افسوس یار نے عیاری کی دغا سے یہ نوبت ہماری کی جس کا رونا ہیں نا گوار تھا وہ ہمارے لہو کا پیاسا قتل کا روادار تھا یہ مثل سچ ہے تیرھویں صدی ہے نیکی کا بدلہ بدی ہے مجنوں کی تمنا دلہیں رہی وطن جانیکی حسرت آب و گل میں رہی دوستوں کا کہنا نہ مانا وہ آگے آیا پچھتانا پڑا اب اجل جلاد کے فریب سے ذبح ہوئے طالب و مطلوب جان جوکھوں میں پھنسے زندہ درگور ہوے الحق دنیا دم مارنیکی جا نہیں راز کسی سے کہنا اچھا نہیں منصور حلاج نے کلمہ حق کہا تھا ناحق لوگوں نے دار پر کھینچا غرض جو بولا مارا گیا جان سے بیچارا گیا کہتے تو کہا پر سوچکر بات بنائی جی میں دہشت آئی کہ مبادا یہ خبر اس کافر کو پہونچے تو یقین ہو کہا اے ملکہ کوئی کسی کمال سے دنیا میں نہال ہوتا ہے یہ بیگناہ گویائی کے سبب ناحق حرامزادی کی بدولت حلال ہوتا ہے۔ مولف کمال شئے ذلیل شے ہے اُس پر لاکھ حاسد ہوں :: بھلا نازاں نہوں کیونکر میں اپنی بے کمالی کا :: خدا جانے ہے دیکھا دیکھکر چاند منہ کس کا :: ہوئی ہے عید غیروں کو ہمیں ہے چاند خالی کا :: میں نے اپنے ہاتھ سے پیر و نہیں کلہاڑی ماری ملکہ بنا کر بات بگاڑی شعر لے روشنی طبع تو برمن بلا شدی :: شعر گل و گلچیں کا گلہ بلبل خوش لہجہ نہ کر تو گرفتار ہوئی اپنی صدا کے باعث :: اب سر دست کچھ تدبیر نہیں آتی ہے صورت مرگ آئینہ چشم میں نظر ہے

ہماری ہمیں کو خبر ہے کوئی گھڑی میں مفت جان جاتی ہے جو جانتا ہے وہ دیکھتا ہے جسے خبر نہیں اس سے کہدو تمھارے واسطے غریب یار ہوئے اور تمھارے سبب سے قتل کے سزاوار ہوئے شعر

بجرم عشق توام می کشند و غوغائیست　　　تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

ان باتوں سے رہے سہے شک ملکہ کے برطرف ہوئے سمجھی جانعالم یہی ہے جواب یا جو جانتے تھے اُن سے کیا ہو سکا انجان کو تکلیف دینے سے کیا فائدہ او طوطے کی گردن مروڑ پنجرا باہر نکالا بندر کی نگاہ جو پنجرے پر پڑی سمجھا ملکہ پہچان گئی یہی فرصت کا وقت ہے ہنگامۂ تلاطم تو مچا تھا کسی نے دیکھا نہ بھالا بندر سوداگر کی گود میں لیٹ کر طوطے کے قالب میں پرواز کر آیا طوطا پھڑکا ملکہ کا خوشی سے دل دھڑکا پنجرا اندر کھینچ لیا

تصویر سوداگر معہ بندر ہاتھی پر سوار او ملکہ کا طوطے کے قالب میں لانا بندر کو او مرنا بندر کا



سوداگر نے دیکھا بندر مر گیا چاہا ہلاک ہو بدنامی کا قصہ پاک ہو جو شخص خواصی میں بیٹھا تھا سمجھانے لگا بندہ پرور شکر کرنے کی جا ہے شکایت کا موقع کیا ہے حرمت رہی جان بچی مرگ فرزند سے ماں باپ کو چارہ نہیں مرجانا بجز حمقا عقلمند کو گوارا نہیں اگر بادشاہ جبر سے چھین کر بندر کو مار ڈالتا جان کھونے کی جگہ تھی صبر کیجیے جو خدا کی مرضی اسکی رضا میں مجبوری ہے جائے صبوری ہے صابروں کا مرتبہ بڑا ہے اُنکے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم نے سنا ہے اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰابِرِیْنَ تماشائیوں پر جو یہ حال کھلا رونے پیٹنے کا دفعتاً شور و غل مچا سب متفق ہو کر یہی کہا بسکہ بندر عقیل تھا رہ پیام طلب کو بس رحیل تھا سامنے جانے کی نوبت نہ آئی سوداگر کی گود میں جان گنوائی اپنا قتل جو ثابت ہو خوف سے مر گیا داغ تقریر ہمارے صفحۂ دل پہ دھر گیا یہ خبر اس کافر کو پہونچی اُسے بھی چین

نہ آیا لاش منگا جلا کر دل ٹھنڈا کیا خاک تک باد کی جب تسکین ہوئی وہاں ملکہ مہر نگار پنجرہ سے بیٹھی لوگوں کو
پاس سے سرکا دیا میاں مٹھو نے ہو بہو ابتدا سے انتہا تک مفصل سب حال سنا دیا کہ اس طرح نشہ کی حالت میں
اس کے رٹنے پر عمل بتایا وہ ہمیں پر عمل میں لایا بندر بنایا پھر چڑیمار کے جال میں پھنسے دوست روئے
دشمن ہنسے وہاں سے سوداگر متاع خوبی سمجھ کر اپنے پاس لایا فلک نے بعد خرابی بسیار آج تم سے ملایا ملکہ
نے کہا خاطر پریشان جمع رکھیے انشاء اللہ تعالیٰ جلد کوئی صورت ہوئی جاتی ہے یہاں یہ گفتگو تھی کہ اُس
نطفۂ شیطان کی آمد ہوئی ملکہ باہر نکل آئی تعظیم کی ہمیشہ یہ معمول تھا جب وہ آتا ملکہ بات نہ کرتی خفیف ہو کر
اُٹھ جاتا اُس روز جو گفتگو ہوئی وہ مردک سمجھا بندر کا مرنا بچشم ملکہ نے دیکھا اس سے دب گئی ہمکلام ہوئی
اب جلدی نہ کرو امروز فردا میں مقدمہ درست ہو جائے گا لیکن پہلے اس سے فیصلہ شرط ہے ملکہ کے
باپ کا بہت ڈر تھا اس باعث ملکہ سے ہراس کرتا تھا نہایت پاس کرتا تھا جب رخصت ہونے لگا
ملکہ نے کہا ایک بکری کا بچہ خوبصورت سا ہمیں بھیجدو پالیں گے رنج کو ٹالیں گے یا تو چپ رہتی تھی
یا آج بچہ مانگا یہ بچا بہت خوش ہوے اُسی وقت ایک بکری کا بچہ تحفہ بھجوا دیا دوسرے روز جو آیا
ملکہ کو زیادہ متوجہ پایا اُس کے روبرو بچے سے کھیلا کی دو تین روز یہی صحبت رہی ایک روز ملکہ نے بچہ کو
دبا کر ادھ موا کر دیا اور چوبدار دوڑایا شہزادے کو جلد بلا لا عرض کرنا اگر دیر لگاؤ گے جیتا نہ پاؤ گے یہ خبر
سُن کر وہ محل سرا کا عازم ہوا ملکہ نے پنجرا اس ہمائے اوج سلطنت کا پلنگ کے پاس رکھ لیا جب وہ نابکار در آیا ملکہ
نے بچہ کو گود میں اٹھا اس زور سے دبایا کہ وہ مر گیا اس کا مرنا اس کا نالہ و فریاد کرنا گریباں چاک کرنے کی
بکھیڑا پاک کرنے کی تدبیر کی وہ بیقرار ہو کر منت بولا ملکہ ہزار بچہ اس سے اچھا ابھی موجود ہوتا ہے تم کیوں روتی
ہو ملکہ نے اسی حالت میں کہا میں کچھ نہیں جانتی تم اسے ابھی جلا دو جو میری خوشی چاہتے ہو وہ بولا بھلا مردہ
کہیں جیتا ہے کبھی کسی نے ایسا کام کیا ہے ملکہ نے رو کر کہا واہ تم نے میری مینا جو جلائی تھی جب میں مبتلا ہوئی
تھی یہ دل میں سمجھا کہ شاید شہزادے نے یہ حرکت کی ہوگی کارخانے سبب الاسباب کے معروف و مشہور ہیں دنیا میں مثل ہے
کر دکر دنیافت جس نے جیسا کیا ویسا پایا ہر فرعونے را موسیٰ قطعہ ۔ اے یار جو کسی کو کلپا دیگا ۔ یہ یاد رہے وہ بھی کل پا دیگا
اس دار مکافات میں سُن اے غافل ۔ بیداد کریگا آج کل پا دیگا ۔ وہ بدحواس پوچھنے لگا ہم نے مینا کیونکر جلائی
تھی ملکہ بولی تم پلنگ پر لیٹ رہے تھے وہ جی اُٹھی تھی یہ پتہ بھی درست پایا کہا بچہ گود سے رکھ دو ملکہ نے پھینک دیا
وہ پلنگ پر لیٹا اپنی روح بکری کے بچے کے قالب میں لایا وہ کودنے لگا ملکہ مہر نگار نے گود میں لیا پیار کیا وہ سوچا

دو گھڑی ملکہ کی طبیعت بہل جائیگی پھر روح قالب میں لیجاؤں گا مطلب تو نکل آئے گا یہ نہ سمجھا فلک کی گھات ہے نصیب کی بات ہے چرخ کو کچھ اور منظور ہے اب اس جسم میں جانا بہت دور ہے شہزادہ جانعالم یہ سب معاملہ پنجرے سے دیکھ سُن رہا تھا فوراً اپنی روح اپنے جسم میں لا اٹھ کھڑا ہوا یہاں وہ بزدلہ جانعالم کو دیکھ کر تھرا گیا خون چھا گیا سمجھا قسمت اب بری ہے کوئی دم کو گلا ہے اور چھری ہے ملکہ نے

تصویر وزیر زادے کی پلنگ کے اوپر لیٹ کر اپنی روح بکری کے قالب میں لانے کی اور جانعالم کا اپنے قالب میں پرواز کرنا

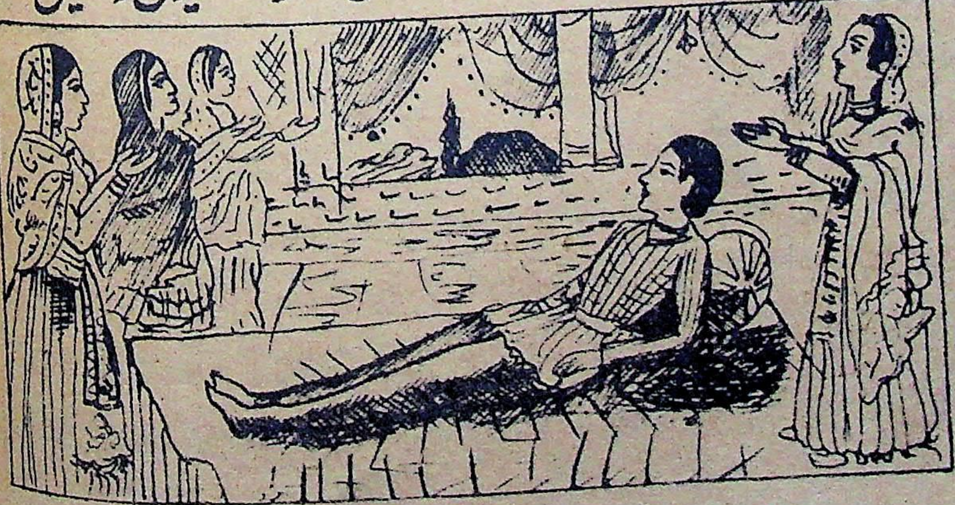


جلد دوا نچھر وہ پڑھ کر پھونکدیئے کہ وہ اور کے قالب میں روح لیجانا بھول گیا پھر انجمن آرا کو بلایا کہا لو صاحب مبارک ہو اللہ تعالی نے تمہاری و ہماری حرمت و آبرو کو بچایا بچھڑے سے ملایا یہ آپ کا احمق الذی شہزادہ ہے وہ بکری کا بچہ بے دین وزیرزادہ ہے یہ کہہ کر تینوں عاشق و معشوق گلے مل مل خوب روئے جو محرم راز تھیں وہ ڈریں مبارک سلامت ہوئی جانعالم نے اُسی وقت سوداگر کو طلب کیا سب حال مفصل کہدیا بعد ادائے شکر نعمت خلعت و انعام ہر اقسام کا عنایت کیا وطن آنیکا وعدہ حتمی لیا پھر چڑیمار اور اسکی جورو کو بلایا بہت زر و جواہر دیا اور بہ مشورہ غضنفر شاہ اُس مملکت کے چڑیماروں کا چودھری کر دیا پھر لشکر ظفر پیکر کو حکم تیاری سامان سفر فرمایا آپ رخصت ہونے کو غضنفر شاہ کے پاس آیا آخر کار بدقت تمام طول کلام درازی ایام مفارقت والدین کہہ کر اُسے راضی کیا پیش خیمہ اسی دن لدگیا دو چار دن رخصت کی دعوتوں میں اور لگے اخیر جلسے خوب دھوم دھام کے ہوئے اپنے عمل تک وہ ساتھ آیا تمام لشکر نے پکا پکایا پایا پھر رخصت ہوئے وہی دو چار کوچ ایک دو مقام کرتے براحت و آرام چلے

ورود لشکر نصرت اثر دشت پر خوف و خطر میں لب حوض خیام شاہی ہونا ساحرہ کا آنا تمام لشکر کو نصف پتھر بنانا پھر ملکہ کے باپ کا آنا اور جادوگرنیوں کی لڑائی شہپال کا قتل فوج کی ہائی

نگارندۂ داستانِ عجیب ✤ یہ لکھتا ہے پھر ماجرائے غریب ✤ طلسم جہاں دید کا ہے مکان ✤ پھنسے اس میں رہتے ہیں پیر و جوان ✤ و لیکن ہنسا جو کوئی غنچہ ساں ✤ ہوا مثل گل دستبرد خزاں ✤ جسے ہم نے دیکھا وہ تھا دلِ حزیں ✤ خوشی کی جگہ سچ ہے دنیا نہیں ✤ محرران جادو نگار سحر ساز راقمان فسانہ ہوشربا حیرت پرداز نے لکھا ہے جانعالم ہر صبح مثل مہر درخشاں قطع منازل و مراحل یعنی کوچ و ہر شام مانند ماہ تاباں مقام کرتا تھا۔ عرصے میں پھر اسی دشت ادبار صحرائے خارخار جہاں حوض میں کود پڑا تھا وارد ہوا حوض کے متصل سراپردہ خاص نصب ہوئے گرد لشکر نصرت اثر اترا انجمن آرا اور ملکہ مہر نگار کو وہ چشمہ دکھایا جب دن تمام ہوا نماز شام کے واسطے جدا خیمہ میں تشریف لایا نماز پڑھ کر سراپردہ سے پلنگڑی جواہر نگار بچھی تھی اس پر لیٹ رہا سستی کے باعث غنودگی سی تھی کہ دفعتہً ایک خواص خاص انجمن آرا کی بدحواس دوڑی آئی کہا شہزادہ جانعالم کی عمر دراز ہو نصیب دشمناں شہزادی کی طبیعت ناساز ہے شدت سے کلیجے میں درد ہوتا ہے وہ نقش سلیمانی اور لوح دیجے دھو کر پلاویں عارضۂ مزاج مطلوب بدمزگی طبیعت محبوب سنکر بیقرار ہوا کچھ نیند کا خمار کچھ طبیعت کا انتشار دیکھا نہ بھالا نقش و لوح حوالہ کیا نقش دیتے ہی نقشہ بگڑ گیا ایک آواز مہیب پیدا ہوئی کہ اے جان عالم بہت دنوں اڑتا پھرا مدت کے بعد پھنسا خبردار ہو جا ایسی آواز ہولناک تھی کہ سب لشکری

تصویر جانعالم کے پتھر بننے کی نصف بدن تک مع لشکر اور رنڈیوں کا دعائیں مانگنا



ڈر گئے شجاعون کے دل بھرک گئے محل میں رنڈیوں کو غش آ گئے گھبرا کر شہزادے نے اٹھنے کا قصد کیا جگہ سے ہلا گیا غور جو کیا تو آدھا جسم پتھر کا ہو گیا تھا پھر تو جو جہاں بیٹھا تھا بیٹھا رہ گیا جو کھڑا تھا اینٹھا رہ گیا ہر طرف غل و شور تھا جو پڑا تھا زندہ در گور تھا کچھ دکھ پچھ ہنسی تمام فوج آفت ناگہانی میں پھنسی عجیب کھلبلی مچی نامردوں کی بابی بچی کل لشکر انسان سے حیوان تک نیچے کا دھڑ پتھر کا اور اوپر کا جسم بدستور آہ و نالہ فریاد و بکا سب لشکر میں بپا تھا اور محلسرا میں بھی یہی ہنگامہ مچا تھا ہر ایک گرفتار بلا تھا وہ رنڈیوں کی زاری انجمن آرا کی بیقرار علی الخصوص ملکہ کے بیان سے زمین و آسمان کانپتا تھا جب وہ کہتی تھی شعر ؎ ہر دم زمانہ داغ دگر گونہ در دہد ؛ یک داغ نیک ماشدہ داغ دگر دہد ؛؛ تمام لشکر میں از شام تا پگاہ ہر ایک کے لب سے نالۂ جانکاہ بلند رہا جس دم ماہ دم سرد بھرتا نقاب سیاہ رُوئے تاباں پر ڈالکر غم کدۂ مغرب کی طرف روانہ ہوا اور آفتاب جگر سوختہ مشرق سے نکل کر خدنگ آہ بیکسان کا نشانہ ہوا ایک ابر تیرہ و تار آیا آدمی خوف زدہ ہو کر دیکھنے لگے اُس ابر سے اژدہا خونخوار شعلہ فشاں آتش دہاں نکلا ایک رنڈی اُس پر سوار وہ بھی آتش بار شہزادے کے خیمہ میں اُتری جانعالم نے پہچانا کہ وہی جادوگرنی ہے دل سے کہا شہر اپنا دور رہا موت قریب آئی قسمت نے کس جگہ لا کر بیکسی دکھائی وہ بولی جانعالم کہو اب کیا قصد ہے شہزادے نے کہا وہی جو تھا اُس نے کہا اب وہ نقش سلیمانی اور لوح پیر مرد کی نشانی کہاں ہے جس کے بھروسے پر کودتے تھے اگر زندگی مع لشکر درکار ہے تو ملکہ اور انجمن آرا سے انکار کر و ہماری اطاعت اور محبت مقدم جانکر ہم سے داد و مدار کرو نہیں تو میں ایک دم میں سب کو بے گور و کفن طعمۂ زاغ و زغن کر دوں گی دشت لاشوں سے بھر دوں گی شہزادے نے کہا ہمارے لوح دل پر نقش ارادت حافظ حقیقی کلک قدرت سے منقش ہے عادت سے مجبور ہوں بیوفائی سے دور ہوں جو کہا سو کہا جو کیا سو کیا اگر قضا آئی ہے مرنے سے کیا چارہ ہے مگر جیتے جی بات جانی کب گوارا ہے یہ سُنکر وہ جل گئی غصہ سے رنگت بدل گئی کچھ بڑبڑا کر جانعالم پر پھونکا نصف پتھر تھا اب حلق تک پتھر ہو گیا حسرت و یاس سینہ میں بھری تھی تصویر آذری سی پلنگڑی پر بیحس و حرکت دھری تھی وہ تو اژدہے پر چڑھ کر اڑی اور پکاری اے اجل رسیدہ آج کے دن اور رات مہلت کی ہے اگر صبح کو بھی انکار کیا تو یاد رکھنا لشکر کا خون اپنی گردن پر لیا یہ سنا کر وہ تو ہوا ہوئی جبتک شہزادہ آدھا پتھر تھا تو ملکہ اور انجمن آرا اپنے اپنے خیموں سے گھبرا کر پکارتی تھیں جانعالم جواب دیتا تھا یہی آواز کا سہارا اُن کی زیست کا سبب تھا اب تا حلق پتھر ہونے سے وہ جرس قافلہ گم کردۂ راہ دشت غربت بے صدا ہو گیا وہاں صبر کا راہبر جدا ہو گیا ہر چند دونوں چلائیں شہزادے نے

مطلق جواب دیا بولا ہی نہ گیا پھر ملکہ مہر نگار بادل فگار سر پیٹ کر کہنے لگی میر حسنؔ ؎ فلک نے تو اتنا ہنسایا تھا
کہ جسکے عوض یوں رلانے لگا ؛ مژدہ اے مرگ غریب الوطنی خوب حیلہ ہاتھ لگا تو بدنامی سے بچی ہم نے
ناکامی میں جان دی چرخ ستم شعار نے وہ رنگ لایا انجمن آرا بیچاری مصیبت کی ماری سب کا منہ حسرت سے تکتی تھی
اور روتی تھی نہ بین کر آتے تھے نہ غل مچایا جاتا تھا گھٹ گھٹ کر جان کھوتی تھی خواصیں سر کھول کر کہتی
تھیں ہے ہے ہم اس جنگل ویران میں لٹ گئے وارث سے چھٹ گئے شعر ؎ تو وہ کریم ہے ناشاد کو جو شاد
کرے ؛ مراد مند کو ہر طرح بامراد کرے ؛ لوگو ہم کدھر جائیں کیونکر اس بلا سے نجات پائیں کوئی کہتی تھی شیطان کے
کان بہرے خدا نخواستہ اگر جان عالم کے دشمنوں کا رونگٹا میلا ہوا شہزادیاں خاک میں مل جائینگی غم جدائی
سے جانیں گنوائیں گی ہم ان کے ماں باپ کو کیا منہ دکھائیں گے اس دشت ادبار میں سر ٹکرا کر مر جائیں گے
یہ جادوگرنی قربان کی تھی یونہی بے گور و کفن رکھے گی اور آتون محل دار جگر افگار سر سے چادریں پٹک پٹک
کی طرف پکار پکار یہ شعر کہتی تھیں ؎ تصدق اپنے نواسوں کا یا رسول اللہ ؛ کہو یہ حل کریں مشکل ہماری حضرت شاہ
ایک طرف مغلانیاں غم کی ماریاں دم گرم آہ سرد بھرتی تھیں ایک سمت انیسیں جلیسیں نجف کی طرف بال
کھول کر التجا سے گریہ و بکا سے یہ عرض کرتی تھیں شعر ؎ تم نے مدد کی نوح کی طوفاں سے کشتی پار کی ؛ یا مرتضیٰ
مشکل کشا کیوں دیر میری بار کی ؛ کوئی کہتی تھی ہمارا لشکر اس بلا سے جو نکل گیا تو مشکل کشا کا کھڑا دونا دونگی
کوئی بولی میں سہ ماہی کے روزے رکھوں گی کونڈے بھروں گی صحنک کھلاؤنگی دودھ کے کونڈے بچوں کو
پلاؤں گی کسی نے کہا میں اگر جیتی چھٹی جناب عباس کی درگاہ جاؤں گی سقائے سکینہؑ کا علم چڑھاؤنگی
چہل منبری کر کے نذر حسینؑ سبیل پلاؤں گی غرضکہ لشکر سے زیادہ خیموں میں تلاطم پڑا تھا صدائے حزیں
نالہ ہائے غمگین سے ہنگامۂ محشر بپا تھا اتفاقاً ایک شاگرد ملکہ کے باپ کا رشید فن سحر میں دیدہ شنید
اس مرد بزرگ کی ملاقات کو برسے ہوا اڑا جاتا تھا یہ نالۂ بلند صدائے ہر درد مند اس کے کان میں
جو پہنچی زمین کا جو متوجہ ہوا دیکھا تو ایک لشکر عظیم بحال سقیم سحر کا مبتلا ہے شور و غل ہو رہا ہے
جب قریب تر آیا طرفہ ماجرا نظر آیا کہ انسان سے تا جانور سب آدھے پتھر ہیں سمجھا کہ سحر شہپال میں خراب
حال ہیں لوگوں سے پوچھا یہ ستم رسیدہ لشکر کس کا ہے کہاں سے آیا ہے وہ ملکہ مہر نگار کے ملازم
تھے اپنا حال سب نے بیان کیا جب اسے یہ امر معلوم ہوا کہ استاد زادی کی خانہ بربادی
ہے درِ خیمہ ملکہ پر آیا سر پیٹا چلایا ملکہ نے آواز پہچانی کہا بھائی اس وقت پردہ کہاں کا یہاں آ کر بالمشافہ

ہمارا عذاب و درحال خراب دیکھو وہ اندر آیا ملکہ کو بھی اسی عالم میں پایا ملکہ نے فرمایا عداوت ساحرہ
سے ہمارا قافلہ تباہ ہے وہ عرض کرنے لگا مجھے اسکی ہمسری کی طاقت نہیں دو وقفہ کم صبح سب کا
کارخانہ درہم برہم ہوجائے گا۔ بجز آپ کے والد بزرگوار کے تشریف لائے یہ بلا ٹلتی نہیں تو خدا حافظ
و ناصر ہے یہ کہہ کر بحال خستہ و تباہ لب پر نالۂ آہ اس تیز قدم سے چلا کہ ادھم صبا کی ڈپٹ ہر
قدم پر نثار تھی ٹھوکروں میں صرصر بے قرار تھی پہر بھر میں وارد باغ ہوا گل سا چاک گریباں غنچے
کی طرح خموش شبنم نمط اشک رواں پیر مرد نے فرمایا خیر ہے اس نے شمۂ گرفتاری جان عالم ملکہ کی بیقراری
انجمن آرا کا الم لشکر کا حال ابتر کہہ کر عرض کی جلد چلیے اگر شام تک نہ پہونچے وہاں صبح ہی
دم سحر ملک الموت کا بازار گرم ہوگا ارمان سب دل میں رہے گا کشتوں کو عالم بے والی وارث کہیگا کوئی
گور و کفن نہ پائے گا خاتمہ بالخیر ہوجائے گا پیر مرد نے آہ سرد بھر کر فرمایا افسوس شہزادے کو سب کچھ سمجھایا
تھا مگر عمل میں نہ لایا۔ میر سوز شعر ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا ؛ پڑگئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی ؛
اُسی دم شاہین تیز پر سوار ہوا مغرب کی نماز لشکر میں داخل ہوکر پڑھی پہلے جانعالم کے خیمہ میں آیا حال
دیکھ کر سخت گھبرایا پھر انجمن آرا کی جاکر تسکین کی وہ رونے لگی۔ وہاں سے ملکہ کے پاس آکے کہا
تمھاری بدبختی نے ہماری وضع میں فرق ڈالا برسوں کے بعد باغ سے نکالا ملکہ نے رو کر عرض کی یہ
وقت تدبیر نہ ہنگامۂ تعزیر بعد رہائی اس آفت سماوی کے جو چاہنا فرمانا القصہ بجبور و ناچار وہ عارف
باوقار شہزادے کے خیمہ کے نزدیک دور تک حصار کھینچ کر بیٹھا یہ مرد بزرگ نیک صفات فن سحر کے سوا
عامل اسم ذات کا تھا کچھ پڑھنے لگا کبھی مناجات بدرگاہ مجیب الدعوات کرتا کہ لے یاور زیر دستان
و سرفرو کنندۂ گردن کشان اس بوڑھے کی شرم تیرے ہاتھ ہے قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوں
اخیر وقت کا تو حافظ و نگہبان ہے مجھ پر جو مشکل ہے تیرے روبرو آسان ہے سفید داڑھی کو بدنامی
کے وسمہ سے نہ رنگنا تیرہ بختی کا دھبہ بر ایں ریش سفید نہ لگانا۔ شعر مشکل ز توجہ تو آسان ؛ آسان
ز تغافل تو مشکل ؛ چونکہ سجادہ نشین چرخ اول با مجمع مریدان کواکب حجرۂ مغرب میں روپوش ہوا اور
ساحر فلک چہارم پر شوکت و با حشم طلسم مشرق سے نمودار باجوش و خروش ہوا اور وہ عبادت گذار
بیر جوانمرد و شب زندہ دار وظائف صبح سے فرصت پاچکا تھا یکایک وہ نابکار شیطان صفت ناپاک
عورت اژدہے پر سوار بچشم خونخوار بعزم قتل جانعالم لشکر میں تنہا آئی پہلے ملکہ کے باپ پاس گئی آنکھیں

لال لال طیش کمال و ربآواز کرخت پکاری اے پیر مرد سست تدبیر تیری اجل بھی دامنگیر ہو کر کشاں کشاں اس دشت جانستان میں لائی ہے مجھے شرم آتی ہے کہ تو پیر نود سالہ ہو چکا ہے بے مارے مر رہا ہے تیرے قتل میں بدنامی چھٹ فائدہ کیا ہے جدہر سے آیا ہے سیدھا چلا جا میں بیک نگاہ کج نشان لشکر اس صفحۂ زمین سے مثل حرف غلط کار دسحر سے مٹائے دیتی ہوں مرد بزرگ نے آشفتہ ہو کر فرمایا اے ننگ فرقۂ بنی آدم مردود عالم تجھے جوش شہوت و ولولۂ مباشرت نے آمادہ قتل ہزارہا بندۂ اللہ بے جرم و گناہ کیا میں مرگ عزیزاں دیکھوں مرنے سے ڈروں بقول تیرے آج نہ موا کل مرجاونگا جیتے جی خلق کو کیا منہ دکھاؤنگا ہمچشموں سے ناحق آنکھ چھپانی پڑے گی تو بدبخت مجھ سے کیا لڑیگی یہ سنکر وہ فاحشہ جھلا آستین چڑھا سحر کی نیرنگیاں دکھانے لگی اُنکی بھی دعا کی تاثیر سپر بنکے اس کا سحر اپنے ڈھال رنگ مٹانے لگی صبح سے پہر دن باقی رہا کوئی دقیقہ طرفین سے باقی نہ رہا طول اس مقام کا بیجا تھا اسی کلمہ پر تمام کیا کہ جب وہ عاجز ہوئی تب سحر کی طاقت سے شیرنی کی صورت بنائی پیر مرد بھی اسد اللہ الغالب کو یاد کر کے مہیب شیر ببر بنا اور اس طرح للکار کر گونجا کہ جنگل کے چارپائے نعرے کے خوف سے دریا میں گرے

تصویر ایک شیر ببر اور دوسری شیرنی کی باہم لڑنا اور شیر کا غالب آنا



اور پانی کے جانور خشکی میں چھپتے پھرے کچھ دیر اس ہیبت میں لڑائی زور آزمائی رہی آخر کار وہ دبہ چھنال اس ہزبر نیستان شجاعت کی تاب نہ لائی گیدڑ بھبکی دکھائی اور عقاب بن کر اُڑ چلی وہ شاہین اوج دلیری سوچا کہ بے گرفتاری طائر مطلب یعنی اس ڈھڈو کے لشکر جنجال سے نہ نکلے گا اسی طرح یہ بھٹکی بھٹکی ٹٹی کے آڑ میں شکار کھیلے گی بلا سے کچھ ہوا سے پھنساڈ زور میں کم پایا کھتا فوراً باز تیز پرواز ہوا سناٹے سے چنگل آہنی میں اُسے دبوچا اور ایسا نوچا کہ اس کی جان سسنا گئی

بھاگتے وقت رجال الغیب سامنے تھا موت پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑی بہت تڑپی پنجۂ قضا سے نہ چھٹ سکی
اسی کشمکش میں اینچا کھینچی میں مرغ روح اس کا مجروح قفس تن سے اُڑ کر آشیانہ جہنم میں پہونچا غلغلۂ
حشر و شور نشور اس صحرا میں نزدیک و دور مچا ہر طرف سے دار و گیر کی صدا آئی آسمان چکر میں آیا
زمین تھرائی دشت تیرہ و مکدر ہوا آندھی چلی سحر کا کارخانہ اُڑ گیا ابتر ہوا قریب شام وہ سیاہی
موقوف ہوئی خورشید سنہ رخ انور دکھایا اپنا بیگانہ نظر آیا جانعالم گھبرا کر اٹھ بیٹھا اہل لشکر نے رہائی
از سر نو زندگی پائی جانعالم خیمہ سے نکل نادم و خجل پیرمرد کی خدمت میں حاضر ہوا سب نے دیکھا
دو رحصار میں ایک رنڈی اسی نوتے برس کا سن ضعف کا زور و شور بڑھاپے دن قد کمان



مرنے پر لیس آنکھیں تو وہ طوفان جسم کا ہر پٹھا دریۂ ژولیدگی گھنی ہوئی رگیں صاف نظر آتی تھیں ہڈیاں
پسلیاں بوسیدہ جلد کے باہر سے گنی جاتی تھیں درج دہان بے در دندان حقۂ خالی کی طرح واداڑھ
دانت کے نام سے منہ میں خاک نہیں بھاڑ سا کھلا نیلے نیلے مسوڑھے سڑے تالو لوہے کا توا جیب
جھلسی چھالے پڑے بایاں ہاتھ ساکھو کا ڈالا اور دہنا برگد کا نہنا قد کا ڈول نرالا عوج بن عنق
کی خالہ ٹانگ ہر ایک تاڑ سے بڑی کھڑی ہو تو سقف بے ستون کی اڑ داڑ ہو گنبد چرخ کی پاڑ ہو
پھیلائے پڑی تھی گویا تیھورا کے محل کی گڑی تھی سینۂ پرکینہ تنگ چھاتیوں کے تکے تکے
کی طرح سیدھے لٹکتے پیٹ پیٹ کی انتہا نہیں بے خاک گور کبھی بھرا نہیں دل پہاڑ کی
رسل سے سخت تر گردہ توپ کا ہمسر ہڈی سے گوشت گوشت سے کھال جدا پیرزال فرہاد کش
بڑھیا چہرے کا رنگ کسلٹ کے پیر کا ایکے روبرو منہ سفید ہو جائے شب فرقت کی سیاہی

میں کالی بلا سی نظر آئی کوبڑ کا وہ ڈھنگ کہ سب کہتے تھے بیچا ہے لڑکوں کو کاٹ نہ کھائے ماتھے
پر سیندور کا ٹیکا دور سے نظر پڑتا اور سفید چونڈا چنور کی طرح لٹکتا سیاہی کا دھبہ بجز تیرہ بختی کہیں
نہ دیکھنے ایسے سر کی مانگ میں بھی مانگ جانچ سیندور بھرا بالوں میں ناریل کا تیل چپڑے پھپڑے دیدوں میں
نہ دیدوں کیطرح کاجل ریل پیل گہنے کے عوض سانپ بچھو لپیٹے کھوپڑی اور ہڈیوں کے ہار گلے میں
پڑے سحر کا سنگار کیے ایشت بہ بہشت روئے بدخش سوئے جہنم عجیب پڑی تھی شہزادہ پیر مرد کو ساتھ
لیکر محلسرا کے خیمہ میں آیا شہزادیوں نے جان پائی جلیسوں کے منہ پر رونق آئی خواصوں نے شکر
جناب باری کیا ماما اصیلوں نے پیر مرد کے قدم پر عرض کیا۔ مصرعہ ع اے آمدنت باعث آبادی ما۔
اُس بزرگ نے فرمایا ابھی اس معرکے سے نجات نہیں ہوئی آفت عظیم کا سامنا باقی ہے جانعالم نے پوچھا
قبلہ وہ کیا ہے اُس نے فرمایا اس کا باپ شہنشاہ جادوان ہے کوئی دم میں ضرور آئیگا بکھیڑا مچائیگا ملکہ
مہر نگار مضطرب ہوئی پیر مرد نے فرمایا اللہ یار ہے وہ کیا نابکار ہے۔ مصرعہ ع دشمن اگر قویست نگہبان قوی تراست
یہ کہہ کے دو ماش چپ و راست پھینکے دو جانور نئی صورت کے پیدا ہوئے ہرن کے چہرے طاؤس
کے دھڑ یاقوت کے سینگ الماس کی آنکھیں مرد کے پر اور دو ٹھیکریوں پر کچھ لکھ کے انکے سامنے
رکھا وہ ہر ایک چونچ میں اُٹھا اُڑ گیا۔ وہ رات بھی بیم و ہراس میں گذری جسوقت ساحر شب بد اعمال
صبح کی آمد کے دبدبے سے بھاگا ہوا تند چلی برق چمکی رعد کی آواز ہوئی اہل لشکر ڈر گئے مثل مشہور ہے
مارگزیدہ از ریسمان پیچیدہ می ترسد پیر مرد کے گرد جمع ہوئے کہ ایک سمت سے غول کے غول غٹ
کے غٹ جادوگروں کے جھٹ پٹ باز جے باشے بجتے پر ننگے دھڑنگے سوار قطار قطار آئے پیدا انہیں
مرشد کامل نے اُن کا پرا جایا دوسری جانب سے جادوگرنیاں طاؤس و ناگنوں پر سوار آتشبازی کے
حقے اڑاتی ناریں اچھالتی اکتائے چھڑتے بادلے کی جھنڈیاں کھلی ہوا سے اڑتی ہوئیں آپس میں چھیڑ چھاڑ
سحر آزمائیاں ہاتھوں کی صفائیاں ہوتی لڑائی کے عزم پر بہر بہر کرتی موجود ہوئیں اسی پرے کے
مقابل ٹھہری انھیں دیکھ کے جانعالم کا جی کلبلایا فوج کے سرداروں کو بلایا اور فرمایا کہ آج دغدغہ
کا ہے مگر جلسہ و معرکہ دیکھنے کے قابل ہے زندگی ہے تو ایسا روز کبھی کاہے کو نظر سے گذریگا
دگرنہ مرگ انبوہ جشن دارد ہماری فوج بھی چمک دمک سے صف آرا ہو اسباب سب نیا نکالو یہ
خبر سنکر پہلے بیلدار نکلے پست و بلند زمین ہموار کر کنکر پتھر چن کر جھاڑی جھنڈی کاٹ ڈالی

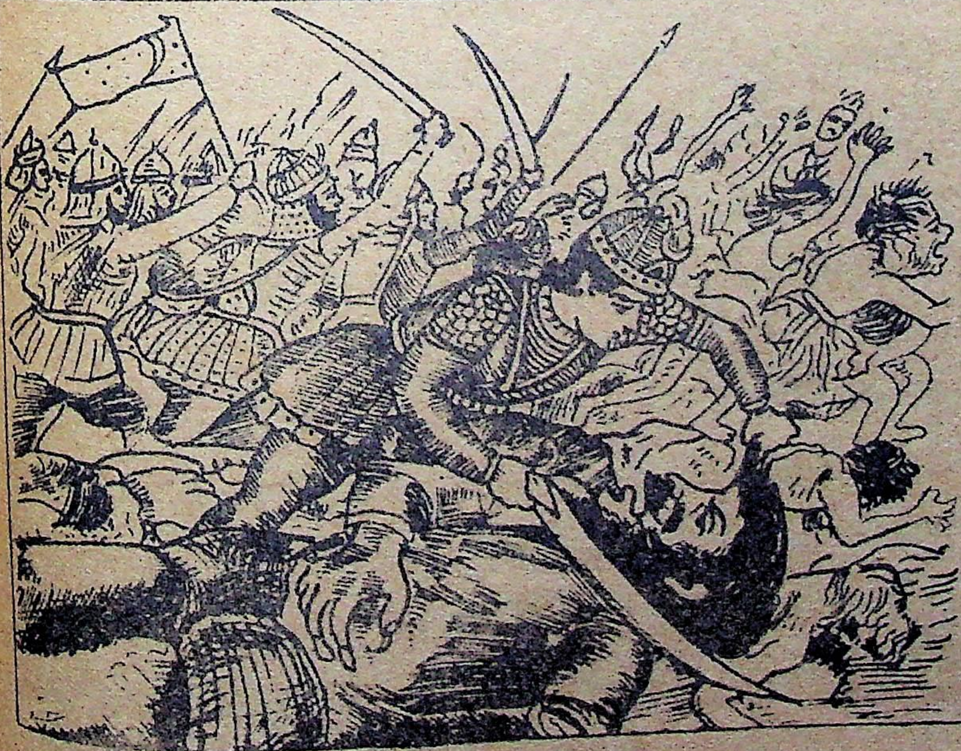
جھاڑی ہوئی زمین صاف برابر نکالی پلٹنوں کی خاطر مورچے درست کیے توپوں کے دمدمے باندھے
جھانکی لگائی کہیں سرنگ کا پوشیدہ رنگ جمایا بارود کو بچھایا میدان جنگی بنا لیے پھر سقے
آبپاشی کر گئے توپخانے والے باچھوں میں پانی بھر گئے فوج کی آمد ہوئی صف کارزار آراستہ ہونے لگی
راست و چپ پانچ پانچ سو ہاتھی مست پٹے سونڈوں میں چڑھے ایک ایک پہلوان قوی ہیکل زرہ پوش
گرز گراں بر دوش ان پر سوار پھر پلٹنیں اور توپخانہ آیا قرینے سے جمایا گیا توپ فلک شکوہ
سورج جھنکار اور نانک متی کی سپتے کی گردوں گردان پر چوٹ کرنے والی مدد کو ہونٹ کوسوں کی
چوٹ کی اور دو غبارے جس کا گولہ قصر چرخ میں اتارے پھر سواروں کے پرے میں میمنہ و میسرہ
قلب و جناح ساقہ و کمینگاہ درست کر دیا آگے ہراول پیچھے سواروں کے پیدل فوجوں کے
دل نقیب چار سو سے نکلے گلے سے کلہ کنوتی سے کنوتی پٹھے سے پٹھا دم سے دم سم سے سم ملا دیا
نشاں برداروں نے علم سبز و سرخ در افشاں کو جلوہ دیا سر بر علم ماہی پرچم کی چمک چشم دلاوران میں
بادۂ جرأت کا کام کر گئی نامردوں کو ہوں ہوئی بھاگنے کی فکر پڑی پیٹ میں کھلبلی مچی کتنوں کی
چلتے چلتے جان گئی دریائے فوج ظفر موج موجزن تھا حشر کا میدان دن تھا عرش کوس حربی صدائے
نقارخانۂ جنگی چرخ پر برج ثور تک زیر زمیں گاؤ ثری کو پہونچی اور صدمۂ دمامہ تند مہیب آواز دہل گوش
قریب سے کرۂ ارض و سما دہل گیا اور قرنائے چینی کے عزاویے صور کی ہمدمی کا دم بھرا اِذَا زُلْزِلَتِ
الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا کا وقت قریب آیا جان عالم بھی بصد حشم اسپ پری پیکر پر جلوہ گر ہوا چتر زرنگار بالائے
سر تاج شہر یاری کج رکھ کر شمشیر برق دم زیب کمر فولادی سپر پشت پر بائیں ہاتھ میں مرکب کی عنان
دہنے میں نیزہ اژدہا پیکر دو دو زبان فتح و نصرت جلو میں اقبال یاور تمکن و دو دمیں ہمت و غیرت
دست بستہ ہم جرأت زیر قدم قربوس زین میں کمان کیانی چہرے پر رعب و جلال کشور ستانی سمند
صبا دم کو گرم عنان کر کے پرے کے برابر باگ لی جا دوش طرار خبردار باش للکارا مریخ سا خنجر گذار
بالائے چرخ الا ابل پکار اکڑا کیتیوں نے کڑکا شروع کیا نقیبوں نے نیب دی دلاورو آج
عرصۂ جنگ و جگہ نام و ننگ کی ہے دنیا میں زندگی چار دن ہے لڑنے بھڑنے کا نوجوانو یہی
سن ہے کسی کو بقا بجز ذات خدا نہیں ہمیشہ دنیا میں کوئی رہا نہیں شعر رستم رہا زمیں پہ نہ بہرام
رہ گیا ۔ مردوں کا آسماں کے تلے نام رہ گیا ۔ اس صدا سے جو صدائے بہادر صاحب جرأت تھے

اُن کا دریائے شجاعت سینے میں موجزن ہوا مونچھیں کھڑی آنکھیں سُرخ چہرے بشاش ہوگئے ہسان
شیر دلیر قبضہ ہائے شمشیر دیکھنے لگے اور چست چالاک ہوکر مستعد کارزار ہوئے جانفشانی کو تیار ہوئے
ہر دم باہم یہ اختلاط تھا دیکھیں آج تلوار کس کی خوب کاٹتی ہے کس کس کا لہو چاٹتی ہے پہلے نیزہ
کس کا سینۂ عدو پر چلتا ہے نیزے کی تان پر کون چھاتی تانتا ہے لوہا کون مانتا ہے کس کے تیر کے
نشانے سے خون کا فوارہ اچھلتا ہے آب پیکان دشمن کے حلق میں کون اُتارتا ہے سر پیکان کس کا
طالب سوفار سُرخرو ہوتا ہے کس کو کون للکار کر ڈانٹ کر مارتا ہے دوا کو کون پکارتا ہے عرصۂ کارزار
میں حق نمک شاہزادہ ادا کیجیے دشمنوں کا لہو پیجیے جب بگڑے تو وہ کام سیجے جس سے رستم کی
گور تھرائے سام نریمان کا رنگ فق ہوجائے کوہ کو پر کاہ کی طرح اکھاڑ دے دیو اگر سامنے آجائے تو
پچھاڑے رئیس قدردان سر میدان سرگرم نظارہ ہے دیکھیے کون کام کا ہے کون ناکارہ ہے کس کے
ہاتھ کھیت رہتا ہے کون کون کھیت رہتا ہے سن چلاین کرلو زر سُرخ و سفید سے پیریں بھر لو
آج ہی تو آن بان ہے یہی گو یہی میدان ہے دہل گنڈوں کا لاحول ولا یہ ڈول ہوا کہ ہول سے
چہرے زرد لب پر آہ سرد منہ پر ہوائیاں اُڑتی تھیں ہر بار بھاگنے کو باگیں مڑتی تھیں کھڑے ہوئے
اپنے منہ نوچتے تھے پیٹ پکڑے پھرتے تھے دست سر دست چلے آتے تھے ڈر کے مارے بے مارے
موئے جاتے تھے کوئی کہتا تھا میاں جان ہے تو جہان ہے نوکری نہ ملے گی بھیگ مانگ کھائیں گے
جائیں کہاں پائیں گے حرمت گئی تو گئی جان تو رہے گی لہو کی ندی تو بدن سے نہ بہے گی یہی نا کوئی
نامرد کہیگا آبرو جائیگی جی تو رہے گا یہاں کی بگڑی اور کہیں بنالیں گے تیر تلوار کی گولی بچا کر
گالیاں کھالیں گے لڑنے کو سپاہیوں نے کمریں باندھیں ہیں کوسنے کو ہم موجود ہیں کوسوں بھاگنے کو
آندھی ہیں جونکیں لگانے میں ہمارے ماں باپ بھنگ پلاتے تھے معجون کھلاتے تھے کسی کی فصد
کھلی دیکھ کر ہمیں غش آتے تھے ہم تو دوست ہو یا دشمن دونوں کی خیر مانگنے والے ہیں سب سے پہلے
معرکے سے بھاگنے والے ہیں ہمیشہ گالی گلوچ کو خانہ جنگی ڈھول دھپے کو میدان داری سمجھے
لڑائی بھڑائی سے کبھی بھولے کے نہ نکلے تمام عمر بدن میں سوئی نہ گڑنے دی گالیاں کھا کھا کے زندگی
بسر کی بے غیرتی کا بھلا ہو جس نے آج تک جان سلامت رکھی اس پر بھی قسمت نے یہ دن دکھایا
خدا نے ہمیں ہیجڑا کیوں نہ بنایا فوج میں اس طرح کی کھلبلی پڑ رہی تھی اُدھر انجمن آرا اور مہر نگار نے

ایک اونچا ٹیکرا تجویز کر خیمہ بپا کیا چلمن چھوڑ آ بیٹھیں سیر دیکھنے اس عرصے میں لشکر غنیم کی آمد ہوئی
یعنی شہپال جادوگر نو لاکھ ساحر ہمراہ رکاب شکست انتساب لیکر تخت پر سوار چالیس اژدر خونخوار تخت
اٹھائے بڑے کروفر سے آیا فوج بے قیاس وہ خدا ناشناس لایا اور سامنے جوانان تہمتن و گردان صف شکن
کے اپنا پرا جمایا پھر علم کالے آگے نکالے اور پرچم سیاہ ہم صورت بخت اس گمراہ کے کھلے دف و نے
دھانجھ بجنے لگے ادھر کوس کو رگرجنے لگے وزیر اس کا پیام پیر مرد کے پاس لایا دست ادب باندھکر
عرض کی ایلچی کا زوال نہیں زیادہ گوئی کی مجال نہیں شہپال نے فرمایا ہے تمھارا مرنا جینا برابر ہے
کہ گرم و سرد زمانہ دیکھ کر عمر طبعی کو پہونچے مگر ان نوجوانوں پر رحم نہ کیا ان کے خون کا حساب اپنی
اعمال کی کتاب پر لکھوایا بوجھ اپنے ذمہ لیا پیر مرد نے جواب دیا اے اجل رسیدہ پیر نابالغ
سے کہنا طرفین سے جس کا خون زمین پر گرے گا اُس کا مظلمہ مواخذہ تیری بیٹی جو فاحشہ تھی اسکی
گردن پر ہوگا ہم سمجھے تھے وہی ننگ خاندان تھی لیکن اب معلوم ہوا ایسوں کے ویسے ہی ہوتے ہیں
تجھے سفید داڑھی کی شرم نہ آئی کہ وہ مری تیرا کلنگ کا ٹیکا مٹا تو تو اس سے بھی زیادہ بے حیا
سیہ قلب نکلا یہ مقام رزم ہے جائے نیزہ و شمشیر یا بزم ہے جو محل تقریر ہو گفتگو بیفائدہ بےطائل
باتوں سے کیا حاصل جو منظور ہو بسم اللہ اسمیں دیر نہ کر دیکھیں آج کس کے حصے میں تخت و تاج ہوتا ہے
اور گور و کفن کو کون محتاج ہوتا ہے وزیر مجوب پھرا شہپال سے سب حال کہا پھر تو وہ کافر غدار
گبر ناہنجار مثل مار دم بریدہ برخود پیچیدہ ہو شعلہ غضب سے وہ ناری جل گیا چہرے کا رنگ
گرگٹ کی طرح بدل گیا پہلے تو آپ حقہ آتشی پیر مرد پر مارا پھر لشکر کے سرداروں کو للکارا دو پہر تک
عجیب و غریب سحر سازی و ہنگامہ پردازی جادوگر اور جادوگرنیوں کی لڑائی رہی کہ دیکھی نہ سنی
کسی نے کسی کو جلایا کسی نے بجھایا کسی سنگدل نے پتھر برسائے سب کچھ سحر کے نیرنگ دکھائے
آخر کار جب جادوگری ختم ہوئی لڑائی کی نوبت بگرز و شمشیر و نیزہ و تیر آئی پھر تو شہزادہ جان عالم
کی بن آئی باگ اٹھائی فوج جرار غازیان نامدار خبردار ہوئے سپاہ مانند ابر چہار سمت گھر آئی برق شمشیر
چمکی پہلوانوں کے نعرے نے رعد کا کام کیا خوب لوہا برسایا سب تازہ دم وہ دو پہر کے
شل سیکڑوں ٹاپوں میں کچل گئے گھوڑوں کی جھپٹ میں کھندل گئے شمشیر صاعقہ خصال
جان عالم کا یہ حال تھا جس کے سر پر پڑی سر اُس خود سر کا تا حلق میں قطرۂ سیماب کیطرح اُتر سینہ،

پر کینہ کا ہوچاٹا وہی سر جو پناہ خود میں تھا پلک جھپکی تو گود میں تھا پھر گھوڑے کے تنگ سے بجُست
گذر زخم گشادہ کرخانۂ زین سے زمین میں قرار لیا سر بالیں اس کی قضا کو دُرتے دیکھا سے خواب
مرگ میں پانوں پھیلائے سوتے دیکھا جس پر پک کر ایک وار کیا دو کیا دو کو چار کیا حواس خمسہ
کسی کے درست نہ تھے ششدر ہو گئے ساتوں زمین کے طبقے تھرائے آسمان کو چکر ہوا مردے
قبروں سے چونک کر باہر نکل آئے جو پکا اسے مار لیا بھاگتے کا پیچھا نہ کیا گھڑی بھر میں خون کا دریا
بہہ گیا لاشوں کا انبار رہ گیا کاٹ سر حباب دریا کی طرح بہتے نظر آتے تھے موج خون میں دھڑ
دھڑ ادھر غوطے کھاتے تھے دشمنوں کی کشتی زیست طوفانی تھی آب تیغ کی طغیانی تھی فوج عدو
کا زندگی سے دل سیراب اور اچاٹ تھا لہو لہان ہر تلوار کا گھاٹ تھا کوسوں تک لاشے پٹے تھے
یہ پاٹ تھا آخر کار فوج کو شکست ہوئی شہیال مارا گیا سر اس خود سر کا شل خیار ترا تار اگیا سپاہ باقی ماندہ
اس تیرہ بخت نگونسار کی فرار ہوئی زندگی دشوار ہوئی پھر تو غازیان فتح نصیب اور جادو گران مہیب
لوٹ پر ٹوٹ پڑے سب کچھ لوٹا ساز و سامان اُنکا ذرا نہ چھوٹا اُدھر نشان کھلے شادیانے بجے وہ سب

تصویر معرکہ لڑائی شہیال کا مارا جانا اور تصویر جادوگروں کی ہیبت ناک



چادر پھاڑتے ماتم کرتے گریباں چاک سر در و آغشتہ بخاک دم سرد بھرتے جن کا منہ جدھر اٹھا بھاگ نکلے
میدان کشتوں سے اٹ گیا دشت لاشوں سے پٹ گیا آج تک طعمۂ زاغ و زغن اسی بن سے ہے
صحرائی درندوں کے خوب پیٹ بھر کر بلکہ جانوروں کی دعوتوں کو گوشت کے بچے قیمے کئے اٹھا
رکھے بہت ہیضہ کر کر مرے وہ سرزمین قلعہ خزانہ جانعالم کے قبضہ میں آیا بڑی جستجو و تگاپو سے وہ
لوح اور نقش پایا پیر مرد رخصت ہوا جتنے مدارج پند و نصیحت تھے مگر سمجھائے راہ کا خطر مصیبت سفر
ہر منزل و مقام کا نفع و ضرر کہہ کر کہا میری جان ایسی حرکت کا سامان کرنا جو پھر کوئی روز سیاہ دشمنوں کے سامنے
آئے دوستوں سے دیکھا نجائے ہم سے باغ چھوٹے لو اب اللہ حافظ و ناصر ہے سوا اُس کا اور تمہارا مددگار دیا ہے

نزول موکب شوکت و جلال بعد فتح جادو شہپال ساحل دریائے شور پر جہاز کا آنا شہزادے کی طبیعت کا لہرانا پھر سوار ہونا اور جہاز کی تباہی باہم کی جدائی انجمن آرا کی بے سر و پائی جوگی کی ملاقات

آشنایان بحر تقریر و غواصان محیط تحریر شناوران شط الفت غریق لجۂ محبت نے گوہر آبدار سخن
کو سلک گفتار میں منسلک کر کے زیب گوش سامعین ذی ہوش اس طرح کیا ہے کہ بعد فتح جنگ جادو
شہپال اور ہاتھ آنے خزانہ مالا مال کے دو مہینے تک عساکر نصرت اثر شب و روز اُس دشت میں
جلوہ افروز رہا جب پیر مرد باغ کو تشریف فرما ہوا جانعالم نے کوچ کیا چند مدت کے بعد ایک
روز خیمہ لب دریائے شور ہوا شہزادہ معشوقوں سے باہم تماشائے بحر زخار و نظارہ امواج دار اور سیر
دریائے ناپید اکنار کی پانی کا زور ہوا سے دریائے شور کا شور کیفیت لطمۂ گرداب دیکھتا تھا۔ نظم
آب کیسا کہ بحر تھا زخار ۔ تند و مواج تیرہ و تہ دار ۔ موج کا ہر کنایہ طوفان پر ۔ بلبلے چشمک حباب عمان پر
گذر موج جب نہ تب دیکھا ۔ ساحل اُس کا خشک لب دیکھا ۔ ناگاہ ایک جہاز پر تکلف با نقش و نگار
بسیار صبا رفتار نمودار ہوا شہزادہ سمجھا کوئی سوداگر کہیں جاتا ہے جب قریب آیا جہاز کو لنگر کیا اور
ناخدا دولت پر شرف اندوز ہو کر عرض کرنے لگے ہم لوگ ملاح ہیں یہاں جو شاہ و شہریار رونق افزا ہوتا ہے
ہم اُسے دریا کی سیر و شکار بحری جانور آبی دکھاتے ہیں موافق قدر و قسمت میں جو ہوتا ہے انعام پاتے ہیں
یہ سنکر خواہش سیر دریا شہزادے کے سفینۂ دل میں موجزن ہوئی وزیر زادی ملکہ سے کہا چلتی ہو اُس نے عرض کی ہنوز گرداب

غم تلاطم اندوہ والم سے ساحل فرحت وطرب کی ہمکناری میسر نہیں ہوئی آپکو اور پھر آئی نیا ڈھکوسلا سوجھا
جانعالم نے کہا دریا کی سیر جی کو مسرور کرتی ہے خفقان دور کرتی ہے طبیعت بہل جاتی ہے کیفیت
نظر آتی ہے تم نے سنا نہیں قول سعدی۔ مصرعہ۔ بدریا در منافع بیشمار است ۔ دو چار گھڑی دل بہلا
چلے آئینگے ملاح محروم نہ رہ جائیں گے ملکہ مہر نگار نے متردد ہو کر کہا یہ سب سچ ہے جو کچھ آپ نے فرمایا
خفقان کیسا تمھارے دشمنوں کو نرا مالیخولیا ہے میں نے بارہا انجمن آرا سے کہا ہے سو یہ مرض لا دوا ہے
پانی سے دونا ہوتا ہے اسکے سوا میرے دماغ میں بھی کیا خلل ہے میرا دوسرے مصرع پر عمل ہے
سعدی۔ اگر خواہی سلامت بر کنار است ۔ شہزادے نے کہا خیر تم تو سڑی ہو ہم تنہا جائینگے تم نہ چلو
بیٹھی رہو آرام کرو جدائی کی تاب محبت کے مبتلا کو کہاں ہے الفت کا یہی بڑا امتحان ہے چار ناچار
اُسی دم ملکہ مہر نگار اٹھی اور انجمن آرا مع چند خواص ہمراہ ہوئی جہاز پر پہونچے بادبان کھینچے پالیں
چڑھیں لنگر اٹھا مہر نگار مضطرب اور یہ شعر پڑھنے لگی۔ حافظ۔ دریں دریائے بے پایاں دریں طوفان موج افزا
دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسیہا ۔ لوگ مصروف تماشا ملکہ غریق بحر تفکر غوطہ زن گرداب تحیر تلاطم اندوہ
والم کی آشنا بار بار انجمن آرا سے کہتی بہن خدا خیر کرے دشمن نہ ایسی سیر کرے بے طرح جی الم سے گذرتی
ہے خود بخود پانی دیکھ کر جان ڈرتی ہے اللہ حافظ و نگہبان ہے سراسر سامان بد نظر آتے ہیں کلیجہ خوف سے
لرزاں ہے القصہ چار گھڑی جہاز نے باد مراد پائی سیر دکھائی پھر آفت آئی ناخدا چلایا ملاح ہراساں
ہوئے شہزادے نے پوچھا کیا ہے عرض کی کہ طوفان عظیم الشان اٹھا ہے ابھی یہ ذکر تھا کہ ہوا عالمگیر
ہوئی جہاز تباہی میں آیا بادبان ٹوٹ گئے مستول گرا ملاحوں کے چھکے چھوٹ گئے سنبھالنے کا

تصویر دریا مع جہاز اور دونوں ملکہ کی مع خواصوں کے اور جہاز کا ڈوبنا



مقدور نہیں رہا آخرش تلاطم آب صدمۂ پیچ و تاب موج سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا کسی کو کسی کی خبر نہ ملی کون ڈوب گیا کون جیتا رہا ایک سے دوسرا جدا ہو گیا جان عالم تختے کے سہارے سے ڈوبتا ترتا چار دن میں کنارے لگا جب تکان پانی کی موقوف ہوئی غش سے آنکھ کھلی دیکھا کنارے کیا ہوں بلکہ گور کنارے لگ رہا ہوں بڑی جد و کد سے اترا آہستہ آہستہ بیٹھتا اٹھتا ایک طرف چلا ایک بستی میں پہونچا وہاں کے باشندے اُس کا چہرہ اور جمال اور یہ خراب حال دیکھ کر بہت گھبرائے قریب آئے کوئی بولا یہ پریزاد ہے مثل سرو آزاد ہے چمن حسن و خوبی کا شمشاد ہے کسی نے کہا ابھی تو دن ہے یہ از قسم جن ہے غرض کہ جن جن نے اُسے جن کہا تھا پاس آ کچھ خوف سا کھا اس طرح بولے اُستاد کون ہو کیا ہو سچ کہو حور ہو یا پری ہو تم۔ جانعالم نے دم سرد دل اندوہگیں سے بھر چشم تر کر اُن لوگوں سے کہا لا اعلم

جانے دارم چناں کہ دشمن خواہد — ناکامی خویش را اگر شرح دہم
جانے دارم کہ فرقت تن خواہد — دشمن بجدا زندگی من خواہد

ایہا الناس میں گم کردۂ کاروان جرس کی طرح نالاں ہوں دل گرفتہ نقش پائے یاران رفتہ ہوں حمق میں گرفتار ہوں بچھڑوں کا طالب دیدار ہوں غریب دیار بتیاب شب دانہ نصیب ہے نہ آب مفارقت یاران چند سے خستہ و خراب حیران ہوش و حواس یک لخت نڈھال ضعف سد راہ ناطاقتی حائل یاروں کی صورت نظر آتی نہیں دیدۂ دیدار طلب میں بینائی نہیں نہ تاب رفتار نہ طاقت گفتار۔ مؤلف

بسان نقش پا بیٹھے جہاں واں سے پھر سرکے — ٹھکانا پوچھتے ہو کیا بھلا ہم بے ٹھکانوں کا
بیاد دوستاں پہروں مجھے ہچکی لگ آتی ہے — کہیں مذکور جب ہوتا ہے کچھ گذرے فسانوں کا
علم سے آہ کے ثابت ہوئی غم کی ظفر ہم کو — کہ باعث فتح کا ہوتا ہے کھل جانا نشانوں کا
چھوڑائے جبر سے پیر فلک نے دوست سب میرے — مٹے گا داغ کب دل سے میرے ان نوجوانوں کا
شرر منہ سے نکلتے ہیں سرود دل حزیں ہر دم — بھلا دیواں ہو کیونکر جمع ہم آتش بیانوں کا

اس حکایت جانسوز شکایت چرخ غم اندوز سے سب رونے لگے کہا یہ شہزادہ عالی تبار ہے الا دل از دست دادہ و محبوبوں سے دور افتادہ اس سبب سے دل افگار ہے منت و سماجت سے مکان پر لے گئے ہاتھ منہ دھلوایا کھانا پانی حاضر کیا جانعالم آب و طعام کچھ کر دیا یہ کہا اُستاد

ہو خاک بھوک کی اُس فاقہ مست کو پھر جھانکھ — جو اپنا خون جگر روز ناشتہ سمجھے

خدا جانے میرے بچھڑوں کا کیا حال ہوا کسی کو دانہ پانی میسر آیا یا کچھ نہیں پایا میں بھی نہ کھاؤنگا بھوکا پیاسا مر جاؤنگا وہ بولے حضرت سلامت کھانے پانی سے انکار نادانی ہے اسی سے بشر کی زندگانی ہے جو جیتے ہو تو کسی روز بچھڑوں سے مل جاؤ گے ورنہ غربت کے مرجانے میں گور و کفن بھی نہ پاؤ گے ناچار سب کے سمجھانے سے دو ایک نوالے بجبر حلق سے اُتارے پانی پیا ہاتھ پاؤں سنسنائے پیہم غش آئے جب طبیعت ٹھہری سب حال پُر ملال جہاز کی تباہی انیسان ہمراز کی جدائی اپنا ڈوبتے اچھلتے وہاں تک آنا اوروں کا پتہ نہ پانا بیان کرکے بقول مرزا حسین بیگ [illegible] یہ کہا

همرهان رفتند و ما ماندیم و دزدان در کمین
خانه ملاح در چین است و کشتی در فرنگ

سب تاسف کرنے لگے ایک شخص نے کہا یہاں سے دو منزل ایک پہاڑ ہے کوہ مطلب برآر نام ہے اُس پر جوگی کا مقام ہے مرد باکمال ہے شیریں مقال ہزاروں کوس سے حاجتمند انکے پاس جاتے ہیں سب کے مطلب برآتے ہیں بسکہ اُس پر عنایت باری ہے چشمۂ فیض اُس سے جاری ہے مشہور ہے کہ آجتک کوئی شخص محروم ناکام اُس مقام سے نہیں پھرا یہ مژدہ سُن کر چہرے پر بشاشت چھا گئی گئی ہوئی جان اسی آن بدن میں آ گئی گھبرا کر یہ شعر پڑھا

آنانکه خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود که گوشهٔ چشمے بما کنند

اُسی دم چلنے کا عزم کیا وہ لوگ مانع ہوئے کہا ابھی چلنے کی طاقت آپ میں آئی نہیں پاؤں میں راہ چلنے کی تاب و توانائی نہیں دو چار روز یہاں آرام کرو قوت آجائے تو مختار ہو غرضکہ جانعالم نے اُن لوگوں کے سمجھانے سے وہاں مقام کیا عجب پریشانی میں صبح کو شام کیا گرد وہ سب حلقہ زن یہ بندۂ معشوقان گرفتار رنج و محن کبھی تو محزون چپ رہتا گاہ مثل مجنوں خود بخود بکنے لگتا اور جب حواس خمسہ درست ہوتے یہ خمسہ پڑھتا

ہر سو خبر الفت کی کیا آپ سے پہونچائی
کیوں مجھ سے بگڑتا ہے او کافر ترسائی
آگے بھی مرے لب پر فریاد کبھی آئی
تا داشت دلم طاقت بودم بشکیبائی
چوں کار بجان آمد تن بس بن رسوائی

گاہے مرے لب پر ہے فریاد گہے افغاں
یہ جائے ترحم ہے کر رحم ذرا جاناں
پیارے غم دوری سے میں سخت ہوں ابنالاں
در زاویۂ الفت دور از تو چو مہجوراں
تنہا سنم وا بے آہ از غم تنہائی

ہے دن کو تو یہ عالم ظالم کے مجنوں پر
سونے کی کسے فرصت اے یار اسے باور کر
ہیں گرد کھڑے لڑکے جھولی میں بھرے پتھر
شبہا سنم و اشگ زخوں ہمہ بالیں تر

عشق ایں ہنرم فرمود از عیب نہ فرمائی

اعضا شکنی گاہے گہ درد جگر دیکھو — رومال بھگوتا ہوں لاکھوں ہی کبھی زرد
گردن زدنی ہوں میں شکوہ کروں تیرا گو — صد رنج ہمی بینم اے راحت جان از تو

از دیدہ تواں دیدن چیزیکہ تو بنمائی

تھا تاب و تحمل میں یکتا جگر خسرو — تھگے تو نہ بہتے تھے سلک گہر خسرو
ترا ب تو نوازش لو چل کر خبر خسرو — بس درگہ ہمی ریزد از چشم تر خسرو

کز دست برون رفتہ سر رشتۂ دانائی

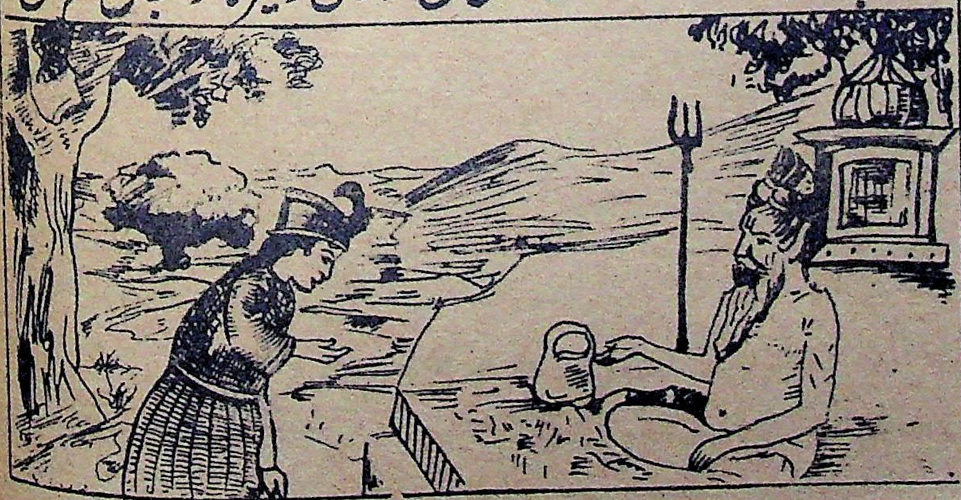
آخرش وہ رات کی رات بہزار عقوبات تڑپ تڑپ کر سحر کی نماز صبح کے بعد پہاڑ کی راہ لی چار دن میں ناچار وہ راہ طے کی پہاڑ پر پہونچا سنگ سفید کا پہاڑ بہت آبدار مانند ہمت جوان صاف باطن بلند اور مثال طبع سخنوران فرح افزا دل پسند دریائے فراخ کشادہ روش جوش نباتات و ریاحین و لالہ سے اور خروش مرغان خوش الحان سے رشک صد گلشن چشمہ ہائے سرد و شیرین جا بجا فرہاد کی روح کا ٹھکانہ ہر قسم کا میوہ دار درخت قدرت حق سے اوگا پھولا پھلا پتھر ہر ایک معدن لعل پرند چرند صاحب حسن و جمال یہ سیر دیکھتا چلا ایک طرف درخت گنجان گھنے پختہ مزار بیدار دلوں کے بنے اور منڈھی کا گنبد گردوں بے ستون کا جواب بنا ترسول گڑا اکھاڑے کی جھنڈی پھر پھراتی کلمۂ شہادت بخط جلی لکھا جب اس کے نزدیک آیا دور دور تک مکان صاف صحن شفاف پایا مٹھ کے روبرو درخت کے تلے چبوترے کے اوپر ایک جوگی سوا سو برس کا سن و سال مگر توانا کمال داڑھی ناف سے بڑی گرہ لگی جٹا ہر ایک راکھ سے بھری قدبوس ہو رہی پاؤں پر پڑی لٹکیں دیدۂ حق بیں کا اسرار چھپانے کو چشم حاسد سے گزند بچانے کو مونچھوں سے پلکیں جسم میں موج دریا کی طرح جھریاں پڑیں کمر میں کردھنی موٹی سی ہمین بانکی عجب آن بان کی کھاروے کا لنگوٹ ستر عورت کی اوٹ گلے میں محمودی کی کفنی حقہ چنگالی منھ سے لگائے افیونی کی شکل بنائے شیر کی کھال بچھائے بھبوت رمائے دیدہ و دیدے بظاہر آنکھیں بند مگر دیدۂ دل کھلا خوشی نہ دل بوتا سوتا نہ جاگتا آسن مارے دنیا سے کنارے بہ بیٹھا بیٹھے لگا تیر قد راست مثل کمان خمیدہ گویا چلہ کھینچ چکا ہے زنار آسا رگیں عیاں کھال سے ہڈیوں کے جوڑ شمع فانوس نمط نمایاں تسبیح سلیمانی ایمان کی نشانی ہاتھ میں ہر بھجو ہر بھجو تکیہ کلام بات بات میں قشقہ کا ماتھے پہ ہندوں کا سا اور سجدے کا گھٹا بدکا مل کی صورت چمکتا زردمی بدن میں ذکر حق دل و دہن میں کہیں بسلے پر سجہ

سجدہ گاہ رکھی کپڑے کی جانماز بچھی کسی جا پوتھی کھلی دھونی رمی دونوں سے راہ رکھی عجب رنگ کا انسان خلاصہ یہ کہ ہندو نہ مسلمان بقول مرزا سودا

کس کی ملت میں گنوں آپ کو بتلا اے شیخ		تو کہے گبر مجھے گبر مسلماں مجھ کو

ایک طرف تکیے میں دو چار کیاریاں بیلے چمیلی کی بہار گلکاریاں کہیں مرشدوں کے ڈھیر گرووں کی چھتری بزرگوں کے مزاروں پر مولسری درخت سایہ دار قطار قطار درختوں کی ٹہنیوں میں پنجرے لٹکتے باہم بحث کرتے انکتے فاختہ کی کوکو قمری کی حق سرہ کوکلہ کے دم سناٹے کا عالم کہیں مرگ چھالا بچھا شیر جو کی دیا دھونی لگی کرڑلگتا کسی جا ببر کی کھال کا بستر آہوے صحرائی اُس پر بیٹھا او داسا تو نا بیٹھا دھرا ایک سمت بھوانی کا مٹھ تلسی کا پیڑ ہرا بھرا گرد چشمہ پانی کا بھرا جائے دلچسپ مکان رعب دار گل خود رو کی جدا بہار ایک طرف بھنڈارا جاری کڑھاو چڑھا موہن بھوگ بٹتا کہیں پلاؤ قلیے کی تیاری چھانداب ٹ رہا تھا کچھ ہنت بانکے کچھ مریدان قال کے کوئی چلہ میں بیٹھا کوئی دنیا سے ہاتھ اٹھائے گھر کسی کے خرقہ و تاج میں کوئی چوا گن میں کہیں کتھا ہو رہی کوئی وعظ کہہ رہا ایک طرف کھنجری بجتی طنبورا چھڑتا بھجن ہوتے ایک سمت حلقہ مراقبے کا بندھا وجد پڑھ رہے لوگ روتے عجب وہ گرو و مرشد غریب یہ مرید چیلے روز ایک دو کو مونڈتا تیسرے چوتھے دن عرس میلے حاصل کلام یہ کہ وہ عجیب جلسہ تھا کہ دیکھا نہ سنا یہ اجتماع نقیضین آرام و چین سے شہزادے کے پاؤں کی آہٹ جو پائی مرد آگاہ دل روشن ضمیر نے پلک ہاتھ سے اٹھائی آنکھ ملائی دیدے لال لال چہرے پر رعب و جلال جان عالم کو بغور دیکھا اُس نے جھک کر مؤدب سلام کیا اُس خوش تقریر شیریں مقال نے کہا بھلا ہو بچہ بڑی مصیبت فلک نے دکھائی جو یہ صورت

تصویر پہاڑ اور مٹھ او بھنڈارہ جوگی مع ترسول وغیرہ او جان عالم کی



یہاں تک آئی آؤ بیٹھو گرو بھلا کرے مرشد کی دعا سے حق حاجت روا کرے ہم تمھارے امانت دار ہیں
سواری کھڑی ہے چلنے کو تیار ہیں جانعالم متعجب ہو رہا تھا اور زیادہ حیران ہوا کہ یہ کیا اسرار ہے پاس جا بیٹھا
جوگی اٹھا چشمہ میں نہایا گیروا چادر پھینک سفید اوڑھ عطر لگا جانعالم کے نزدیک آیہ نکتہ زبان پر لایا بابا ایک دن
ذوق و شوق کے عالم میں ہمارے مرشد گرو نے تیرے حال سے خبر دی تھی کہ ایک شہزادہ کا جہاز تباہ ہو جائیگا
وہ بسراغ مطلب یہاں آئیگا اُس کا کام تجھ سے اور تیرا کام اُسکے سامنے پورا ہو جائیگا اس بات کے سننے سے شہزادے کو
نہایت مسرت ہوئی کہا جوگی جی تمھارے نام سے میری زندگی ہوئی ورنہ دو چار دن میں گریبان صبر چاک ہو جاتا
سر ٹکرا کر ہلاک ہو جاتا خوبصورتی کا بھی عجب مزا ہے جہاں اس کا شیدا ہے عالم کو مرغوب ہے طرحدار سب کا
محبوب ہے پیر فقیر غریب امیر سب کو عزیز ہے اس کا خواہشمند ہر باتمیز ہے جوگی سمجھانے لگا کہ یہ اضطراب بیجا ہے
دیر آید درست آید بابا دنیا کا یہ نقشہ ہے گاہ خوشی کبھی غم یہ دونوں امر باہم ہیں کبھی وصل کی شام کو دل کیسا
بشاش ہوتا ہے کبھی ہجر کی صبح کو کلیجہ پاش پاش ہوتا ہے ایک شب لذت ہمکناری ہے ایک روز پہلو تہی
گریہ و زاری ہے کبھی شب وصل کیا کیا اختلاط ہوتے ہیں گاہ فصل کے دن سر پیٹتے ہیں روتے ہیں آدمی جب
رنج سے گھبرائے اور غم مفارقت دوست جان ہونٹوں پر لائے دل کو یہ تسکین دیکر سمجھائے۔ مصرع ؎

چناں نماند چنیں نیز ہم نخواہد ماند ع درپس ہر گریہ آخر خندہ ایست مصحفی ؎

زندگی ہے تو خزاں کے بھی گذر جائینگے دن ۔۔۔ فصل گل جیتوں کو پھر اگلے برس آئے گی

جو وصل میں راحت و آرام پاتا ہے وہی ہجر کے دکھ قلق اٹھاتا ہے تو نے ان دونوں بھائی جو توام
پیدا ہوئے تھے اُن کا قصہ سنا نہیں کہ پہلے انھوں نے کیا کیا صعوبت اٹھائی پھر ایک نے
سلطنت پائی دوسرے کے ہاتھ شہزادی آئی جان عالم نے کہا ارشاد ہو کیونکر ہے

قصہ برادران توام کا شکار کو جانا پھر شب کو اندھیرے میں دونوں جانوروں کا پھنس جانا ان کا کھانا ایک نے سلطنت پائی دوسرے پر خرابی آئی پھر شہزادی پاکر بھائی سے ملا

جوگی نے کہا ایک شہر میں دو بھائی تھے توام پرورش یافتہ ناز و نعم روزگار پیشہ نیک اندیشہ سوائے
رشتہ برادری کے سر رشتہ دوستی باہم مستحکم تھا مگر دونوں کی طبیعت متوجہ سیر و شکار ہمت مصروف
سیاحی دیار دیار تھی ایک دن شکار کھیلنے جنگل میں جاتے تھے ہرن سامنے آیا چھوٹے بھائی نے

تیر لگایا کاری نہ لگا ہرن کنوتیاں اٹھا بھاگا دونوں نے تعاقب کیا تمام دن واں داں افتاں و خیزاں چلے گئے قریب شام بڑے بھائی نے جو تیر مارا ہرن ڈگمگا کر گرا یہ گھوڑوں سے اترے ذبح کیا دن بھر کی دوڑ سے گھوڑے شل خود بھی مضمحل ہو گئے تھے تمام روز کے بے دانہ و آب بھوک پیاس سے بیتاب تھے لکڑیاں چُن کر پانی بہم پہونچایا کباب لگائے بخوبی تمام دونوں نے کھائے مگر اس روز جو کیفیت اور لذت خشک کباب میں پائی مرغ کی بریانی ترتراتی نے کبھی ایسی نہ دکھائی تھی پانی پیتے ہی سستی معلوم ہوئی رات بھی ہو گئی تھی لیکن شب ماہ پورنماشی کا چاند اللہ اللہ جنگل کی فضا سبزہ نو رستہ جابجا انھوں نے کہا آج کی شب اس صحرا میں سحر کیجیے چاندنی کی بہار صنعت پروردگار دیکھ لیجیے پھر دل میں سوچے کہ تنہائی کی چاندنی گور کے اندھیرے سے بدتر ہے سچ ہے جب ماہرو بر میں اور نور نظر میں نہ ہو اندھیرا اجالا آنکھ میں برابر ہے شیخ ناسخ ؎

دھوپ بہتر پر شب فرقت کی بدتر چاندنی
صاعقے کے طور سے پڑتی ہے مجھ پر چاندنی

خیر یہ دونوں ایک درخت سایہ دار چشمے کے قریب دیکھ شطرنجی چاندنی گو ہمراہ نہ تھی زین پوش چاندنی کی عوض بچھا چاندنی کی سیر کرنے لگے باگ ڈور سے گھوڑے اٹکا دیے چھوٹا بھائی بڑا متین ذی شعور نکتہ سنج دوربین تھا بڑے بھائی نے کہا آج ہم تمھاری عقل کا امتحان کرتے ہیں بتاؤ تو اسوقت ہمارے شہر کا ہم سے کتنا فاصلہ ہے اور سمت کونسی ہے دوسرے کباب کی لذت پانے کا مزا آج بہت ملا اس کا سبب کیا تھا اُس نے جواب دیا یہ باتیں سہل ہیں شہر ہمارا یہاں سے سو کوس ہے اور دلیل یہ کہ بارہا تجربہ کیا ہے میرا گھوڑا تمام دن میں سو کوس اسی چال سے پہونچتا ہے اور سمت ستاروں سے ثابت ہے کہ شمال ہے رہا کھانے پانی کا لطف خلاف وقت سے تھا الا نیا مقدیہ سنیے یقین کامل ہے کہ صبح کو عنایت خالق اور مدد طالع سے وہ سامان مہیا ہو جو کدورت سابق دور ہو آیندہ آسایش رہے طبیعت مسرور ہو بڑے بھائی نے اس کی وجہ پوچھی اُس نے کہا آج سو کوس کی مسافت بصد آفت طے کی بھوکے پیاسے رہے لیکن دل بشاش ہے وہ سُن کے چپ ہو رہا یہ قصہ رفت و گذشت پھر مشورہ ہوا کہ یہ ایک جنگل سنسان ہو کا مکان ہے یہاں درندہ گزندہ سانپ بچھو شیر بھیڑیے کے سوا پرندہ درندہ نظر نہیں آتا جو ہم تم دونوں سو رہے خدا جانے کیا ہو تین پہر رات باقی ہے ڈیڑھ پہر ہم جاگیں پھر تم ہوشیار رہو یہ صلاح پسند خاطر طرفین ہوئی پہلے بڑے بھائی نے

آرام کیا چھوٹے نے جاگنے کا سرانجام کیا تیر کمان ہاتھ میں اٹھا ٹہلنے لگا جب زلف لیلائے شب
کمر تک آئی اسی درخت پر دو جانور آپس میں اپنی اپنی توصیف و تعریف زبان بے زبانی میں
کرنے لگے اور یہ شخص بہت جانوروں کی بولی سمجھتا تھا آواز پر کان لگائے ایک بولا میرے
گوشت میں یہ تاثیر ہے جو کھائے ایک لعل تو پہلے دوپہر کے بعد اُگلے پھر ہر چھینے میں منھ سے نکلے
دوسرا بولا جو شخص میرا گوشت کھائے اسی روز بادشاہ ہو جائے وہ یہ باتیں سمجھ دل میں نہایت
خوش ہوا تیر و کمان تو موجود تھا الا اللہ کہہ کر تیر بے تامل چلے سے جوڑ کر کھینچا

تصویر دونوں بھائیوں کی منہ گھوڑوں سے اور ہرن کے کباب پکانا اور درخت کے جانوروں پر تیر لگانا



لب سوفار کان کے پاس آیو عدہ نشانہ سرگوشی کرکے روانہ ہوا قضا نے ہر چند ان کے سر پر خبردار
پکارا کمان کرہ کرتا کر چلائی کہ وہ مارا رات کا تیر سراسری انکریس مگر مرگ جو در پے ہو گئی جان
نہ بچی پیکان سے تا سوفار دو سار ہوا زمین پر چھد کر وہ دونوں ایک تیر میں گر پڑے اس نے تکبیر
کہہ کر ذبح کیا طائر روح اُنکا اُڑ گیا دن کی لکڑیاں بچی سُلگا کباب لگائے جس کے گوشت میں سلطنت
کا ذائقہ سمجھا تھا اُسے خود کھایا دوسرا بھائی کے واسطے اٹھا رکھا اور ایسا خوش ہوا کہ
تمام شب آپ پاسبانی کی بڑے بھائی کو تکلیف نہ دی مگر معاملات قضا و قدر سے مجبور بشر ہے

انسان کے قبضۂ قدرت میں نفع ہے نہ ضرر ہے۔ مصرعہ تقدیر کند بندہ تقدیر زند خندہ شعر

انچہ نصیب است بہم مے رسد ۔۔ ور نہ ستانی بستم مے رسد

جس وقت زاغ شب نے بیضہ ہائے انجم آشیانۂ مغرب میں چھپائے اور صیادان سحر خیز دام بر دوش آئے اور مرغ زریں جناح طلا بال غیرت لعل قفس مشرق سے جلوہ افروز ہوا یعنی شب گذری روز ہوا بڑا بھائی اُٹھا چھوٹے نے وہ کباب پس ماندہ شب یعنی رات کے بچے ہوئے روبرو رکھے وہ نوش کر گیا اور کچھ حال نہ کہا دو گھڑی دن چڑھے جب لعل اُگلا تب سمجھا ہم نے بہت تدبیر کی مگر سلطنت بڑے بھائی کی قسمت میں تھی پھر وہ لعل بطریق نذر روبرو لایا اور رات کا فسانہ مفصل سب کہہ سنایا کہا اللہ کی عنایت سے جلد آپ کو سلطنت حصول ہو یہ نذر غلام کی قبول ہو اس کو اُس کی سعادتمندی سے خرسندی حاصل ہوئی پھر کہا سامنے آبادی معلوم ہوتی ہے ہم جا کر اس لعل کو کسی دلال کے ہاتھ بیچ آئیں تم گھوڑوں کے پاس رہو اگر اپنے شہر چل کر یہ امر کریں گے حاکم کا خوف مانع کار ہے وہاں ایسا کہاں اختیار ہے یہ کہہ کر اُدھر چلا جس دم شہر کے دروازے پر پہونچا خلقت کا انبوہ نظر پڑا اس ملک کا یہ معمول تھا جب وہاں کا بادشاہ دار السلطنت عدم کا تخت نشین ہوتا وضع و شریف شہر کے سوم کی رسم کے بعد وزیر اعظم کے ہمراہ صبحدم تخت لے دروازے پر آتے جو اُس روز پہلے مسافر باہر سے آتا اُسے بادشاہ بناتے قضا را وہاں کا بادشاہ قضا کر گیا تھا لوگ تخت لیے منتظر تھے یہ داخل ہوا اسے تخت پر بٹھا نذریں دیں نوبت و نشان جلوس کا سب سامان موجود تھا دھوم دھڑکے سے دیوان خاص میں داخل کیا منادی ہوئی بقول مشہور ان کی رہائی دہائی نزدیک دور ہو گئی اس کو سرور سلطنت اور احکام مملکت کے باعث اُس دن بھائی کا خیال نہ آیا دوسرے روز جب تخت پر رونق افروز ہوا بھائی یاد آیا فوراً جاسوس ہرکارے درخت کا پتہ بتا روانہ کئے کہا اس صورت کا جوان اور گھوڑے وہاں ہیں جلد حضور میں حاضر کرو وہ سب دوپہر تک تمام جنگل کی خاک چھان حیران و پریشان پھر آئے غرضکہ تمام دشت میں پھر کر پاؤں توڑنے نہ آدمی ملا نہ گھوڑے وہ کچھ رنجیدہ ہو سلطنت کے شغل میں مشغول ہوا بھائی بیچارے کو بھولے سے بھی کبھی یاد نہ کیا مگر وہ لعل جسے بیچنے کو لایا تھا جس کے بہانے میں تخت و تاج میسر آیا تھا فال مبارک اور بے نشان بھائی کی نشانی سمجھا اور ہر روز دربار میں لاتا اور ملازموں کو دکھاتا وہ سب بہ خاطر

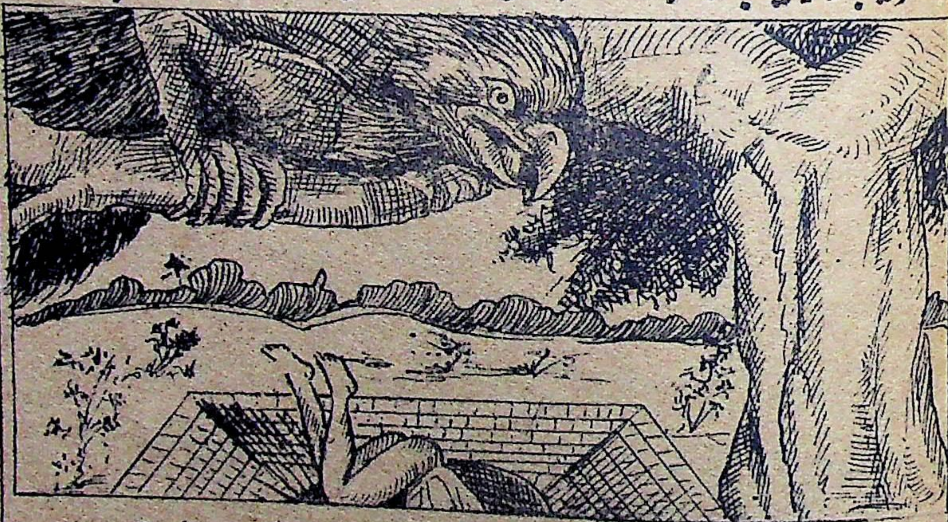
شاہ تعریف کرتے اس کو خوشی حاصل ہوتی

مذکور اُس گرفتارِ پنجۂ اجل کا جانور کا اُٹھا لیجانا کنوئیں میں گرانا قافلے کا آنا پھر بعلتِ لعل شہزادی تک پہونچنا اور بہ حیلہ ایلچی بھائی کی مُلاقات

صیادان طائر معانی ذی ہوش و دام داران بلبل خوش بیانی خانہ بدوش نے حال اُس منتظر زیر درخت کا یہ لکھا ہے کہ ہمہ تن چشم محو انتظار برادر فراموش کار تھا ناگہاں ایک جانور مہیب بدشکل عجیب آیا اور پنجہ میں داب کر اڑا گھوڑوں نے ڈر سے باگ ڈور توڑا کر جنگل کا راستہ لیا کود بھلگے اللہ کی قدرت دیکھے بڑا بھائی سلطنت کا مالک ہوا چھوٹا بیچارہ موذی کے چنگل میں پھنسا واللہ اعلم بالصواب وہ جانور وہاں سے کتنی دور اڑا آخر کار تھک کر ایک درخت کنوئیں کی جگت پر تھا اس پر جو بیٹھا یہ چھٹ کر کنوئیں گر جاتے

بجا ہے افگند ما ہے دل افروز		فغان زین چرخ دولابی کہ ہر روز

تصویر جانور مہیب جو چھوٹے بھائی کو اُڑا لے گیا اور وہ چھٹ کر چاہ میں گرا



الا رسن حیات مضبوط تھی نہ گر نہ بیچے کی پہونچی نہ چوٹ چپیٹ گرنے کی لگی یہ پر حسن ہ

جوان اُس میں وہ سانپ کا سن ہوا		کنواں وہ جو اندھا تھا روشن ہوا

وہ جانور تو اُڑ گیا یہ بے پر کنوئیں میں پڑا رہا اتفاقاً اسی روز ایک قافلہ گم گشتہ راہ وہاں پہونچا آدمی پانی بھرنے کنوئیں پر آئے یہ رسّی کے سہارے سے باہر آئے جس نے اس کا جمال دیکھا یا اتبہ ھذا غلام

کا شور برپا کیا دنیا کے عجیب معاملہ ہیں ۔ شعر

رو دنے نگر کہ طوطی جانم سوئے لبش	بر بوئے پستہ آمد و بر شکر افتاد

جب لوگ حال پوچھنے لگے اس نے جیسا موقع دیکھا ویسا بیان کیا غرضکہ میر قافلہ کی خدمت میں رہنے
لگا چند روز میں قافلہ منزل مقصد پر پہونچا اور مہینہ بھی تمام ہوا جوان نے دوسرا لعل گذرانا
قافلے نے لعل جو دیکھا تمام ملال بھولا یا خود سوچا ایسی گراں بہا شے کا سہل سے لینا مشکل ہے
مُبادا فساد اُٹھے تدبیر شرط ہے جوان کو قید کر کو توال پاس بھیجا کہا یہ میرا غلام ہے آج اس نے
لعل چرایا کچھ ایسا وسوسۂ شیطانی دل میں آیا میں نے آپکی خدمت میں بھیجا ہے اسے سزا ملے تا لوگ ڈریں
عبرت سے ایسی حرکت نہ کریں کو توال نے قاضی سے مسئلہ پوچھا اس نے ہاتھ کاٹنے کا فتویٰ دیا مگر اس شہر کا
یہ دستور تھا جب کسی شخص پر گناہ ثابت ہوتا تو مدعی اور مدعا علیہ بادشاہ کی بیٹی کے روبرو حاضر ہوتے
اظہار حال کے بعد مرافعۂ ثانی میں جو اسکی رائے معدلت پیرائے آمادہ ہوتا اسواسطے کہ بادشاہ مُسن تھا بیٹی
کے سوا اور کوئی التخت سلطنت کا وارث نہ تھا اللہ رے اُسکے جمال کا جلوہ اور حسن کا غوغا پری کو ہزار جان سے
اسکی پرواہ حور اسکی شیدا خلق اللہ اس سیما پر نثار آفت روزگار تھی حسن عالم فریب کے علاوہ طبع حلیم رائے سلیم
نکتہ فہم دقیقہ رس اپنے عصر کی حکیم حقیقتاً قابل ریاست صاحب فراست تھی غنچۂ خاطر اس گل اندام یاسمین پیکر
کا رونا دیدہ صبا دہن صدف مراد تمنائے قطرۂ نیساں میں بند کوچۂ عصمت و عفت میں اس رنا سفتہ درج
شہریاری کے وہم و فکر تاجداران دہر کا گذر نہ ہوا تھا اُس دم تک ناکتخدا تھی جس وقت وہ دونوں روبرو ہوئے پہلے
شہزادی نے میر قافلہ سے پوچھا اُس نے جو کچھ کو توال سے کہا تھا وہی بے کم و کاست پھر عرض کیا شہزادی
بولی سعدی ؎ باطل است انچہ مدعی گوید ٭ پھر جوان کی طرف مخاطب ہوئی کہ یہ زیست سے تنگ آمادۂ مرگ تھا
بے تامل بولا شہزادی آپ روشن ضمیر ہیں ہم مصیبت زدوں کی طرح سلسلہ بے جرمی میں اسیر ہیں یہ شخص سچا ہے
وہ تو عقیلہ تھی زیادہ شک ہوا دل سے کہا آجتک کسی چور نے حاکم کے روبرو بجز انکار دست بری دفعتاً
اقرار دزدی کیا نہیں یہ بیگناہ ہے تقریر اس شاہد کی شاہد ہے خدا گواہ ہے کچھ اس میں بھید ہے قافلہ باشی سے
فرمایا کل محکمہ میں حاضر ہونا جوان کو ڈیوڑھی پر قید کیا یہ تو حسین بلکہ مہر طلعت ماہ جبیں تھا طالع کا ستارہ جو چمکا
شہزادی کا میلان خاطر جوان کی جانب ہوا شب کو بہ دلداری و تاسف استفسار حال فرمایا اسوقت جوان
ناکردہ گناہ نے آہ سرد بھر شروع تا، از آغاز تا انجام عرض کیا شہزادی کا دل پہلا قصہ سنکر بمرتبہ اتم

سرد رہوا چوری کا شک اس دزد دل کی جانب سے دور ہوا صبح کو بادشاہ کے حضور میں الا خود دست ادب باندھ کر عرض کی قبلہ عالم و عالمیان کی عمر دراز ہو قیصر و فغفور کی اس در پر جبین بر نیاز ہو شہر کا قاضی اور کوتوال بے دریافت حقیقت حال حکم سزا بندہ ہائے خدا کو کرتا ہے ونجز اکی جواب دہی سے کوئی نہیں ڈرتا ہے غضب کی جا ہے عجب ماجرا ہے واجب التعزیر صاحب تقصیر کو سزا ملے بیگناہ کا ہاتھ کٹے بادشاہ نے پھر دونوں کی زبان سے حال سنا اور بسبب کبر سن کے عقل کو زوال ہوتا ہے یہ وہ دن سن کہ نسیان کمال ہوتا ہے ذہن نہ لڑا تامل کیا شاہزادی نے التماس کیا حضور یہ امتحان بہت آسان ہے ایک مہینہ اور اس جوان کو قید رکھیے اگر دوسرا لعل اگلا تو سچا ہے پھر ایسے در یتیم صدف آسنی کو کیوں بے آب و تاب کیجے آبرو لیجیے وگرنہ بماہ آیندہ یہ بدکردار کا سزاوار ہے ہاتھ کاٹنے سے کیا ہاتھ آئیگا بادشاہ کو سردست جواب باصواب بیٹی کا بہت پسند آیا حاضرین نے تحسین و آفرین کی بادشاہ نے جوان کو اپنی آنکھوں کے سامنے نظر بند کیا میر قافلہ کو شہزادی نے مجلس بھیجا قصہ کوتاہ وہ مہینہ بھی تمام ہوا ور ان دنوں میں شعلۂ محبت مجمر سینے سے بھڑک گئے لگا دم شہزادی کا پھڑ کنے لگا حال طشت از بام افتادہ ہوا جوان نے عرض کی کل لعل اگلونگا پھر صبح کو سر دربار روبروئے حضار لعل بے بہا درج دہان سے نکالا سب کو حیرت شہزادی کو فرحت و مسرت حاصل ہوئی اسی دم مال و اسباب قافلہ باشی کا جوان کو ملا ئے تشہیر کر کے شہر سے بدر کیا جوان کی صورت دل پذیر فصاحت تقریر پسند خاطر صغیر و کبیر تھی بایمائے شہزادی سب نے متفق اللفظ بادشاہ سے عرض کی کہ یہ شخص حضور کی عنایت کے لایق ہے تمنائے ملازمت رکھتا ہے۔ کفش برداری کا شائق ہے بادشاہ بھی اس کی راستبازی سے خوش تھا راضی ہوا سعدی ؎

راستی موجب رضائے خداست	کس ندیدم کہ گم شد از رہ راست

چند عرصے میں بقرب بارگاہ سلطانی مورد عنایات جہانبانی ہوا ہر مہینہ لعل اُگل حضور میں لانے لگا روز بروز ہمچشموں میں سرخروئی حاصل کر آبرو پانے لگا آخر کار بمشورۂ ملازمان قدیم و بتحریک حکما و ندیم بادشاہ اس گوہر مسلم سلک تا جداری کو برشتۂ عقد اس لعل بے بہا سے منعقد کیا یہ دونوں مشتاق بصد اشتیاق باہم لطف کے ساتھ بے اندیشہ و غم ایام گذاری بڑی دھوم دھام اور تیاری سے کرنے لگے مگر ہر روز بلاناغہ جوان بادشاہ کے حضور میں حاضر رہتا تھا ایک دن ایلچی اسکے بھائی کا کسی تقریب میں وارد ہوا اور جواہر کا ذکر نکلا ایلچی نے عرض کی کہ ہمارے بادشاہ کے پاس ایک لعل اس رنگ ڈھنگ سنگ کا ہے کہ آج تک

جوہری چرخ نے باوجود عینک مہر و ماہ و گردش شام و پگاہ سال و ماہ میں اسکے سنگ کا کیا پاسنگ کے
برابر بھی نہیں دیکھا ہے یہ کلمہ سُنکر بادشاہ نے وہی لعل جو گنجینۂ سینۂ بے کینہ جوان سے نکلے تھے دس بارہ
ایلچی کو دکھائے وہ بھی جواہر شناس تھا سخت حیران تا دیر سر بہ گریبان رہا پھر عرض کی قبلۂ عالم عجب کی
جا ہے کہ رنگ و روپ نقشہ اُن کا اس کا ایک سا ہے اتنا فرق مقرر ہے کہ وہاں ایک ہے یہاں ایک سے ایک
بہتر و برتر ہے بادشاہ نے جوان کی طرف اشارہ کیا کہ یہ میرا فرزند ہے ہر مہینہ ایک لعل تھوکتا ہے
ایلچی نے جو غور سے دیکھا اپنے بادشاہ سے مشابہ کیا بعینہ پایا خیر رخصت ہوا جب اپنے بادشاہ کی خدمت
میں حاضر ہوا اُس کا تو معمول تھا جب تخت پر آکر جلوہ گر ہوتا وہ لعل پیش نظر ہوتا ایلچی کو پھر وہ سانحہ یاد آیا
عرض کی قبلۂ عالم اس لعل کو جدا کرتے نہیں ہے اسکے قدم مبارک تخت پر دھرتے نہیں ان دنوں
خانہ زاد جس بادشاہ کے پاس گیا تھا نیا ماجرا دیکھا معدن جواہر اور لعل کی کان کہ وہ امکان
نہیں لیکن وہ لعل کا پتلا زندہ اپنے پاس رکھتا ہے بادشاہ نے اُس کا حال مفصل پوچھا اُس نے سب
بیان کیا کہ داماد اس شاہ خجستہ نہاد کا ہر مہینہ لعل اُگلتا ہے اور کیا گذارش کروں جیسی حضور
کی صورت ملتی ہے حقیقی بھائی ایسے دکھائی نہیں دیتے یہ سُنتے ہی یقین ہوا کہ اب پتہ ملا مقرر
وہ بھائی میرا ہے اسی وقت نامہ شوقیہ اس کان گہر کے اشتیاق دید میں بادشاہ کو لکھا کہ برائے چندے
اگر اُس فرزند ارجمند کو ادھر روانہ کرو محبت دیرینہ سے بعید نہ ہو ہمیں شوق دیدار از حد تحریر و اظہار
افزوں ہے اور پوشیدہ خط تنہا بھائی کو رقم کیا کہ آجتک تیری مفارقت سے تخت شاہی بدتر از
بوریائے گدائی تھا اب ایلچی سے یہ خبر فرحت اثر سُنکر دل کو سرور آنکھوں میں نور آیا لازم کہ بمجرد
ورود رقیمۂ وداد ادھر کو روانہ ہو اور پھر پتے حسب نسب کے سانحہ شکار تفصیل دار قلم بند
کردیئے ایلچی سے فرمایا کہ نامہ علی رؤس الاشہاد بادشاہ کو اور یہ خط خفیہ اُس غیرت ماہ کو دینا قاصد
صبا دم صرصر قدم جلد تر اُس شہر میں وارد ہوا بادشاہ کو نامہ دیا اور خط پوشیدہ جوان کو حوالے کیا د
مکتوب محبت دیکھ کر ایسا گھبرایا یہ لہو نے جوش کھایا کہ اسی دن رخصت کا ذکر بادشاہ سے لایا آخر د
عاشق برادر معشوقۂ روح پرور کو لے کر جہاز پر چڑھ روانہ ہوا راہ میں ایلچی سے شہر کا نقشہ راہ
کا پتہ سب پوچھ لیا فرط شوق سے دن رات سرگرم رفتار تھا ساعت بھر کسی منزل کا مقام ناگوار
تھا کہ جلد پہونچیں کہیں نہ ٹھہریں تیز رنگ زمانہ کج سرشت بوقلمون کہ ہر دم و ہر ساعت دگر گوں ہے کیا

کہوں جب دس بارہ کوس وہ شہر رہا جہاز تباہ ہو گیا جسکی قضا تھی وہ تہ آب گرداب ہا جسکی بقا تھی بہہ نکلا یہ قصہ جانگداز دور دراز پہونچا اسکے بھائی نے سنا فوراً ہزار سوار تیز رفتار دوڑائے کہ جس ڈوبتے اُچھلتے کا پتہ پاؤ جلد حضور میں لے آؤ آخر کار بہزار جستجو وتگاپو شہزادی ہاتھ آئی انکی خبر نہ پائی اُسے بادشاہ پاس حاضر کیا جوان کے ڈوبنے کا حال کہدیا بادشاہ بحال تباہ گرداب فراق میں پھنسا شہزادی صف نشین ماتم لجۂ لطمۂ اندوہ وغم میں الجھی جوان کا حال یہ ہوا کہ تختے کے سہارے سے بہتا بہتا پیاس کے صدمے بھوک کی موجیں سہتا سہتا کئی دن میں کنارے پر پہونچا فی الجملہ جب تاب و طاقت آئی پوچھتا پوچھتا اس شہر میں داخل ہوا بادشاہ کو خبر پہونچی روبرو بلایا بسبب طول ایام مہاجرت درازی زمانہ صعوبت نہ پہچانا۔ استاد

اتنی مدت میں ملا مجھ سے وہ دھوکا دے کر		یاد ہی جب مجھے اس شوخ کی صورت نہ رہی

ہیئت تبدیل خوار ذلیل تھا اس اختلاف کو دیکھیے یہاں صحرا نوردی بھوک پیاس مصیبت وہاں حکمرانی وعیش وآرام وتخت سلطنت ناچار شہزادی کو طلب کیا اسے بھی تامل ہوا وہ شخص بولا پہر بھر کا عرصہ باقی ہے آج لعل اُگلنے کا دن ہے پھر تم سب پہچانوگے بادشاہ کو یقین ہوا کہا اگر یہ جھوٹا ہوتا ایک پہر کا وعدہ نہ کرتا شہزادی نے کہا تیری طبیعت کی جودت مشہور ہے ایک معمہ پوچھتی ہوں اگر بدیہہ جواب دیا تو بیشک شک رفع ہوا بھلا وہ کیا شے ہے جسے گبر و مسلمان یہود و نصاریٰ سب انسان کا فرقہ آشکارا کھاتا ہے مگر جب اُس کا سر کاٹ ڈالو تو زہر ہو جائے کوئی نہ کھائے اور جو کھائے تو فوراً مر جائے جوان نے ہنس کر کہا شہزادی قسم ہے یہ کیا معمہ پوچھا ہے وہ پھڑک گئی دل کی بھڑک گئی وحشت مٹی بیا کانہ چلمن اٹھا پروانہ کی طرح اس شمع بزم فرقت کے گرد پھری بادشاہ متعجب ہوا کہ ہم تو کچھ نہ سمجھے شہزادی کیا سمجھ کر سامنے آئی جوان نے عرض کی کہ قبلہ وہ چیز قسم ہے تمام عالم کھاتا ہے سر اس کا قاف جب لیے کاٹو تو سم صاف ہے سم زہر کو کہتے ہیں کون کھاتا ہے کھانے والا مر جاتا ہے بادشاہ بغلگیر ہوا اس نے لعل اگل دکھا دیا نے بچھڑے ملے اسی طرح جامع المتفرقین سب بچھڑوں کی دوری کا بکھیڑا مٹائے جو جس کا مشتاق ہو جس کی جدائی جسے شاق ہو وہ اسے مل جائے جوگی نے یہ قصہ تمام کر کے جان عالم سے کہا بابا شعر

مشکلے نیست کہ آساں نہ شود		مرد باید کہ ہراساں نہ شود

جوئندہ یابندہ ہے یہاں سے منزل دوست قریب ہے سب کچھ معلوم ہے الا کہنا منع ہے دنیا مقام چپ رہنے کا اتنا اس جگہ وقفہ کر میری زیست کا ساغر بادۂ اجل سے لبریز ہے سمند جان کو نفس پر دھیرہ ہے مجھے نہیں تو نہ

تشریف لیجانا اور چند وصیتیں کیں جانعالم نے کہا یہ رنج و قلق کس سے دیکھا جائیگا پتھر کا کلیجہ کہاں سے ہاتھ آئیگا کہ دوست غمخوار کو اپنے جیتے جی زیر خاک کیجے اُسکے ماتم میں گریبان صبر چاک کیجے یہ کہکر رونے لگا گریبان تا دامان بارش اشک سے بھگونے لگا جوگی اسکی محبت کا بروگی ہوا کہا افسوس دم واپسیں کا عرصہ بہت کم دم نہیں مار سکتے ہم وگرنہ تیرے ہمراہ شریک درد و غم ہوتا بھلا آخری فقیری کا ایک لٹکا سیکھ لے سائیں چاہے تو کہیں اٹکا نہ رہے گا قبر میں لیجا کر کیا کرونگا پھر چند کلمے وہ بتائے کہ جس صورت کا دھیان لائے فوراً ہو جائے یہ مقدمہ بتا ہر گرو کا نام لیا پھر کلمہ جو پڑھا دنیا سے چل بسا دم نکل گیا جوگی مسافر عدم بیکنٹھ باشی رم گیا جانعالم کا روتے روتے دم گیا بتیا بانہ نعرۂ الفراق مارے مرید چیلے جمع ہو کر گرد دگرد یا ہادی کہہ کر بہت پکارے بولتا نکل گیا جوگی نے صدا نہ دی منزل مقصد کی راہ لی شہزادے نے بموجب وصیت غسل دیا کفنایا قبر میں اتارتے کے وقت کچھ نہ پایا برابر کفن پھاڑ دیا آدھا چیلوں نے جلایا نصف مریدوں نے منڈھی میں گاڑ دیا ہندوؤں نے راکھ پر چھتری بنائی مسلمانوں نے قبر بنا کے سبز چادر اُڑھائی وہ تنت منتر سبحہ و مصلے خرقہ و جبہ اسکے منظور نظر کو دے جانشین کیا مُرید چیلوں کا ہاتھ اُسکے ہاتھ میں دیا اُسے ایک لوٹا آیا از سرنو اُن سب کو یہ تلقین کیا کہ سنو بچا گو جوگی ظاہر میں آنکھوں سے نہاں ہے مگر مرشد کامل کا جلوہ سائیں کا ظہور ہر برگ و بار بوٹے پتے گل و خار بلکہ در مسجد و دیوار کنشت سے دیدۂ دوربیں میں عیاں ہے عارف کا یہ کلام ہے سعدی رحمہ

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار	٭	ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار	

دیدۂ بینا گوش شنوا اس رمز کو درکار ہے ہر کونے میں اسی کا جھگڑا ہے نمونۂ قدرت نشان وحدت دنیا کا نقش و نگار ہے بلبل کے پردے میں ترانہ سنجی ہوتی ہے قمری کی کو کو جو یا کی جان کھوتی ہے اسکے ذکر میں سرگرم ہے جسکی زبان و منقار ہے کسی کو حرم محترم میں نامحرم رکھا بھٹکایا کسی کو بیت الصنم میں بلا کر جلوہ دکھایا کعبے کا دھوکا دیر کا بہانہ ہے دوڑا کر تھکانا ہے اور جسے سن تیشا کو مہر کر کے ڈھونڈھا اُسنے گھر بیٹھے پایا ہے امیر خسرو

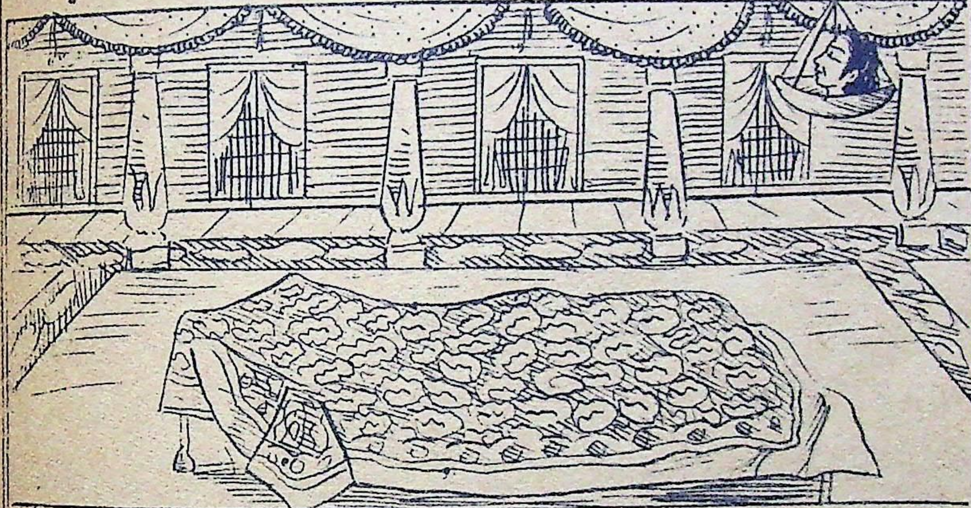
جن ڈھونڈھا تن پائیاں گہرے پانی پیٹھ		مین بوری ڈوبن ڈری رہی کنارے بیٹھ

دنیا کا معاملہ مذہب و ملت کا جھگڑا اچھا وہ بُرا پر زبان و سر سوئے ہے حق بیشک دانا ہر آن موجود ہے رنج میں دل کو خوش الم میں طبیعت کو شاد رکھو وحدہٗ لاشریک کے نزدیک شرکت کرنے والا شرک حماقت شعار ہے مرسلو نکا رستگار جانو مرید یار سمجھکر مانو مرشد کی ذات گرو کی صفات ہر جلسے میں یاد رکھو بود و نابود کا غم نہ ہو

اور احباب کا دل کہ حباب سے نازک تر ہے خدا کا گھر ہے آشفتہ و برہم نہ ہو اللہ بس باقی ہوس یہ کہہ کر قصہ
مختصر کیا بے خبروں کو باخبر کیا جب اس صحبت سے جانعالم کو فرصت ملی چلنے کا سرانجام کیا اُس جانشین
مہنت نے رُکا اور دو چار دن خاطر سے مقام کیا پھر جس طرف جوگی نے بتایا تھا جل نکلا پہاڑ سے جس دم
آگے بڑھا دریا ملا ہر چند ڈھونڈھا نا وُبیڑے کا تھل بیڑا نہ لگا مگر ایک لعل درخشاں بروئے آب رواں سامنے
آیا قریب اسکے دوسرا نظر پڑا اسی طرح تھوڑے تھوڑے فاصلہ سے بہت لعل بہتے دیکھے تازہ فکر ہوئی
کہ اس حال کو کیونکر دریافت کیجے کنارے کنارے سیر دیکھتا چلا دو کوس جب راہ طے کی عمارات
عالیشان دیکھی اس چشمے کو اُس کے اندر سے رواں پایا دروازہ اور در کی بہت تلاش کی تھا اندر جانے کا
باب مفتوح ہونہ ہوا سوائے دیوار و در نہ تھا اسوقت بلبل بن کر دیوار پر جا بیٹھا مکان رفیع الشان باغ
بھی بہار کا مگر سنسان انسان نہ حیوان فقط ایک بنگلہ نہایت نقش و نگار کا وہ نہر اسی بنگلہ کے اندر سے
جاری تھی چمن خالی اور رباد بہاری تھی آدمی یا جانور ناطق و مطلق نہ تھا باغ میں اتر صورت قدیم بدلکر
بنگلے میں آیا منقش و مطلا سجا سجایا پایا لیکن طرفہ حال یہ دیکھا ایک پلنگ مرد کے پایوں کا بچھا ہے اسپر کوئی
دوشالہ تانے سوتا ہے برابر یاقوت کی تپائی پر پھولوں کا دستہ آدھا سرخ نصف سفید رکھا ہے جانعالم نے
قدم بڑھا دوشالہ سرکایا وہ تن پری پیکر بے سر نظر آیا حسرت سے کہا کس ظالم ستم شعار بے رحم جفا کار نے
اس مہر دفتر خوبی سرا سر دلبری و محبوبی کا سر کاٹا ہے بحیرت ہر طرف دیکھتا تھا چھت پر آنکھ پڑی چھینکا بندھا تھا
سر بھی دھرا دیکھا سر کے نیچے نہر جاری ہے جو خون کا قطرہ اس حلق بریدہ سے پانی میں گرتا ہے اللہ
کی قدرت کاملہ سے وہ لعل ہو کر ترتا ہے اس نے کہا سبحان اللہ مقرر یہ سحر کا کارخانہ ہے قریب جا کر
غور سے دیکھا انجمن آرا کا چہرہ تھا پہچانتے ہی سر و تن کا ہوش نہ رہا چاہا کہ سر سے سر ٹکرا کر ہمسر ہو کسی کو خبر
ہو بسکہ تجربہ کار ہو چکا تھا سوچا مرنا ہر وقت ممکن ہے پہلے حال مفصل معلوم کر لو کہیں حوض کا سا دھوکا
نہ ہو ہر چند غواص عقل رسا محیط فکر میں غوطہ زن و آشنا ہوا مگر گوہر مقصد صدف مراد سے ہاتھ نہ لگا
معاملہ سے ناآشنا رہا شام نزدیک ہوئی تند ہوا چلی شور و غل مچا یہ سمجھا اب کسی دیو یا ساحر کی آمد ہے
چھپا چاہیئے سر گلدستہ گلبن محبت کے روبرو بھونرا بن کر بیٹھ رہا دفعتہ دیو آپہونچا توی ہیکل زبون شمائل
نگر وحشی ساحر مست بو سونگھنے لگا پھر اسی گلدستہ سے سفید پھول توڑا اُس نازنین پیکر کو سونگھایا سر
اُچھل کر بدن سے ملا انجمن آرا اُٹھ بیٹھی دیو نے میوہ تر و خشک روبرو رکھا مگر پریشان ہر سو متحیر نگران

شہزادی نے کہا خیر ہے اُس نے کہا آج غیر انسان کی بو آتی ہے خوف سے جان جاتی ہے وہ کہنے لگی ہمیں آجتک جانور کی پرچھائیں نہ نظر آئی تو نے آدمی کی بو پائی طرفہ خبط ہے یہ جملہ بے ربط ہے غرضکہ صبح تک مذکور ہر شہر و دیار عجائبات روزگار کا بیان رہا دم سحر اسی دستے سے سرخ پھول اس خون آشام نے توڑ کر اس لالہ فام کو سونگھایا سر تو چھینکے پر سر بلند ہوا تن نے پلنگ پر آرام فرمایا دیو

تصویر ایک مکان نفیس پلنگ پر انجمن آرا دوشالہ اوڑھے بے سدھ پڑی اور سر چھینکے پر



دوشالہ اُڑھا رہی ہوا جانعالم نے چار گھڑی بجبر صبر کیا پھر اپنی صورت اصلی بنکر وہی سفید پھول توڑ کر سونگھایا انجمن آرا بدستور اول اٹھی شہزادہ چیخ مار کر لپٹ گیا دونوں مہجور اس ورد شور سے روئے کہ تمام باغ ہل گیا زمین و آسمان ہل گیا جانعالم اپنے مصنائب وہاں تک آ نیکا حال فرقت کا درد و ملال کہنے نہ پایا تھا کہ انجمن آرا نے کہا لا اعلم

تجھ بن مری اوقات جو اکثر گذری ‌ ‌ ‌ ‌ وہ حالتِ نزع سے بھی بدتر گذری
تو تو کہے سرگذشت اپنی ظالم ‌ ‌ ‌ ‌ میں کس سے کہوں جو کچھ کہ مجھ پر گذری

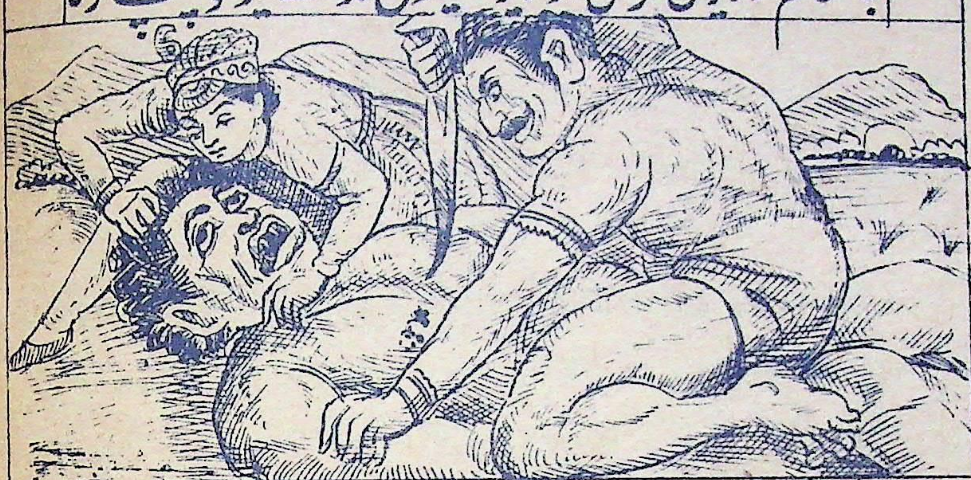
یہ کہہ کر پھر دونوں چلا چلا آہ و بکا سے رونے لگے دنیا کے معاملے میں ہمیشہ سے کسی کی عقل نہیں لڑی شکست ہوئی ہے۔ شعر بیک لحظہ بیک ساعت بیکدم ÷ دگرگوں می شود احوال عالم۔ مؤلف

اک وضع پر نہیں ہے زمانے کا طور آہ ‌ ‌ ‌ ‌ معلوم ہو گیا ہمیں لیل و نہار سے

ہر عقدۂ لاینحل ناگزیر کے واسطے ناخن تدبیر خلق میں خلق کیا ہے اور جہاں میں جہاں تدبیر کا دخل نہ ہوا تقدیر کے حوالے کر دیا ہے اکثر جس بات میں عقل عاجز آتی ہے وہی طرفۃ العین میں ہو جاتی ہے ناگہاں ایک

سفید دیو زبردست زور کے نشہ سے سرشار مست بڑا طاقت دار رستم کا یادگار اُدھر سے گذرا نالۂ حزیں صدائے غمگین کان میں آئی بسکہ بایں زور و طاقت خداداد وہ دیو نیک نہاد رحم دل غم رسیدوں کے رنج کا شامل تھا گریہ و زاری سنکر دل کو بیقراری ہوئی سمجھا کوئی انسان نالاں ہے مگر اس صحرائے پُرخار وادی ہمہ تن آزار میں آدمی کا ہونا محال ہے اگر ہے تو حقیقت میں مبتلائے الم اسیر پنجۂ ستم خراب دل ہے یہ سوچ کر باغ میں آیا یہاں روتے روتے دونوں کو غش آگیا تھا دیو ڈھونڈھتا ہوا بنگلے میں آیا دیکھا مہر و ماہ گردش سپہر سے بُرج زمردین میں بیہوش ہیں چہرے کے رنگ اُڑے ہوئے سکتہ کی حالت میں ہم آغوش ہیں روئے یار آئینہ دار درمیان ہے فلک بر سر امتحان ہے سمجھا مدت کے بعد دونوں کا مقابلہ ہوا ہے اس سے کسوف خسوف کا رنگ ڈھنگ پیدا ہے سرہانے بیماران محبت بیٹھکر نہر سے پانی لیا دونوں کے منہ پر چھڑکا آنکھیں کھولیں ہوش و حواس درست ہوئے دیکھا کہ ایک دیو سرہانے موجود ہے دیو سفید نے اٹھکر سلام کیا تسلی کا کلام کیا کہا تشویش نہ فرمایئے بندہ دوستدار جان نثار ہے پہلے جانعالم اٹھکر بغلگیر ہوا وہ حال پوچھنے لگا بسکہ شہزادۂ جانعالم لسان دخوش بیان تھا اپنی رام کہانی چرب زبانی سے کہہ سنائی دیو ماجرائے سرگذشتہ سنکر بیقرار اشکبار ہوا عرض کی اب بد لجمعی تمام آرام کیجیے اب وہ قرساق آئے تو عمل بد کی سزا پائے جانعالم بشدت لگاوٹ باز تھا اُس سے بھائی چارہ کیا صیغۂ اخوت پڑھا وہ بیچارہ بندۂ بے دام حلقہ بگوش غلام ہوا وہاں ٹھکر باغ کی سیر کرتے تھے کہ وہ جفاکار بھی آپہونچا یہاں و رنگ دیکھا کہ شہزادی آدمی زاد کے ہمراہ پھرتی ہے سفید دیو کا ہاتھ میں ہاتھ ہے مصاحبت کرتا ساتھ ہے جلکر جانعالم پر جھپٹا دیو سفید نے بجلدی تمام اُس نطفۂ حرام کا ہاتھ پکڑا وہ کافر بے رحم دل سے لپٹا باہم کشتی ہونے لگی یہ کشمکش ہوئی کہ زمین جابجا شق ہوئی الغرض بمدد گار قوت پروردگار سفید دیو نے زمین سے لنگر اکھاڑ سے اونچا کیا زمین پر ٹپک چھاتی پر چڑھ بیٹھا جانعالم قریب آیا زور و طاقت کی تعریف کرنے لگا کہا کیا جناب باری نے تجھ مددگار بیکساں کی یاری کی جو ایسے مرد و دپر ایکدم میں تجھے فتح و ظفر حاصل ہوئی اگر ناگوار طبع نہو میں بھی ایک وار کروں وہ بولا بسم اللہ شہزادے نے ایک ہاتھ شانے پر دھر دوسرے سے گردن اُس سرکش کی مضبوط پکڑ دھڑ سے کھینچ کر زمین پر دھڑ سے پھینک دی دیو سفید یہ طاقت دیکھ کر سفید ہو گیا شہزادے کا چہرہ سُرخ ہوا وہ زرد دبلے دین

جانعالم اور دیو کی لڑائی اور دیو سفید کی مدد سے دیو کو پچھاڑنا



اسفل السافلین کو پہونچا اس عرصہ میں سفید دیو کے ملازم حاضر ہوئے دعوت کی تیاری ضیافت کی اضافت لگی ایک ہفتہ اکل و شرب گانا ناچ رہا آٹھویں روز اس ماہ دو ہفتہ یعنی انجمن آرا نے رنج جدائی ملکہ مہر نگار مردمان لشکر کا لب دریا انتظار بیان کر کے کہا بخدا مفارقت ملکہ میں خواب و خور حرام ہے تمھارے بار احسان سے دب کر کبھی ہنسی لب پر آگئی وگرنہ دور شراب و کباب خون دل لخت جگر تھا ہر گلاس برادۂ الماس تھا فقط تمھارا پاس تھا اس نے عرض کی میرے آدمی جائیں پتہ لگائیں انجمن آرا نے کہا اپنے تجسس میں زیادہ مزا ہے اپنا کام آپ خوب ہوتا ہے ناچار رخصت ہو کر چلے اور آنے جانے کے باہم وعدہ ہائے مستحکم ہو گئے مگر ہر دم ملکہ کا خیال ہر گام لیر فرقت کا ملال تھا کہ خدا جانے ڈوب گئی یا ہماری طرح کسی آفت میں پھنسی کبھی دو کوس کبھی چار کوس بہزار دقت چلتے دو تین دن میں پاؤں سوج گئے چھالے پڑے قدم اٹھانے کے لالے پڑے وہ سفر سخت یہ نازک مسافر کالے کوس مالوے کی طرح کا فر انجمن آرا جھلا کر بولی تیرے

کب تھا یہ شور نوحہ تیرا عشق جب نہ تھا
دل تھا ہمارا آگے تو ماتم سرا نہ تھا

آپکی بدولت یہ ذلت و رسوائی پیادہ پائی صحرا نوردی عزیزوں کی جدائی نظر آئی آفت اٹھائی میر سوز نے

چھوڑ کر مجھ سے میرے خانماں کو
خدا جانے چلا ہے اب کہاں کو

شہزادہ ہنسکر چپ ہو رہا پھر وہ عمل جو جوگی سے سیکھا تھا انجمن آرا کو بتایا دونوں نے طوطے کی ہیئت بنائی اور توکلت علی اللہ کہہ کر نظر بخدا ایک سمت سرگرم پرواز ہوئے پھر دو پہر اڑنا پھر کسی درخت پر بسیرا خیمہ نہ ڈیرا اس ڈھب میں قاصد ہوئے سابق مصاحب انسان تھے اب ہمنشیں طیر

ہوئے روز نیا پانی نیا دانہ نت نیا آشیانہ کبھی بستی گاہ ویرانہ کسی کو اگر ہنستے دیکھ لیا تو رو دیا یاد کرکے اپنا زمانہ اور اکثر یہ شعر پڑھ دینا الاعلم ؎ شب عشرت غنیمت دان و داد خوش دلی بستاں ؛ کہ در عالم کسے احوال فردا را نمیداند

مذکور ملکہ مہر نگار تختے پر بہتے جانا بادشاہ کا جہاز پر سیر کرتے ہوئے آنا رحم کھا کر جہاز پر منگانا شہر میں داخل ہو کر مکان دینا پھر طوطے کا اڑ کر پہونچنا اور نامہ لیکر روانہ ہونا

اے جنوں تو دل شوریدہ کی امداد کو آ چین دنیا میں نہیں عشق کے بیماروں کو	تا لکھوں حال میں اک اور ستم دیدہ کا نت نیا رنج فلک دیتا ہے بیچاروں کو
بار فرقت کبھی معشوق جو دھر جاتے ہیں زیست بے لطف گذر جاتی ہے بیچاروں کی	جیتے جی دب کے اس بوجھ سے مر جاتے ہیں کیا کہانی میں کہوں تم سے دل افگاروں کی

نگارندۂ حال غریق شطۂ فرقت و کشتی شکستہ لجۂ محبت بادبان گسستہ صرصر دوری و لنگر بریدۂ کاوِ مجبوری طوفان رسیدۂ کنار کامیابی ندیدہ یعنی ملکہ مہر نگار خامۂ جگر افگار یوں رقم کرتا ہے کہ جب جہاز تباہ ہوا تھا یہ بھی ایک تختے کے ٹکڑے پر دل ٹکڑے ٹکڑے ڈوبتی ترتی چلی جاتی تھی اُدھر سے کوئی بادشاہ عالیجاہ جہاز پر سوار سیر دیکھتا آتا تھا دور سے تختہ بہتا دیکھا جب قریب تر آیا آدمی اُوپر نظر آیا خوف خدا سے جلد بنوئی کو دوڑایا جہاز پر منگوایا ملکہ کو تلاطم آب نے بیتاب کیا تھا او جانِ عالم و انجمن آرا کے صدمۂ جدائی سے جی ڈوب گیا تھا یعنی غش تھا لیکن صورت رعنا چہرۂ زیبا میں فرق نہ ہوا تھا بادشاہ بیک نگاہ دلدادہ و شیدا ہو گیا جلد جلد عطر سونگھایا بازو باندھا او تدبیریں کیں دو تین گھڑی میں غش سے آنکھ کھلی دیکھا کہ نہنگ اجل کے منھ سے تو بچی آفت لطمۂ و لجۂ سے برکنار جہاز پر سوار ہوں مگر شخص غیر سے دوچار ہوں شرم سے سر جھکا لیا تمام جسم میں پسینہ آیا بادشاہ نے پوچھا اسم شریف گو باعث حجاب بولنا گوارا نہ تھا لیکن بے جواب دیے چارہ نہ تھا آہستہ سے کہا محروم و ناکام آفت کی مبتلا ذلیل و خوار فلک دلیے آزار رنجیدۂ آلام جگر خون دل شکستہ و مجروح کشتی تباہ گم کردہ راہ ناخدا گم فتادۂ تلاطم اسکی فصاحت و بلاغت چہرے کی شان و شوکت سے ثابت ہوا کہ یہ شہزادی ہے اور کلام دردناک نے گریبان صبر و طاقت چاک کیا بادشاہ رو دیا پھر خاصہ طلب کیا ملکہ نے انکار کیا اُس نے بہت اصرار کیا لجاجت سے کہا آپ کھانا نوش فرمائیں وطن کا پتہ بتائیں جب تاب و توانائی تم میں آئے گی وہاں بھجوا دیں گے ملکہ نے کہا ہم جن کے دامن دولت سے الجھے تھے وہ گرد راہ کی صورت خار صحرا کی طرح جھاڑ اس دریائے ناپید اکنار

میں ڈوبے خدا جانے کیا ہوئے کدھر گئے جیتے ہیں یا مر گئے اگر سوئے عدم ہیں روانہ کردو بکھیڑا چھٹے غم والم سے نجات ملے بڑا احسان ہو اس نے کہا۔ مؤلف

تم سلامت رہو زمانے میں	ایسی باتیں زبان سے نہ کہو

غرضکہ مجبوراً کچھ کھایا دو چار دن میں طاقت گونہ آئی اور جہاز دار السلطنت میں پہونچا ملکہ کے واسطے مکان عالیشان خالی ہوا لونڈیاں پیش خدمت آتون محلدار جو کہ قرینہ شاہ اور شہریاروں کا ہوتا ہے اور جس طرح شہزادیاں رہتی ہیں سب سامان مہیا کر دیا ایک روز بادشاہ آیا کہنے لگا تم اپنا حسب نسب چھپاتی ہو مگر ہمیں معلوم ہوا کہ تم شہزادی ہو ہمارے تمھارے ملاقات اس حیلے سے بدی تھی امیدوار ہوں بخوشی مجھے اپنے فرمانبرداروں میں قبول فرماؤ ملکہ نے کہا میں نے تمام عمر سلطنت کا نام نہیں سنا اللہ آپ کو خالق نے بادشاہ کیا ہے انصاف شرط فرمانروائی ہے میں ظلم رسیدہ آفت کشیدہ فلک کی ستائی ہوں خدا جانے کون ہوں اور کس طرح یہانتک آئی ہوں بقول استاد

دیکھتے آنکھوں کے کیا کیا لوگ اٹھے پیش چشم	ہوں لب حیرت بدندان رنگ دنیا دیکھکر

اگر بیگناہ کا خون گردن پر لینا گوارا ہے تو مختار ہے مجھے کیا چارہ ہے اور جو میری خوشی منظور ہے تو برس روز کی مہلت دے اس عرصے میں اگر کوئی ڈوبا تِرا میرے وارثوں کا پتا ملا کوئی سو اجیتا پھرا تو خیر نہیں میں تیرے قبضۂ اختیار میں ہوں جبر کرنا کیا ضرور ہے عدالت سے دور ہے بادشاہ دلیں سوچا آجتک ایسے غریق ابھرتے نہیں وہاں کے گئے پھر ادھر قدم دھرتے نہیں اتنے دنوں کی فرصت دو حکومت نہ کرو آنکھ بند کرنے میں سال تمام ہو جائے گا پھر کون ساحیلہ پیش آئیگا کہا بہت خوب لیکن جو تمھیں ناگوار نہ ہو تو جی چاہتا ہے گاہ گاہ آنے کو تمھارے دیکھ جانے کو ملکہ نے یہ امر مغتنم جانا کہ حاکم و محکوم کا فرق سب کو معلوم ہے اب یہ انداز ٹھہرا پانچویں چھٹے روز پہلے خواجہ سرا اطلاع کرتا پھر بادشاہ قدم دھرتا دو چار گھڑی نشست ہوتی ہر شہر و دیار کا تازہ اخبار بیان کر اٹھ جاتا یہاں دو کلمے یہ سنئے مسبب الاسباب کی کارسازی کے سامان دیکھئے وہ محل جو ملکہ کو ملا تھا اسمیں مختصر سا پائیں باغ بہت کیفیت کا تھا طرح طرح کے میوہ دار درخت باغ و بہار یک لخت نئے نئے رنگ ڈھنگ کے دہ گل بوٹے جو باد خزاں سے جھڑے نہ ٹوٹے پھل قصد سے منہ میں آجائے ہاتھ بڑھانیکی بارنہ آئے روشیں لوت کی صورت کی سالم آب رواں میں پری کا عالم بھدے نہ بدقوارے سڈول سانچے کے ڈھلے نازک

بک فوارے کیاریاں بچیدار اُنمیں آبشار بخنہ ہر ایک کیاری سراسر گلکاری چمن بندی قطعہ دار جا بجا
چبوترے معقول گل پیادہ و سوار پُر بہار جو کو رعرض وطول باغبانیاں خوبصورت نوجوان تکلف کے
سامان طلائی نقرئی کھرپیاں مرصع کار بیلچے ہاتھوں میں غمزہ چال میں ادا دیکھ بھال میں لگاوٹ باتوں میں
کسی طرف کنوئیں کی جگت پر کیلے والے لال بریخ وملال ہو رہا کوئی کچھ اکھاڑتی کوئی توڑتی کوئی گرا ہوا پھول
پتی پھل اٹھاتی گھاس کھرپی سے چھیل ڈالتی کوئی ٹوٹا جھڑا پتا گرا پڑا کانٹا کیاری سے نکالتی سر شاخ ہر گل رعنا
بلبلوں کا غنچہ سرو و شمشاد پر جوین صدائے قمری طوق در گردن ایک طرف طاؤس کا رقص پر ناز ہر ایک
خوش آواز باغ کے گرد ملبب جھیل غنچوں کا چٹکنا کوس رحیل کہیں لالہ پیالہ در دست کسی جگہ نرگس شہلا
باچشم مست تاک انگور پر میخواروں کی تاک عنبر بیز صحن گلشن کی خاک ملکہ گہ و گاہ شام و بیگاہ رفع پریشانی
و دفع سرگردانی کو وہاں آ نظارہ صحبت گل و بلبل سے رشک کھا بصد حسرت یہ غزل پڑھتی میر سوز ؎

وہ دن خدا کرے کہ خدا بھی جہاں نہ ہو
بس ہوں صنم ہو اور کوئی درمیاں نہ ہو
گل ہو شگفتہ خاطر و گلزار خندہ رو
باد صبا بھی ہووے ولے باغباں نہ ہو
گلشن ہو اور یار دلآرام اور میں
اپنا ہو قصہ غیر کی کچھ داستاں نہ ہو

کبھی پیچ و تاب زلف اور گیسوئے معنبر کی پریشان حالی جعد سنبل کو دکھاتی گاہ سیاہی داغ جگر
لالے کی لالی سے لڑاتی غنچۂ افسردہ سے جو کچھ دل گرفتگی کی تسکین ہوتی تو گل کی ہنسی پہ پھوٹ پھوٹ کر
خوب روتی اور اس غزل سے دل کو سمجھاتی۔ مؤلف ؎

جل جائیے اس طرح سے کہ مطلق دھواں نہ ہو
گل خندہ زن ہیں چہچہے کرتی ہیں عندلیب
بھٹکے ہو یارو یہ جرس کارواں نہ ہو
لینا بجائے فاتحہ تربت پہ نام یار
مجنوں کی بن پڑے گی اگر سارباں نہ ہو
اللہ ری بیخودی کہ جو دریا میں غرق ہوں
پھولی ہوئی چمن میں کہیں زعفراں نہ ہو
ہستی عدم سے ہو کی وحشت کی اک ترنگ
مرنے پہ یہ خیال ہے وہ بدگماں نہ ہو
جاؤں سے صبح کی یہ مرا عزم ہے سرِ دار
لازم ہے سوز عشق کا شعلہ عیاں نہ ہو
تالاب کی طرح کبھی پانی رواں نہ ہو
بھاگو یہاں سے یہ دل نالاں کی ہے صدا
اے زلف یار پاؤں کی تو بیڑیاں نہ ہو
ناقہ چلا ہے نجد میں لیلیٰ کا بے مہار
اس زمیں پہ جاؤں جہاں آسماں نہ ہو

گاہ لب کسی سرو کے پاس یاد قامت جانعالم میں مثل فاختہ کوکو کرتی دل بیتاب کو تڑپا کر لہو کرتی غور کرو
دنیا میں کسی چیز کو قرار نہیں اس کا سب کارخانہ پیدا ہے کہ پائدار نہیں کبھی تو روز روشن ہے گاہ اندھیری
رات ہے یہ کائنات کی کائنات بے ثبات ہے گلشن میں اگر بہار ہے تو خزاں در پئے آزار ہے بلبل کو

ہزار حیف یاد ہیں پر باغباں آشیاں اُجاڑنے کی فکر میں ہے دام لیے لاکھ صیاد ہیں نوش کے ساتھ گزند نیش ہے
کوئی دل شاد کسی کا سینہ ریش ہے عاشق ازل سے غم کا مبتلا ہے مثل مشہور ہے کہ معشوق کی ذات
بیوفا ہے اور جو کبھی کسی قسمت کے زبردست کو وفادار ہاتھ آتا ہے تو سردست کسی نہ کسی پیچ سے
فلک تفرقہ پسند رشک کھا چھوڑتا ہے اسی سہارے پر لوگ جان دیتے ہیں جی بیچ کر یہ روگ مول لیتے
ہیں یہ نہیں معلوم القلیل کالمعدوم یہ جملہ تو معترضہ تھا پھر وہی قصہ شروع ہوا ایک روز فرح اندوز ملکہ
بدستور قدیم بے یار و ندیم باغ میں گئی شاہزادے کی صحبت کا خیال انجمن آرا کی گرمجوشی کا ملال تنہائی
میں اپنا خراب حال دیکھ کر یہ شعر مؤلف کا پڑھا مؤلف ؎

اک انقلاب چرخ سے افسوس دیکھنا	وہ صحبتیں رہیں نہ تو وہ ہمنشیں رہے

پھر ایسا روئی کہ ہچکی لگی شام کا وقت تھا جانور درختوں پر بسیرا لیتے تھے جس درخت کے تلے ملکہ کھڑی تھی
ایک طوطا اس پر آ بیٹھا گریہ و زاری اس غم کی ماری کی دیکھ کر بے چین ہوا پوچھا شاہزادی حال کیا ہے کونسا
صدمہ ایسا جانکاہ ہے جو سطح لب پر نالہ و آہ ہے ملکہ نے کہا سبحان اللہ قسمت کی گردش سے یہ حال ہم پہونچا
کہ جانور مجھ پر رحم کھاتے ہیں احوال پوچھنے کو اڑ کر آتے ہیں زیادہ بیقرار و اشکبار و سوگوار ہوئی یہ قاعدہ کلیہ ہے
جب کسی دل شکستہ کی کوئی دلداری کرتا ہے بندھی بات ہے دل امنڈ آتا ہے ملکہ نے بے اختیار ہو کر کہا آصف الدولہ ؎

جو دو شخص خنداں ہم دیکھتے ہیں	فلک کی طرف رو کے ہم دیکھتے ہیں

اے جانور خوش بیان سخن سنج مہربان کیا بتاؤں گھر بار سے جدا بیکسی میں مبتلا ہوں بسان آئینہ حیران
مثل زلف سیہ بخت پریشان نے کی طرح نالاں مورد صد اندوہ و بلا ہوں۔ شعر ؎

بیکسی سوختہ کسے می خواہم	نفسے ہم نفسے می خواہم

شام تیرہ بختی کی سیاہی میں بیقرار صبح قیامت کی صورت دامن چاک گریباں تار تار۔ شعر ؎

کس کو اب نیر فلک طاقت رسوائی ہے	کاش شق ہو وے زمین اور سما جاؤں میں

دل پر الم سے خار غیر جستجو کے دام میں گرفتار سخت مجبور و ناچار ہوں طائر رنگ پریدہ ہزاروں جور و ستم میں
جریدہ روئے راحت کو لے آشیاں ندیدہ شب فرقت کے اندھیرے میں سوجھتا نہیں خونبار ہوں۔ ناسخ ؎

صبح سے کرتے ہیں معمار مرے گھر کو سفید	شام سے کرتی ہے فرقت کی شب تار سیاہ

طوطے نے کہا مجھے تم سے بوئے محبت آتی ہے تمہاری باتوں سے چھپائی چھٹی جاتی ہے برائے خدا اپنے راز سربستہ سے

مجھے آگاہ کرو للہ جلد مفصل حال کہو ملکہ نے قصۂ عشق جانعالم انجمن آرا کا آنا وزیرزادے کی بُرائی جادوگرنی کی کج ادائی جہاز کی تباہی اپنا وہاں آنا اور اونکا پتہ نہ پانا جانعالم کا چھٹ جانا سب بیان کرکے کہا وہ شاہ گردوں بارگاہ ہمیں منجدھار میں ڈوبتا چھوڑ اپنا بیڑا پار لگا منھ موڑ خدا جانے کیا ہوا ہم ہیں اور رنج تنہائی میں بیتابی انیس ہے پریشانی میں ہمدم خانہ ویرانی جلیس ہے جو دم ہے دم شمشیر ہے سانس ناوک کا تیر ہے طوطا یہ باتیں سنکر زمین پر گر پڑا پر نوچنے لگا ملکہ مہرنگار گھبرائی کہ یہ کیا ماجرا ہوا افسوس سے

دیکھ کر مجھ کو وہ حاضر ہوا مرجانے کو ۔ وہی غمخوار جو یاں بیٹھا تھا سمجھانے کو

گھڑی بھر میں جب طوطا سنبھلا بولا کہ اے ملکہ مہرنگار میں وہی طوطا کمبخت جفا شعار ہوں جسنے اُس رشک قمر کو دلبدر کیا مجھ سے انجمن آرا کا ذکر سن کر آوارہ ہوا تھا باقی حال تو آپنے سنا ہوگا پھر تو ملکہ اُسے گود میں اٹھا یہانتک روئی کہ بیہوش ہوگئی شہزادے کے یہاں کی باغبانیاں دوڑیں خدمتگاریں جھپٹیں کہ آج ملکہ پر کیا حادثہ پڑا جب دونوں کے ہوش و حواس درست ہوئے طوطے نے کہا آپ دل کو تسکین دیں خاطر مبارک جمع رکھیں جانعالم اور انجمن آرا دونوں خیریت سے زندہ ہیں میں نے یہ مقدمہ نجومی سے دریافت کیا تھا بالاتفاق سب اس پر ہیں کہ رنج مفارقت کے سوا جان کی خیر ہے سب آملیں گے اب مجھے رخصت کرو صبح کو خدا جانے کس وقت بیدار ہو ملکہ نے کہا واہ بعد مدت کے محرم راز ملا وہ بھی اتنا جلد چلا فلک بر سر کجی ہے بے لطف زندگی ہے دیکھیں یہ بُرے دن کب جاتے ہیں اور اچھے کیونکر آتے ہیں

اُستاد سے ایک عالم کو آزما دیکھا ٭ جس کو دیکھا سو بے وفا دیکھا ٭ حال بد کا شریک دنیا میں ٭ نہ برادر نہ آشنا دیکھا ٭ کیوں دلا ہم نہ تجھ سے کہتے تھے ٭ جی لگانے کا کچھ مزا دیکھا ٭ سچ ہے دنیا مریض خانہ ہے ٭ رنج میں سب کو مبتلا دیکھا ٭ کیف میں کم بہت نوازش ہے ٭ عشق خوباں میں جو نشہ دیکھا ٭

الغرض رات کی رات طوطا رہا صبح کو رخصت ہوا چلتے وقت ملکہ نے تھوڑا حال اپنا پرچہ پر تحریر کردیا کہا جہاں شہزادے سے ملاقات ہو یہ خط نشانی دے کر جو کچھ دیکھا ہے زبانی بیان کرنا وہ رقیمۂ شوق لے کر راہی ہوا شہر بہ شہر خستہ جگر ڈھونڈھتا پھرتا تھا ایک روز قریب شام بادل ناکام تھک کر لب چشمہ کچھ درخت تھے اُن پر بیٹھ کر سیل سرشک چشم پُرنم سے بہاتا تھا اسی دن جانعالم اور انجمن آرا طوطے کی صورت بنائے اسی درخت پر آبیٹھے یہ طوطا ہمجنس سمجھ دیکھنے لگا وہ دونوں مضطرب الحال ایک ٹہنی پر بیٹھ رہے طوطا سمجھا کہ یہ تقار بستہ میری طرح سے دل خستہ ہیں پھر رونے لگا انجمن آرا نے کہا جانعالم دیکھنا یہ طوطا روتا ہے

شائد ہماری صورت مصیبت دیدہ مصائب کشیدہ ہے طوطا باتیں تو سمجھتا تھا پھر بیٹھا اور بولا خدائے کریم
تمھیں وہ رنج نہ دے عدو بھی تمھارا یہ ستم نہ دیکھے مجھے وہ غم ہے اور دل پر ایسا الم ہے کہ ہر دم یہ دعا ہے دشمن کا
دشمن یہ صدمۂ جانکاہ اور ایسے روز سیاہ نہ دیکھے میرے سوزش سے جو دم لیتا ہوں تو شعلہ جگر کا جی جلاتا ہے :: جو چپ رہتا ہوں
تو اندر ہی اندر جان کھاتا ہے :: جو کچھ احوال کہتا ہوں تو سننے والے روتے ہیں :: نہیں کہتا ہوں تو کوہ الم سینہ
دباتا ہے :: جو جنگل میں نکل جاتا ہوں تو سب دشت پھنکتا ہے :: کبھی جو شہر میں آتا ہوں تو گھر بھول جاتا
ہے :: پہاڑوں میں اگر پھرتا ہوں ٹکڑے ہوکے اڑتے ہیں :: جو دریا پر کبھی جاتا ہوں سر پر خاک اڑاتا ہے ::
مجمع رنج و محن غریق شط خفت ہمہ تن ہوں محسن میرا خانماں آوارہ ہوا یہ ندامت ہے مفارقت اسکی
ظلم ہے قیامت ہے اُس کے ورائے تازہ حال یہ دیکھا ہے کہ ایک عاشق صادق اپنے معشوق سے
جُدا غیر جنسوں میں اسیر بلا ہے اسکے ناوک آہ سے چھاتی سوا خدا ہے سنان نالہ کلیجہ کے پار ہے اگر گریہ زاری
یا تڑپ اور بیقراری اسکی بیان کروں پتھر پانی ہوکر بہہ جائے سیماب کی چھاتی خجلت سے پارہ پارہ ہو راہ چلتے
انجان کو رحم آئے جانعالم یہ سنکر پھر بیٹھا کہا وہ کون تھا جو سرگشتہ و آوارۂ دشت ادبار ہوا اور وہ کون ہے
جو نا جنسوں میں گرفتار ہوا طوطے نے انکی داستان گذشتہ اور ملکہ کا حال بیان کیا انجمن آرا ملکہ کا نام سنکر
شگفتہ خاطر ہوئی دونوں نے صورت بدلی طوطا پہچان کر پانوں پر گر پڑا شہزادہ گلے سے لگا کر خوب رویا

جانعالم اور انجمن آرا کا زیر درخت صورت اصلی پر آنا اور طوطے کا پانوں پر گرنا



کہاں اے ہمدم تم سے جو ہم جدا ہوئے کس کس رنج و مصیبت میں مبتلا ہوئے دشت بدشت کوہ بکوہ خراب و
خستہ دربدر محتاج پھرے تم اس دن کے گئے آج پھرے پھر ملکہ کا حال پوچھا اُس نے خط حوالے کیا پہلے
انجمن آرا نے آنکھوں سے لگایا دل نے قرار پایا مضمون اضطراب بدحواسی کا مطلب سرنامے سے
کھلا کہ جانعالم کی جگہ ملکہ اور ملکہ مہر نگار کی جا رقیمۂ شوق جانعالم لکھ دیا تھا اس انتشار کو سوچ شہزادے
کے ہوش گم ہوئے بسکہ نامۂ شوقیہ پیچ و تاب دل و اشتیاق ملاقات میں تحریر تھا جانعالم جب کھولتا
تھا اثر شوق ہم آغوشی سے ہر بار خط شوقیہ ہاتھ میں لپٹا جاتا تھا مضمون مکرر سو سو حسن طلب دکھاتا تھا مولف

نامۂ شوقیہ جب میں نے رقم اُس کو کیا ‎ ‎ ‎ سو جگہ مضمون تب اُس میں مکرر ہو گیا

آنسو دم تحریر یعنی لکھنے کے وقت جو خط پر ٹپکے تھے دھبّے اور نشان اسکے دیدۂ منتظر چشم حیرت زدہ کی طرح ہر سطر
سے کھلے تھے اور رخ ہالہ ہر حرف نے نکالا تھا ایک جدول خونی ہوئی تھی لہو بہنے کی کیفیت پیدا تھی لکھا تھا حافظ

ازخون دل نوشتم نزدیک دوست نامہ ‎ ‎ شعر ‎ ‎ إنّي رأيتُ دهراً مِن هجرِكَ القيامه
سواد دیدہ حل کردم نوشتم نامہ سوئے تو ‎ ‎ ‎ کہ تا ہنگام خواندن چشم من افتد بروئے تو

اے یار وفادار صادق الاقرار اللہ تجھے سلامت رکھے شرح اشتیاق داستان فراق قصہ طول و طویل ہے
زندگی کا بکھیڑا قلیل ہے اگر ہماری زیست منظور ہے جلد آؤ صورت دکھاؤ نہیں تو تاسف کروگے پچھتاؤگے
تم نے آنے میں اگر دیر کی تو ہم نے صدمۂ ہجر سے تڑپ کر جان دی مٹی کے ڈھیر پر دو خاک اُڑاؤگے مؤلف

شکل اپنی ہم کو دکھلا دو خدا کے واسطے ‎ ‎ ‎ جان جاتی ہے ابھی آؤ خدا کے واسطے

کوئی دم کا دم سینے میں مہمان ہے نام کو جسم میں جان ہے فلک نے ہماری صحبت کا رشک کھایا ہے
تفرقہ پردازی ظالم کو چین نہ آیا روز و شب رنج جدائی سے جان کھوتے ہیں اتنا کبھی کاہے کو کسی دن
ہنسے تھے جیسا اب بلک بلک کر فرقت کی راتوں میں روتے ہیں بیتابی دل کسے سنائیں ؛ پُر دیدۂ
تر کسے دکھائیں ؛ تمھاری تقریر ہر دم بر زبان ہے بے تصور سے باتیں کیے چین کہاں ہے استاد ے

یہ جانتے تو نہ باتوں کی تجھ سے خو کرتے ‎ ‎ ‎ ترے خیال سے پہروں ہی گفتگو کرتے

ہمارے تڑپنے سے ہمسایہ سخت تنگ ہے دل تر از زندان سے تیرہ و تنگ ہے [illegible] گر یونہی رہیگی بیقراری ؛
تو ہو چکی زندگی ہماری ؛ وحشت پیرامون حال ہے ہر گھڑی فرقت کی مار ہے جو پہر ہے وہ سال ہے ہر
دل کوئی دم میں خون ہوئیگا ؛ آج کل میں جنون ہوئیگا ؛ تمھاری صورت ہر پل روبرو ہے جس طرف

دیکھا تو ہی تو ہے چشم فرقت دیدہ دریا بار ہے آنکھ نہیں چشمۂ آبشار ہے جن آنکھوں کو تم پُرنم نہ دیکھ سکتے تھے اُن سے خون کے دریا بہہ گئے۔ مؤلف ؎

تم نے نہ ہماری پر خبر لی
چھاتی پتھر کی کیوں. جی کر لی

دن رات کی وہ صحبت تمہارے ساتھ کی جب یاد آتی ہے نیند اچٹتی ہے بیچینی کی رات پہاڑ ہو جاتی ہے کاٹے نہیں کٹتی ہے چارپائی تنہائی میں پلنگ بنکر کاٹے کھاتی ہے خواب میں نیند کا خیال کھانا پانی ہجر میں حرام ہے حلال نہیں وہ سر جو اکثر آپ کے زانو پر رہا ہے اس کو سو سو بار بالش و بالیں پر دے پٹکا۔ مؤلف

جس میں بانہیں تری حمائل تھیں
طوق حسرت میں اب وہ گردن ہے

میرے جاگنے کے لے پیارے ستارے شاہد ہیں گواہ شرعی زاہد ہیں مرغ سحر کو بیقراری سے چونکاتی ہوں مؤذن کی نیند آہ و زاری سے اُڑاتی ہوں شب وصل یہ ہمیں جگاتے تھے اب ہجر کی رات ہم انھیں سونے نہیں دیتے من مانتے بدلے لیتے ہیں دل ہر ساعت گھڑی سے زیادہ نالاں ہے ہر پہر گجر سے فزوں شور و فغاں ہے چشم ہر اختر معائنہ حال زار سے بحیرت ہے چرخ گرداں میری گردش دیکھ کر چکر کر رہا ہے استادؔ

کھا لیجئے تھوڑا زہر منگا ہم اور کہیں تم اور کہیں
کیا لطف ہے ایسے جینے کا ہم اور کہیں تم اور کہیں

افشائے حال باعث ندامت موجب دشمنوں کی خوشی کا سبب دوستوں کے ملال کا ہے۔ لااعلم ؎ دل من اندوہ من؛ دانم و اند دل من ؛ اگر جیتے جی مل جائیں گے رنج فرقت کے دکھڑے مفصل زبانی کہہ سنائینگے اور جو فلک کو یہی منظور ہے تو انسان مجبور ہے اس حسرت کو بھی در گور لیجائینگے ۔ سعدی ؎ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ ؛ بعد نماز پنجگانہ یہی دعا ہے جامع المتفرقین سے یہی التجا ہے کہ تم سے جلد ملاقات ہو جائے جان زار دل بیقرار کو چین آئے زیادہ ملاقات کا اشتیاق ہے اشتیاق اور جُدائی کا صدمہ جانکاہ سخت شاق ہے شاق خوگر وصل ہجر کے الم کا مبتدی ہے نہ شاق یہ خط کا مضمون جو پڑھا دونوں نے رو دیا اور سر نو مع سرنامہ سراسر وہ نامہ بھگو دیا اس رات کو تو چار و ناچار وہاں مقام کیا صبح ہوتے ہی صورت بدلی کوچ کا سرانجام کیا آگے آگے طوطا رہبر تھا پیچھے پیچھے وہ دونوں تیز پر

پہونچنا جانعالم و انجمن آرا کا معہ طوطے ملکہ مہر نگار کے پاس پھر ملاقات ہمدیگر فوج بھیجنا وہاں کے بادشاہ کا لوگوں کا ملجانا بادشاہ کا آنا پھر اسکی گرفتاری اور جانعالم کی سیر چشمی

پلا دے تو ساقی مے لالہ فام
کہ ہوتے ہیں معشوق و عاشق بہم

ہوا چاہتا ہے یہ قصہ تمام
جدائی کے ایام طے ہو چکے

وہ مے دے کہ ہو دور دل سے الم
شب ہجر میں خوب سارو چکے

مثل ہے یہ مشہور اے ذی شعور	کہ رنج جدائی بہت سے سہے	مچاؤں کوئی دم بھلا چہچہے

کہ ہے رنج کے بعد راحت ضرور — محرران حال طالب و مطلوب و حاکیان حکایات خوب لکھتے ہیں کہ وہ پرندۂ ہوائے شوق یعنی جانعالم مع انجمن آرا طوطے کے ساتھ آٹھویں روز ملکہ کے پاس پہونچا یہاں جس دن سے طوطا رخصت ہوا تھا ملکہ مہرنگار دونوں وقت بلاناغہ اُس درخت کے تلے جہاں طوطا ملا تھا آکر یہ کہتی تھی۔ بیر ستو زہ مانند جرس پھٹ گئی چھاتی تو فغاں سے ؏ فریاد کو پہونچا نہ کوئی رہ رواں سے ؏ اسطرح ایک روز موافق معمول دل طول قریب شام درخت کے نیچے حزین و زار طوطے کے انتظار میں کھڑی تھی اور آنکھ ٹہنی سے لڑی تھی او دیدۂ خونبار سے تادامن یاقوت و موتی لڑی تھی جب دل سوختہ گھبراتا تو آہ سوز درون مثل دخان لب پر آتی جی بہلانے کو یہ غزل پڑہتی۔ مؤلف

پھنک کے لخت دل برابر ایک اخگر ہو گیا	آتش فرقت سے سینہ جب سے مجمر ہو گیا
ورنہ زیر آسمان کیا کیا نہ مجھ پر ہو گیا	باعث افشائے ذلت دم نہ مارا میں نے گاہ
وہ نہ آیا وعدہ اپنا یاں برابر ہو گیا	نزع تک تو آمد جاناں کا کھینچا انتظار
شام فرقت یاں عذاب روز محشر ہو گیا	کیا ڈراتا ہے ہمیں واعظ سنا شور نشور
روتے روتے آخرش رونے کا خوگر ہو گیا	اب جو ہنستا ہوں تو ہنستے ہنستے بھی گرتے ہیں اشک
اپنا جب مجموعۂ خاطر ہی ابتر ہو گیا	فکر پھر کس کو ہے دیواں جمع کرنے کی سرور

دفعتہً طوطے سلام کیا وہ خوش ہو کر بولی اے قاصد نیک صدا و ہدہد شہر سبا میرے سلیمان حسن و خوبی کا پتہ پایا اس بلقیس محبوبی کا سراغ ہاتھ آیا طوطے نے کہا اے ملکہ عالم قدردان خبرداروں کو خلعت و انعام دیتے ہیں جب دوست کا پیغام پوچھتے ہیں علی الخصوص یہ خبر فرحت اثر پہلے ارشاد ہو کہ اگر پتہ بتاؤنگا اسکی اجرت کیا پاؤنگا یہ سُن کے ملکہ کی جان رفتہ بدن میں آئی یقین ہوا اسے خبر ملی یہ کہا استاد

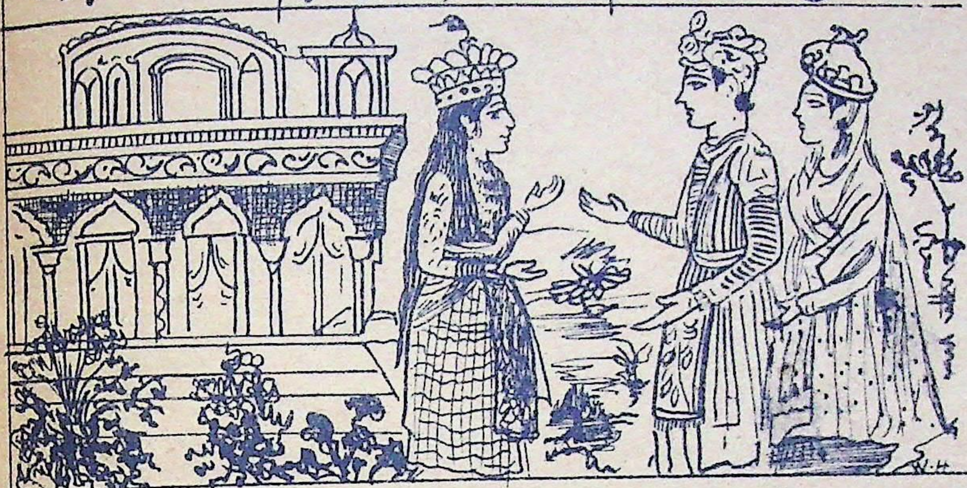
گھبرا کے دم ہی جائے نہ زیر لکھیر الٹ	پیغام دوست جلد تو پیغامبر سُنا

طوطا عرض کرنے لگا حضور کا فرمانا بجا ہے مگر ایسی بات کا جلد کہنا حمق کا مقتضا ہے۔ استاد

خبر خوش نہیں اچھی جو یکایک ہووے	دفعتہً خوگر فرقت کو نہ دے مژدۂ وصل

طوطا بات طول کر دیتا تھا کبھی خوش گاہ ملول کر دیتا تھا ملکہ بچین ہوئی جاتی تھی ادھر شہزادے سے زیادہ انجمن آرا گھبراتی تھی غرض رہ سکی صورت بدلی جانعالم مجسم ہو کر سامنے آیا آپس میں معشوق و عاشق و عاشق و معشوق

تصویر انجمن آرا و جان عالم اور ملکہ مہر نگار کی باہم ملاقات ہونا



گلے مل کر روئے غبار کلفت پارینہ داغ مہاجرت دیرینہ دل کھول کر صفحۂ سینہ سے دھوئے رونے کی آواز سے مغلانیاں خواصیں جمع ہوئیں جنکی آنکھ ان دونوں پر پڑی دوڑ کر صدقے ہوئی اور پانوں پر گر پڑی جل جلالہ حسن خوب سے کوئی چیز زیادہ دلکش و محبوب نہیں دوست تو دوست ہے دشمن غش کر جاتا ہے لڑکا ہو یا بوڑھا شیدا نظر آتا ہے مال تو کیا مال ہے سوت کی آنٹی بھی اگر پاس ہو تو انٹی ماری سے خریدار بن جاتا ہے جان عزیز نہیں حرمت کچھ چیز نہیں غلام کی غلامی پر آقا فخر کرتا ہے جان تازہ پاتا ہے جو کوئی کہتا ہے کہ یہ اس پر مرتا ہے عیاذاً باللہ یہ امر محمود نہیں اسمیں غیر ضرر کچھ سود نہیں غرضکہ خرم و خنداں بارہ دری میں آئے انجمن آرا سے ملکہ نے حال پوچھا اس نے دیو کا اٹھا لیجانا باغ کی بے سروپائی پھر جانعالم کی رسائی اور سفید دیو کا آنا باہم کی لڑائی آفت سے چھوڑانا اپنی پیادہ پائی صحرانوردی ہوا گرم پانوں کا ورم پھر وہ عمل جوگی کا بتایا ہوا شہزادے کا سکھانا طوطے سے درخت پر مل جانا سنا دیا پھر اس نے جانعالم سے سرگذشت پوچھی اپنی صعوبت کہی گذشتہ کا حال بیں ذکر کرکے جو کچھ دھیان بندھا پھر سب رونے لگے طوطا بدمزہ ہوا کہا صاحبو اب یہ قصہ بکھیڑا دور کرو ہنسی خوشی کا مذکور کرو یاد رکھو یہ بات گذشتہ را صلوات۔ مصحفی ؎

ایام گذشتہ کو کبھی یاد نہ کیجیے		جز حسرت و افسوس نہیں ہاتھ کچھ آتا	

ملکہ بولی اے شیریں مقال مبارک قدم خجستہ فال شہزادہ سا عقل کا دشمن دیکھا نہ سنا تو نے

ناداں ہے جو دوست وہ دشمن ہے جاں کا		معلوم ہم کو دل کو سلوکوں سے یہ ہوا

اس نے جتنی محنت و مشقت اٹھائی اپنی بدعقلی کی سزا پائی بھلا عالم تنہائی میں جو کچھ کیا سو کیا دو تین بار ہے
ساتھ ہم دونوں کو خراب آفت کا مبتلا کرچکا ہے آگے دیکھئے کیا ہوتا ہے یہ کہہ کر روبروئے دشمنان بند
دوست بادل خرسند باہم بیٹھے اور دور ساغر بے دغدغہ فلک تفرقہ پسند و سفلہ پرور شروع ہوا مطرب بے
ساز کی ناسازی پر گوشمالی دی صدائے عیش و طرب بلند ہوئی یہ خبر بارہ دری میں مشتہر ہوئی اودھر کے
بادشاہ کو پہونچی کہ ایک مرد صاحب جمال دوسری عورت پری تمثال ملکہ کے پاس تازہ وارد ہوئے کہنے لگا
الحمد للہ ایک موجود تھی دو اور آئے پھر دو ہزار سوار جرار اور دو سپہ سالار تجربہ کار نگہبانی کو بھیجے جان عالم نے یہ
ماجرا سنا کہا فضل الٰہی چاہئے بعد مدت یہ صحبت ہمدگر میسر ہے صبح سمجھ لیں گے سوار تو باغ گھیرے رہے
یہ تمام شب جلسے کیے گئے جس وقت خسرو خاور آرام گاہ مشرق سے برآمد ہو کر جلوہ گر تخت زنگاری ہوا
اور سپہ سالار انجم معہ سواران سیارہ کو مغرب کی طرف فراری ہوا جان عالم حمام سے غسل کرکے نکلا اس
لوح سے اسم تسخیر پڑھتا باغ کے دروازے پر آیا جس کی نگاہ پڑی اسم کی برکت سے آداب بجا لایا
دست بستہ روبرو آیا وہ دو ہزار سوار معہ سپہ سالار فرمانبردار ہوئے پھر تو دروازہ بکشادہ پیشانی کھولا
یہ خبر وحشت اثر اس بادشاہ کو پہونچی اور سوار پیادے لڑائی کے آمادے بھیجے وہ بھی جب سامنے
آئے حلقۂ غلامی کان میں ڈالا جنگ کا خیال نہ رہا پھر تو شہرہ ہوا کہ ساحر ہے المختصر تمام فوج آکر حاضر ہوئی
اُس وقت وہاں کا تاجدار طیش کھا کر سوار ہوا کہاں یکہ سوار کجا انبوہ بے شمار تلوار چلی دس پانچ زخمی
ہوئے کچھ جان سے گئے اور فوج نے نرغہ کر جان سے تو نہ مارا کمندوں میں پھنسا لیا اور جان عالم
کے حوالے کیا شہزادہ عالی حوصلہ خوف خدا سے اور نحوست طالع نارسا سے مثل بید کانپا اور فرمایا
اللہ وقت کسی کو نہ دکھائے جو دوست دشمن ہو جائے یہ ارشاد کر اُس سے بغلگیر ہوا برابر بٹھایا قتل
سے ہاتھ اٹھایا وہ بیچارہ نادم و پشیمان سر در گریبان گھٹنے پر گردن جھکا منفعل خاموش بیٹھا شہزادے نے
کہا سافر کشی صفت شاہی سے بعید ہے ہم تمہارے مہمان تھے تم نے دعوت کے بدلے عداوت کی
اللہ کو یہ بات پسند نہ ہوئی عبرت کا تماشہ دکھایا یہ سلطنت آپ کو مبارک میں غریب یار کمر باندھے چلنے کو
تیار ہوں اس لڑائی کا قصہ فسانہ ہو جائے گا امروز فردا مسافر روانہ ہو جائے گا وہ اسکی فصاحت و بلاغت
اور یہ سیر چشمی دیکھکر حیران ہوا کہ دشمن کو گرفتار کیا پھر ملک بخشدیا سر جھکا کر بولا بخدائے عز و جل
لایق حکومت قابل سلطنت آپکی ذات فرخندہ صفات ہے جان عالم نے کہا آپ یہ اپنی تعریف کرتے ہیں

دگرنہ من آنم کہ خوب میدانم القصہ وہ محجوب ہو کر رخصت ہوا فوج کو صلح جو ثابت ہوئی اپنے بادشاہ کے
ہمراہ چلی جب یہ جنگ زرگری ہو گئی مکان پر آ کر بہت تیاری سے دعوت کی اور عذر تقصیر کر عفو کا
امیدوار ہوا شہر میں یہ چرچا ہوا اہل شہر مشتاق ہو غول کے غول آنے لگے روز باغ کے روبرو میلا ہوتا
تھا کسی وقت شہزادہ نہ اکیلا ہوتا تھا پھر چار سو شتر سوار ہر کارے فوج کے تجسس میں روانہ
کیے چالیس منزل پر لشکر ملا جہاں عالم کی مفارقت سے کسی میں جان نہ تھی فرمان مہری دیکھ کر
جان تازہ پائی پھر آنکھوں سے لگائی رات دن کوچ کرتی بیس پچیس دن میں برسم یلغار فوج داخل ہوئی
شاہزادہ لشکر کو ملاحظہ فرما کر مسرور رہوا ملال بھولا ارکان سلطنت نے ملازمت حاصل کی سب نے نذر
دی موافق قدر و منزلت خلعت اور انعام خاص و عام کو مرحمت ہوا اور رعایا برایا بازاری اہل حرفہ کو بھی
کچھ دیا فوج کے سرداروں کو خلعت جواہر نگار سپر و شمشیر مرصع کار عنایت کیے دو ماہہ تمام فوج کو انعام میں
دیا از سر نو لشکر چمکا دیا پھر وہاں سے کوچ ہوا وہی راہ میں جلسے اختلاط فسانے حکایات عیش و
نشاط طوطا ہنساتا رمز و کنایہ کرتا لطیفہ سناتا دل بہلاتا ہر صبح باخاطر شگفتہ مثل نکہت گل کوچ
ہر شام بسان فصل بہار بہ آسایش مقام روز و شب براحت و آرام رو بہ راہ ہوئے

ورود لشکر نصرت آمود پر بہار جنگل میں جاڑے کی شدت صحبت شراب کے نشہ کی ترنگ میں خیالات فاسد کا آنا کج بحثی باہم کی پھر طوطے کا سمجھانا شہزادے کا پچھتانا

ناگاہ ایک روز گذر موکب حشمت و جلال باکروشوکت کمال ایک صحرائے باغ و بہار دشت لالہ زار
میں ہوا فضائے صحرا قابل تحریر کیفیت دشت گلشن آسا لائق تقریر بو باس ہر برگ و گل کی رشک مشک
اذفر صفحہ بیابان معنبر و معطر چشموں کا پانی صفا میں آب گہر سے آبدار تر ڈالتے تھے میں بہ از شیر و شکر
چلے کے جاڑے کڑاکے کی سردی تھی گویا کہ زمین سے آسمان تک یخ بھر دی تھی پرند اور
چرند اپنے اپنے آشیانوں اور کاشانوں میں چھپے ہوئے بیٹھے بھوک اور پیاس کے
صدمے اٹھاتے تھے دھوپ کھانے باہر نہ آتے تھے قصد سے تھرتھراتے سردی سے سب کا جی
جلتا تھا دم تقریر ہر شخص کے منہ سے دھواں دھار دھواں نکلتا تھا آواز کسی کی کان تک کسی کے
کم جاتی تھی منہ سے بات باہر آئی اور جم جاتی تھی مار سیاہ اوس چاٹنے باہر نہ آتا تھا سردی کے
باعث دُم دبا کے بانبی میں بھاگ جاتا تھا زمانہ کے کاروبار میں خلل تھا ہر ایک

دست در بغل تھا عاشق و معشوق بھی اگر ساتھ سوتے تھے گھٹتے تھے مگر گھٹنے پیٹ سے جدا نہ ہوتے
تھے اشک شمع انجمن لگن تک گرتے گرتے اولا تھا پروانوں نے گرد پھرتے پھرتے ٹوٹا تھا شعلہ
کانپتا تھا فانوس کے لحاف میں منھ ڈھانپتا تھا شمع کا جسم برف تھا پگھلنے کا کیا حرف تھا ہر سنگ
کے سینہ میں آگ تھی گواہ شرعی شرر تھا لیکن سردی کو بھی یہ لاگ تھی اور جاڑے کا ایسا اثر
تھا کہ سلیس کی سلیس جمی پڑی تھیں فولاد سے زیادہ کڑی تھیں تنور فلک چہارم کی چھاتی سرد تھی
گلخن میں یہ برودت تھی کہ کشمیر گرد تھی لنجوں نے بٹیر پکڑے لوے لولوں کے ہاتھ آئے لنگڑے
ہرن باندھ لائے سرزمین ہند میں مردے نہ جلتے تھے زندوں کے ہاتھ پاؤں گلتے تھے آتش رخسار
گل شبنم نے بجھائی تھی باغ میں بھی جاڑے کی دہائی تھی اوس برگ و بار کی صنعت پروردگار کی
دکھاتی تھی مرصع کاری یک لخت نظر آتی تھی دانہ ہائے اشک شبنم خواہ بڑے یا ریزے تھے ہر شجر کے
پتے اور شاخ میں الماس و موتیوں کے آویزے تھے عذار لالۂ احمر رشک زعفران تھا طلائی درختوں
کی ٹہنیاں کہربائی پتے بہار میں رنگ خزاں تھا اس سردی کا کہیں ٹھکانا تھا حمام تہ خانے کا خسخانہ
تھا آگ پر لوگ جی نثار کرتے تھے زردشت کا طریق اختیار کرتے تھے اس زمانے میں جاڑے کی یہ ترقی
تھی کہ آجتک بتوں کی سرد مہری نہ گئی آفتاب عازم برج حمل تھا آتش پرستوں کا عمل تھا زیست سمندر کے
عنوان تھی آگ خلقت کی جان تھی عاشق تو کیا معشوق ٹھنڈی سانس بھرتے تھے گرمی نہ کرتے تھے
دانت سے دانت بجتا تھا ہونٹ نیلم کو شرماتے تھے پان کے لاکھے میں سوسن کی پنکھڑی سی نظر آتی تھی
عاشق تن پریوں کو ساتھ سلاتے تھے اس پر بستر کو گرم نہ پاتے تھے جاڑے میں ہر ایک الست تھا عالم
اللہ کا آتش پرست تھا جاڑے سے اُس دشت میں ایسا پالا پڑا تھا تمام اہل لشکر کو تپ لرزے کا عالم تھا بانکے
ترچھے اینٹھے جاتے تھے ڈھال تلوار کھڑکھڑانے کے عوض دانت کڑکڑاتے تھے تینچے چقماق پتھر کلے لاٹھی
سے بیکار ہو گئے تھے جانب کے پتھر آگ نہ دیتے تھے اور توڑے دار کا یہ حال تھا کہ بوجھ کندھا توڑے
دیتا تھا قدم اٹھانا محال تھا توڑا ہر ایک گل تھا طوطے کی جگہ شور بلبل تھا ہوش لوگوں کے کانپتے تھے کیچوبکی
مٹی کو الاؤ سمجھ پھونکتے پھونکتے ہانپتے تھے ملائم لوگوں کے حواس جم گئے تھے جگنو کو چنگاری کے دھوکے
اٹھانے کو تھم گئے تھے سردی بسکہ کارفرما تھی ایک کو دوسرے کی تمنا تھی یہاں تک جاڑے کا زور و شور عالمگیر ہوا تھا
کہ کرۂ نار زمہریر ہوا تھا جان عالم نے فرمایا آج خیمہ ہمارا یہیں ہو بعد ورود متوجہ سامان عیش و نشاط ہوا اور ملکہ

انجمن آراسی پری پیکر محبوب طوطا مصاحب بے بدل بدل مرغوب دور شراب کا گردش میں الاّ کشتی شراب کی نہ چلتی تھی اور کباب بھوننے کو آگ نہ جلتی تھی گلاس شراب کا برف کی قفلیوں کو شرماتا تھا قطرہ مے اسمیں گرتے ہی جم جاتا تھا مینائے بے زبان کے منھ پر روئی تھی ایسی سردی ہوئی تھی گلا بیٹھا تھا جب بہت غل کرتی تھی تب قلقل کرتی تھی لب ساغر خشک جسم پر پسینہ تھا پانی کا پیالہ فخر آبگینہ تھا جاڑے کا لشکر میں ہر طرف شور و غل تھا بازار میں روئی کا لین دین بالکل تھا جب دور آفتاب ماہ جبینوں میں چمکا عالم سرور میں جانعالم کو خیال نزدیک دور آیا دل میں سوچا کہ اتنے عرصۂ دراز زمانۂ دیرباز تک ملکہ اور انجمن آرا کو ہم سے فرقت غیروں سے غربت رہی رنڈی کا اعتبار کیا ہے یہ قوم قدیم سے بیوفا ہے فردوسی

اگر نیک بودی سر انجام زن
زنان رامزن نام بودے نہ زن

یہ نشیب و فراز جو ذہن میں آیا جلی کٹی ہونے لگی کج بحثی صحبت کا لطف کھونے لگی وہ بیز پوش خانہ بدوش موقع شناس مزاجدان دلسوز ادب آموز بے زبان بلبل ہزار داستان دل کا حال جانتا تھا اڑتی چڑیا پہچانتا تھا سمجھا جانعالم کی طبیعت کبیدہ ہوئی قریب وہ وقت آیا چاہتا ہے کہ ایسی گفتگو آغاز ہو جس کا انجام یہ صحبت درہم برہم کرے بات کو کاٹ طبیعت کو اچاٹ کہنے لگا شہزادہ نشہ اس کیفیت سے حرام ہے کہ اسکی ترقی میں عقل کو تنزل ہے خیالات لاطائل آتے ہیں احسان بھول جاتے ہیں فقط گمان بیجا اور خیال وہ بھی نشے کے حال کا اسپہ حق خدمت سہو کرنا روکھی صورت بنانا فوراً بگڑ جانا آدمیت سے بعید ہے ایک ساعت ادہر مخاطب ہوجیے اس مدت مفارقت میں جو جو سانحے دیکھے افسانے اپنے بیگانے کے یاد کیے ہیں اگر گوش ہوش انھیں سنیئے تو یہ تخیلات فاسد دور ہوں جانعالم نے کہا ایسی بات اسوقت واجبات سے ہے جلد کہہ

طوطے کا بیان کرنا قصہ شاہ قوم بنی اسرائیل کا بھاوج پر فریفتہ ہونا دین و ایمان کھونا پھر سنگسار کرنا عورت کی بادیہ گردی پھر اسی شہر میں آنا

طوطے نے کہا جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بادشاہ تھا نیک طینت باصفا سخی و شجاع عابد پارسا اسکے عہد دولت میں دو بھائی تھے ایک تو شہر کا قاضی دوسرا مفتی بظاہر مرد مسلمان صاحب ایمان مفتی کی بیوی نہایت شکیلہ بہت جمیلہ تھی اتفاقاً عند الضرورت مفتی کو بادشاہ نے کہیں دو چار منزل بھیجا وہ اپنی عورت دم رخصت بھائی کو سونپ گیا قاضی گاہ گاہ خبر گوئی عورت کے پاس جاتا تھا پر وہ اسی واسطے خوب ہوتا ہے جتنا دنیا کا قصہ بکھیڑا ہے

ب آنکھوں سے دیکھا سنا ہے وہ بدرجہ حسین تھی قاضی کی آنکھ پڑی فریفتہ ہوا چند روز میں ولولۂ طبیعت حد سے فزوں بلکہ قریب بہ جنوں ہوا اگر وہ عورت جیسی خوبصورت تھی اس سے زیادہ عصمت وعفت رکھتی تھی ایسا حسن حسنِ اتفاق سے ہوتا ہے قاضی نے ایک دن اس سے سوالِ وصال کیا اس نے اس امر سے از حد انکار کر خوشامد کا کچھ خیال نہ کیا قاضی سمجھا یہ راضی نہ ہوئی اور نہ ہوگی خفت میں دور اندیشے ہوئے ایک تو محرومی وصال دوسرے افشائے راز کا خیال گھبرا کر بادشاہ سے عرض کی کہ دم رخصت میرا بھائی اپنی جورو مجھے سونپ گیا تھا اُس فاحشہ نے اُسکی غیبت میں زنا کیا مجھے ثبوت کامل ہوا بادشاہ نے مرد متشرع سمجھ صاحب زہد و ورع جان کر اختیار دیا قاضی نے اس کو تنہا بلا کر سمجھایا کہ ابتک خیر ہے مجھ سے راضی ہو نہیں بڑا اشر ہوگا تیرا ضرر ہوگا دل پر جبر اختیار کروں گا تجھے سنگسار کردوں گا وہ عورت شیر صفت اسکی گیدڑ بھبکی سے نہ ڈری مرگ پر راضی ہوئی اس کمبخت شہوت پرست نے شہر کے باہر لیجا کر اُس کو سنگسار کیا خلق خدا عبرت کناں خائف و لرزاں اپنے اپنے گھر پھری وہاں حافظ حقیقی نے شیشۂ حیات اُس نیک صفات کا سنگ ستم قاضی سے بچا لیا ٹھیس نہ لگی خواہش بجا ہیں ایسا ہی ہوجاتا ہے عقل پر پتھر پڑ جاتے ہیں شب کو عورت پتھر سر کا ایک سمت پیادہ پا روانہ ہوئی اُ جنگل میں ایک دیرانی تھی مرد خدا پرست بستی کو چھوڑ اہل دنیا سے منھ موڑ دشت بسایا تھا جب وہاں پہونچی اُس حق پرست نے اسکی غریب الوطنی پر رحم کھایا لڑکا اس کا خورد سال تھا اسکی خبرگیری کو اپنے پاس رکھا اس دیرانی کا ایک غلام سخت نطفۂ حرام تھا بد ذات گیدی مثل مشہور ہے لاخیر فی عبیدی رنڈی جوان دیکھ کر عاشق ہوا بہت چاپلوسی کی وہ ڈھب پر نہ چڑھی اس شقی نے دیرانی کا لڑکا ذبح کر تہمت اُس عورت پر کی اولاد کی محبت مشہور ہے امیر ہو یا فقیر اس میں مجبور ہے دیرانی کو بہ شدت رنج ہوا لیکن وہ صابر و شاکر تھا عورت سے کچھ نہ کہا بجز کہ رضینا بالقضا اور بیس دینار زاد راہ دے کر رخصت کیا وہ بیچاری مصیبت کی ماری پھر چل نکلی ایک شہر میں وارد ہوئی بازار میں بھیڑ دیکھی شور و غل برپا تھا اور ایک شخص کو زنجیر و طوق میں پھنسا کشاں کشاں لوگ لیے جاتے تھے عورت نے پوچھا اس سے کون سا جرم قبیح سرزد ہوا جو ایسی آفت میں مبتلا ہے لوگوں نے کہا یہ بیس دینار کا قرضدار ہے ادا کی طاقت نہیں اسکے بدلے یہاں کے سردار نے دار کا حکم دیا ہے عورت کو رحم آیا وہی دیرانی کے دینار دیکر قید سے

چھوڑا دیا وہ سکار بد باطن عیار بھارنڈی جو خوبصورت دیکھی جی بھر بھرایا کہا تو تو میری محسنہ ہے میں
تیرے ہمراہ رہوں گا خدمت گذاری کروں گا اس حیلے سے ساتھ ہوا کچھ دور شہر سے نکل تھی
راہ میں دریا ملا یہ مدت سے نہائی نہ تھی کپڑے بھی کثیف ہو گئے تھے ایک طرف لباس دھو کر نہا رہی
تھی ناگہاں ایک سمت سے دو جہاز وہاں آئے اہل جہاز نے دیکھا عورت قمرطلعت ہے اس حرام زادے
سے پوچھا یہ کون ہے اس نے اپنی لونڈی بتایا مول تول درمیان آیا غرضکہ مبلغ کثیر پر بیچکر کسی بہانے سے
جہاز پر چڑھا دیا روپیہ لے کر چل نکلا وہ دو سوداگر تھے دونوں اس پر مائل ہوئے قصّے فساد حائل ہوئے
پھر یہ صلاح ٹھہری کہ بالفعل مال کے جہاز پر رہے جب اسباب بک چکے اسوقت عورت جسے قبول کرلے
وہ لے جھگڑا اٹھایا اُسے مال کے جہاز پر بٹھایا ایک روز آندھی چلی طوفان آیا جس جہاز پر سوداگر تھے
وہ تو ڈوب گیا مال کا جہاز اور یہ جانباز سلامت رہی چند عرصہ میں جہاز اس شہر میں آیا جہاں سے
یہ سنگسار ہو کر نکلی تھی دو کلمے یہ سنو جس شخص نے اس کو بیچا تھا کسی تقریب سے وہ یہاں کے بادشاہ کا بخشی ہوا
اور ویرانی کا غلام بمدد ایام پایۂ وزارت پا گیا اور مفتی صاحب سفر سے پھر کر مفت جورو کے الم میں مبتلا تھے
جس دن جہاز اس شہر میں پہونچا وہاں کے پیغمبر کو حکم الٰہی آیا کہ ہمارا ایک خاص بندہ جہاز پر آیا ہے یہاں کا
بادشاہ وزیر بخشی و قاضی اور مفتی کو لیکر اسکے پاس جائے اور اس سال میں جو جو گناہ اُن سب سے عمدًا اور سہوًا
سرزد ہوئے ہوں اسکے روبرو بیان کریں جو وہ خطا معاف کرے تو ہم بھی درگذریں وگرنہ بلائے آسمانی
آفت ناگہانی اس زمین پر نازل کرونگا پیغمبر نے بادشاہ سے کہا وہ سب کو ساتھ لے کر جہاز پر آیا

تصویر زن عابدہ کے آنے کی اور بادشاہ مع قاضی و مفتی و بخشی



عورت پردہ چھوڑ کر آ بیٹھی تقریر شروع ہوئی پہلے بادشاہ نے کہا میں سیہ کار از سرتا پا گناہ گار معصیت کا پتلا ہوں مگر یہ خدشہ تازہ ہوا ہے کہ قاضی کے کہنے سے مفتی کی جورو کو بے تحقیقات جرم سرزنش کا حکم دیا ہے عورت بولی غفر اللہ لک یعنی بخشے خدا تجھے پھر مفتی نے کہا مجھے جورو کی طرف سے گمان بد ہے اس نے کہا تو ابھی چپکے بیٹھ پھر قاضی نے بیان کیا مجھ سے بدولت نفس امارہ یہ حرکت ناکارہ ہوئی کہ بجرم و خطا ایک بیگناہ کو سنگسار کیا اُس نے کہا اللہ تیری مغفرت کرے بعد اس کے وزیرِ وہ ویرانی کا غلام آیا ندامت سے سر جھکایا پھر کہا بندہ سے بتحریک شیطان و جوش شہوت جرم قبیح ہوا کہ آقا کا لڑکا مار کر صاحب عصمت کا قصور ٹھہرایا وہ بولی غفور و رحیم تجھ پر رحم کرے جب بخشی آیا وہ بیچنے کا ماجرا زبان پر لایا عورت نے کہا تو محسن کش ہے خدا تجھے نہ بخشے گا الغرض بخشی کی جان بخشی نہ ہوئی پھر وہ پردہ اٹھا باہر آئی مفتی سے کہا تو نے مجھے پہچانا یہ سب قصہ میری عفت کا فسانہ ہے آجتک خدا کی حفظ و عنایت سے عزت و آبرو بچی اب خلع کی امیدوار ہوں یہ مال و متاع تو اپنے صرف میں لا میں تنہا گوشہ عزلت میں بیٹھ کر عبادت کروں اسی شغل میں مروں یہ ماجرا دیکھ کر حاضرین صحبت ناظرین جلسہ تھرائے بادشاہ سلامت منفعل گھر آئے وہ عورت تو حجرہ بنا طاعت یزدان میں مشغول ہوئی دولت کونین حصول ہوئی طوطا یہ قصہ تمام کرکے بولا جانعالم جو ثابت قدم ہیں اُن کا ہر وقت اللہ یار ہے ہر بحر بے کنار سے اُن کا بیڑا پار ہے۔ فرد

نہ ہر زن زنست و نہ ہر مرد مرد
خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

یہ نقل سنکر شہزادے کا نشہ ہرن ہوا دونوں کی شفقت اور ایذا اٹھانی خانہ ویرانی بادیہ پیمائی یاد آئی خوف خدا سے شل بید کانپا ندامت سے عذر کیا کہ حالت نشہ میں جھک مارا قصور ہوا پھر ہنسی خوشی وہاں سے کوچ ہوا

یہ خاتمہ داستان ہے وطن پہونچنا شہزادہ جانعالم کا زیارت والدین اور لوگ چھوٹے ماہ طلعت کی طوطے سے ملکہ اور انجمن آرا کا دل بہلانا پھر وزیرزادے کا قتل سلطنت ترک کرنا فیروز بخت کا

چل اے توسنِ خامہ منزل رساں
کہ اب گھر پہونچتا ہے یہ کارواں

پھرا گھر کو شہزادۂ خوش سیر
جھکولے کا عالم بہت کر دفر

وہ اس طرح پہونچا وطن کی طرف
بہار آئے جیسے چمن کی طرف

بڑی فکر رہتی تھی ہر صبح و شام	ہوئی فضل حق سے کہانی تمام
وہ بچھڑے تو سب ہو گئے ایک جا	رہے اپنے مطلوب سے ہم جدا
رہی شرح جور فلک ناتمام	سرورؔ حزین توسن خامہ تھام

غرضکہ شہزادہ جانعالم بمنزل بمنزل مسافت طے کرتے بالخیر وطن پہونچا دو کوس شہر سے باہر خیمہ برپا ہوا لشکر ظفر پیکر اُترا یہ خبر فسحت آباد میں گھر گھر مشتہر ہوئی کہ کوئی غنیم فوج عظیم بیکراں دار ہوا شہر کا یہ نقشہ تھا جس روز سے جانعالم مفقود الخبر دربدر ہوا تھا ویران پڑا تھا وہ بادشاہ گریبان چاک سر پر خاک نہ تخت کی خبر نہ سلطنت سے سروکار نہ ملک سے مطلب نہ دربار سے غرض دیوانہ وار بادل بیقرار محل میں پڑا رہتا تھا اور شاہزادے کی ماں بھی غمگین اندوہناک بیچین دن رات غم کی حکایت اندوہ کے بین نصیب کی شکایت لب پر شور و شیون خلش نشتر غم سے کوئی ساعت قرار نہ باقی تھی ہر وقت بلبلاتی تھی یہانتک دوری دلبند مہجوری فرزند میں دونوں روئے تھے کہ آنکھیں ان عزیزوں کی یوسف گم گشتہ کے فراق میں دید کے اشتیاق میں ہم چشم دیدۂ یعقوب علیہ السلام ہو گئی تھیں بحکم آیہ وافی ہدایہ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ سچ ہے فراق نور چشم میں نور چشم کب رہتا ہے رات دن آنکھوں میں یکساں ہر وقت سراسیمہ و پریشان مگر ارکان سلطنت نمک خوار قدیم کوشش عظیم سے درپردہ ریاست کا کام سنبھالے تھے جب ورود لشکر بایں کر و فر سنا وزیر اعظم کو جانعالم کے پاس حال دریافت کرنے کو بھیجا بسکہ شہزادہ با امتیاز کی مفارقت کو زمانہ دراز گذرا تھا سوا سامان جاہ و حشم لشکر کا جم و خم فوج ہزار در ہزار انبوہ بیشمار خزانہ لاانتہا دیکھ کر وزیر گھبرایا اپنے شہزادے کا وہم و گمان نہ آیا دست بستہ عرض کی قبلۂ عالم گردش طالع واژوں نیرنگی گردوں سے وارث تخت سلطنت یہاں کا دفعتہً گم ہو گیا بادشاہ آسمان جاہ ہمارا مصیبت کا مارا جگر گوشے کی مفارقت میں دامان صبر و گریبان شکیب پارہ پارہ کر نور نظر بھی اس اپنے قرۃ العین طاقت بصر کے ہجر میں گریہ کی نذر کر چکا ہے ہنوز اس عین الکمال کے قدم کی خاک سرمۂ چشم مشتاقان کحل الجواہر دیدۂ منتظر نہیں ہوئی بعد سلام حضور کو یہ پیغام دیا ہے کہ اگر خواہش تخت یا تمنائے تاج منظور خاطر ہے بسم اللہ کل نہیں آج حاضر ہے مگر سلمان جنگ و جدال گرم بازاری

عرصۂ قتال خونریزی بندگان خدا ناحق ناروا ہے مجھے تخت سلطنت تختۂ تابوت سے بدتر ہے الا معاملۂ قضا و قدر سے مجبور ہر فرد بشر ہے ہرچند جینے سے سخت جی بیزار ہے لیکن مرنے کا کسے اختیار ہے شعر

مرنے کو ہیں تو راضی ہوں موت کو موت آگئی ۔۔ زندگی اب گلے پڑی اسکی میں کیا دوا کروں

شرح سخت جانی موجب پریشانی گوش حق نیوش جان کر طول کو مختصر کیا جانعالم یہ سنکر رو دیا وزیر کو گلے سے لگایا خلعت فاخرہ عنایت کیا پھر کہا افسوس تم نے گود کے پالے عرصۂ قلیل میں بھلا ڈالے بعد آداب و کورنش عرض کرنا کہ بدولت الفت پدری و تاثیر دعائے سحری سے خانہ زاد بامراد زندہ و سالم شرف آستان بوس سے مشرف ہوا اسوقت وزیر نے پہچانا قدموں پر گرا پھر سر اٹھا کر بے اجازت بھاگا اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا پکارا مبارک ہو

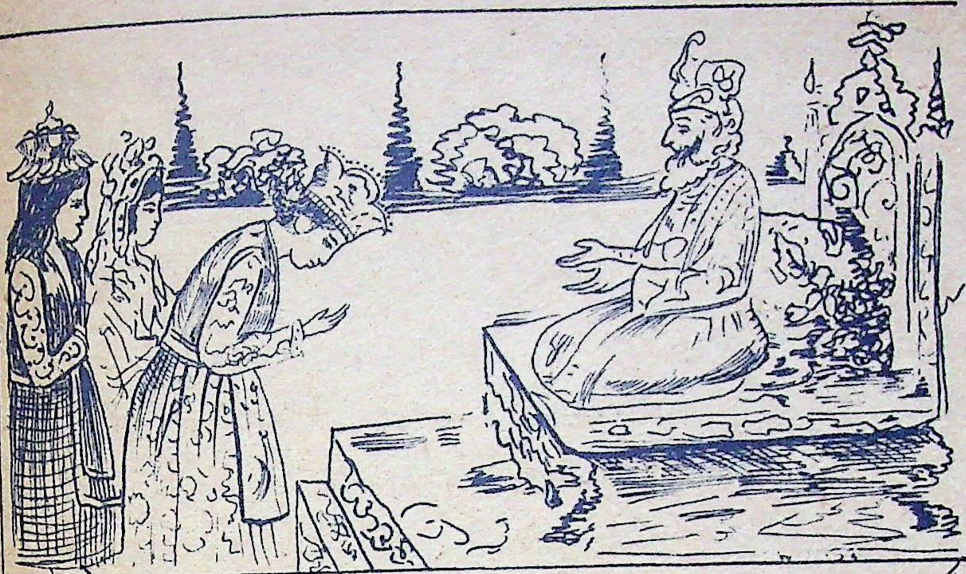
اُستاد بوئے یوسف سوِ پیغمبر کنعاں آئی

اے بادشاہ با اقبال و صاحب جاہ و جلال بہ عنایت جامع المتفرقین بہ باعث برکت دعائے مہاجرین نیر اوج بختیاری کوکب درخشندۂ سپہر شہریاری بافوج و لشکر و مجمع حوران پری پیکر یہاں آیا اور اس اجڑے نگر کو آباد کیا بسایا مشتاقوں کا دل الم رسیدہ شاد کیا مشکر صد شکر نالۂ شبگیر باتاثیر تھا بادشاہ کو تو مرتبۂ یاس حاصل تھا وزیر سے یہ کلمہ فرمایا۔ میر تقی

وہ اور ہوگی وقت سحر ہو جو مستجاب ۔۔ شرمندۂ اثر تو ہماری دُعا نہیں

وزیر نے مکرر عرض کی بس حضور شب دیجور ہماری ین قدم سے شمع انجمن افروز سلطانی کے روشن ہوئی اس گفتگو میں وزیر تھا کہ جان عالم تنہا داخل ہوا محل میں محشر کا قیام ہوا رونا پیٹنا مچا رنڈیوں کا اژدہام ہوا ماں باپ نے گلے سے لگایا شہزادہ بالراس والعین آداب بجا لایا عین عنایت الٰہی دیکھیے اُسی دم دونوں کی

جان عالم کی والدین سے ملاقات اور تخت پر بیٹھنا اور بعیش و عشرت بسر کرنا



آنکھوں میں بینائی جسم میں تاب و توانائی آئی بادشاہ جلد سوار ہوا بہوؤں سے لشکر میں جاکر دوچار
ہوا شہر والوں نے سنا صغیر و کبیر برنا و پیر دوڑے دونوں لشکر جلو میں ہمراہ آگے آگے جہاں پناہ
روپیہ اشرفی دو رویہ تصدق ہوتا محلسرا میں لاکر اتارا جان عالم کی ماں نے انجمن آرا اور ملکہ مہر نگار
کو دیکھا جان و دل دونوں پر نثار کیا بہت سا پیار کیا مبارک سلامت کی صدا در و دیوار
سے پیدا ہوئی جس نے دیکھا وہ شیدا ہوئی دو کر دن ملکہ اور انجمن آرا نے شاہ فیروز بخت
سے عرض کی کہ اگر حضور کی اجازت ہو تو شہزادے کے محلسرائے قدیم میں ہم جائیں ماہ طلعت
سے ملاقات کر آئیں بادشاہ نے فرمایا وہ عورت بدبخت سخت منہ پھٹ بڑھ بولی فضول ہے
اسے شرمندہ کرنے سے کیا حصول ہے میاں مٹھو بھی حاضر تھے بول اٹھے قبلۂ عالم یگانگت
مقتضائے ملاقات ہے خفت و ذلت کی کیا بات ہے بادشاہ چپکے رہا شہزادیوں نے سواری
طلب کی طائر پران نے پیشقدمی کر ماہ طلعت کو سلام کیا اسنے سر جھکا لیا یکایک سواریاں آپہونچیں
اسوقت وہ بیچاری خفت کی ماری اٹھی استقبال کیا دونوں نے گلے سے لگایا مسند پر جا
بیٹھیں ملکہ بڑی مقرر خوش بیان تھی انجمن آرا اتنی طرار کہاں تھی سلسلۂ کلام بدلداری تمام
کھولا کہ ہماری جانب اور گمان نہ لانا ہم بہرحال شریک بشاشت رفیق ملال ہیں طوطا انجمن آرا
کے سامنے آیا ماہ طلعت سے کہا حضرت سلامت اتنا زبان مبارک سے فرماؤ کہ آج سچا کون ہے
جھوٹے کے منہ میں کیا ہے اور تو کیا کہوں آپکی کج بحثی سے جانعالم کے ہاتھ یہ لوگ مہر جبین ماہ سیما آئے گو اتنا چکر

میرے سبب سے آپ کو ندامت ہوئی جھوٹے کے منہ میں گھی شکر ہوا انجمن آرا تو سیدھی بھولی تھی طوطے سے بدمزہ ہوئی فرمایا دیوانے کیا بیہودہ بکتا ہے پھر ماہ طلعت سے کہا سنو میری جان یہ جانور بے شعور عقل سے دور حیوانیت سے مجبور ہے دنیا کا کارخانہ فسانہ ہے رہا یہ حسن و خوبی عارض عارضی ہے اس پر کیا اترانا ہے یہ کیفیت یہ جوبن یہ سن چار دن کا ہے ناپائدار اس کا کیا اعتبار رنگ چمن دنیا جاوداں نہیں کون سی بہار ہے جسے خزاں نہیں حسن پر غرور بیجا ہے سرور یہ کہتا ہے شعر

بہتا دریا ہے یہ حسن اسمیں اسے دھوے ہاتھ ۔۔ بے خبر اتنا ہے کیوں بر سر ساحل بیٹھا

کل من علیہا فان و یبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام ۔ نظم

نظر پڑا چمن دہر میں جو ہم کو مکاں ۔۔ ہزار خار ہوئے دیکھی بلبل نالاں
ہمارے زعم میں اس سا نہیں کوئی ناداں ۔۔ جو اپنے حسن دو روزہ پہ کچھ ہوا نازاں
شکستہ رنگی گل شاہد چمن ہے یاں ۔۔ کہ اس بہار کا انجام آخرش ہے خزاں
گھمنڈ اس پہ حماقت کی بس نشانی ہے ۔۔ مقام عبرت و حیرت سرائے فانی ہے

آخرکار دونوں نے ماہ طلعت کو شیریں بانی اور اپنی خوش بیانی سے شگفتہ خاطر کیا دو چار گھڑی ہنسی خوشی اختلاط رہا مگر طوطا نوک جھونک چھیڑ چھاڑ کیے گیا پھر رخصت ہوئیں اس نے حاضر ہونے کا وعدہ کیا واقعی جنھیں اللہ حسن بے مثال مرتبہ جاہ و جلال دیتا ہے اُن لوگوں کا دل صفا منزل غبار کلفت اور عجب و نخوت سے صاف اور مرآت سینہ زنگ حسد و کینہ سے شفاف ہوتا ہے القصہ باہم بے رنج والم رہنے لگے سب شاد و بہرہ و زخنداں و خرم و فرحاں بسر کرنے لگے نئے سرے سے وہ اجڑا شہر بسا بنائے ظلم و ستم منہدم ہوئی مروج عدل و داد ہوا دونا سابق سے حال میں آباد ہوا خزاں چمن سے دور ہوئی بلبل نالاں مسرور ہوئی ایک روز جانعالم نے تمام خلقت کو در شہر پناہ پر طلب کر کے وہ بکری کا بچہ دکھا نمک حرامیاں اسکی سنا جلاد سے حکم کیا اسکے اعضا اعضا سے جدا بے دست و پا کر زاغ و زغن کو گوشت کی بوٹیاں اُڑا کر کھلا دو شکاری کتوں کو لہو بہا کر چٹا دو بجرد ارشاد سر اس بدنہاد کا تیغ جلاد سے جدا ہو گیا خلق خدا یہ حال دیکھ ماجرا اُس کے تھرا گئی سب نے اس بیدین پر لعنت اور نفرین کی جانعالم نے دولتسرا کی راہ لی اُسی روز فیروز شاہ نے تاج و تخت بیٹے کو حوالہ کیا خود گوشۂ تنہائی لیا بادشاہ شب اپنی عبادت اور بیداری میں سحر کرتا تھا

وہ تو صائم النہار قائم اللیل مشہور ہوا جانعالم ہر روز تخت پر جلوہ افروز ہوا عدل کی داد دیکے شب کو پری پیکروں میں بسر کرتا تھا یہ عادل و سخی و رحیم و شجاع یکتائے روزگار مشہور ہوا ذکر دونوں کا تا قیام قیامت صفحۂ روزگار و ورق لیل و نہار پر اور بر زبان یگانہ و بیگانہ رہا بات باقی رہ گئی نہیں تو دور دوراں میں کس کا دور رہا کس کا زمانہ رہا جس طرح جانعالم کے مطلب ملے اسی طرح کل عالم کی مراد اور تمنائے دلی اللہ دے علی الخصوص سامعین ناظرین راقم و مؤلف کی خواہش و آرزو بہ تصدق رسول عربی بر آئے بحرمۃ النبی و آلہ الامجاد بالنون و الصاد و باسباب ظاہر یہ فسانہ نادر زمانہ مضمون چکیدۂ دل و تحریر خامہ ہے اگر دیدۂ غور و نظر تامل سے ملاحظہ کرو تو حقیقت میں کارنامہ ہے فقط جس دم نظر فیض اثر سے جناب قبلہ و کعبہ مخدوم و مکرم آغا صاحب قبلہ آغا نوازش حسین خاں صاحب عرف مرزا خانی صاحب کے یہ گذرا بعد اصلاح شاگرد نوازی فرما کر قطعہ تاریخ سے زینت بخشی۔ قطعۂ اُستاد

برائے خاطر یاران و احباب	سرور ایں قصہ را چوں کرد ایجاد
بجستم سال تاریخش نوازش	فلک ایں گلستاں بے خزاں داد

۱۲۳۱ھ

ایک دوست بندے کے زمانے کے تعلق سے مثل سرو آزاد لالہ درگا پرشاد تھے ہنر میں عیب پوش تخلص مدہوش خم محبت سے مئے الفت جوش میں آئی تاریخ مستانہ زیب فسانہ فرمائی

مدہوش

کہا فسانہ جو یہ عجائب سرور دل خستہ حزیں نے	کہ جسکی تاثیر سے بیاں کے ہر ایک دل بیقرار دیکھا
جہاں پہ کچھ گل کی گفتگو ہے وہاں پہ کچھ اور رنگ و بو ہے	جہاں خزاں کی خلش ہے اسمیں وہاں کیا کیا نہ خار دیکھا
جہاں کیا غم نے ہے جگر خون نظر پڑا واں شفق کا عالم	کہیں جو ہے داغ دل کا پھولا تو اس جگہ لالہ زار دیکھا
کہیں جو چشمہ کا ماجرا ہے دکھائی وہ آب و تاب اس نے	کہ چشمہ چشم سے ہر اک کے رواں ہوا چشمہ سار دیکھا
کہیں جو دریا کا ذکر آیا تو کشتی دل ہے نذر طوفاں	جو کوہ نے سر کہیں اٹھایا تو جاں کو سنگسار دیکھا
ہوا ہے جس جس جگہ پہ اسمیں بیان سحر و طلسم و جادو	تو قدرت حق سے اس مکاں پر نئی طرح کا حصار دیکھا
جو قید میں دیو کی پھنسا ہے کسی جگہ پر کوئی پری رو	تو کیا نہ سامان چھوٹنے کا وہاں پہ بر روئے کار دیکھا
کسی جگہ پر جو جوگ آسن کا جوگیوں کے بیاں ہے اسمیں	تو خوب چھانا پر اس جگہ کچھ نہ غیر مشت غبار دیکھا

کہیں جو آمد کی یار کے کچھ خبر کا چرچا کیا ہے اُس نے	تو دیدہ ہر اہل دید کا داغ وقف صد انتظار دیکھا
جو وصل کی شب کا کچھ بیاں ہے تو جمع ہے خاطر پریشاں	جو روز ہجراں کا غم لکھا ہے تو دل کو کیا انتشار دیکھا
جو بزم کا کچھ بیاں کیا ہے تو کوئی محفل نہ دیکھی ایسی	جہاں کچھ رزم کا بیاں ہے ہر اک کو اسفندیار دیکھا
کہیں کھنچی ہے جو تیغ ابرو تو ہوگئے دل کے ٹکڑے ٹکڑے	کہیں جو تیر نگاہ چھوٹا تو صاف سینہ کے پار دیکھا
خرابی حال عاشق ایسی کہ جس پہ رونا فلک کو آئے	کہیں یہ معشوق کی ہے خوبی کہ ملک تک نگار دیکھا
نہ پوچھو حال اس فسانے کا تم کہ ڈھنگ کیا کیا بھرے ہیں اس میں	جو حسن دیکھا تو زر دیکھا جو عشق دیکھا تو زار دیکھا

ہوئی جو مدہوش کو یہ خواہش کہ سال تاریخ اس کا لکھے
تو کھینچکر آہ دل سے نکلا خزاں سے رنگ بہار دیکھا ١٢٨٠ھ

تاریخ از مصنف

جس نے کہ سُنا اس کو جی میں یہ لگا کہنے	یا رب یہ فسانہ ہے یا سحر ہے بابل کا
تاریخ سرور اس کی منظور ہوئی جس دم	بے ساختہ جی بولا نشتر ہے رگ دل کا ١٢٨٤ھ

تقریظ

کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی	کس بے کمال ہیچ نیرزد عزیز من

دنیا میں کمال ایک ایسا جوہر نفیس ہے کہ جس کے سبب سے انسان ہر دلعزیز ہوتا ہے اپنا بیگانہ مزرعہ دل میں اس کا تخم محبت بوتا ہے حاضر وغائب لوگ اس کے ثنا خواں رہتے ہیں دور دور اسکے کمال کے بیان رہتے ہیں آدمیت عقل و فہم و ادراک سے عبارت ہے اس پر اگر کسی طرح کا کمال بھی حاصل ہے تو یہ جوہر تیغ شرافت ہے بیکمال کی نفس الامر میں کچھ حقیقت نہیں گو صاحب دولت ہو مگر عزت نہیں کمال کے خواہشمند ہزار ہیں یہی لوگ دنیائے ناپائدار میں یادگار ہیں فی زمانہ ذی کمالوں میں بلبل خوش الحان حدیقۂ معانی طوطی شکرین مقال بوستان سخندانی مہر سپہر سخنوری گوہر بحر معنی گستری مضمون آفرین بعید بین شاعر نامی جلیل دبیر سحر تحریر منشی عطارد نظیر انشا پردازی میں معروف نزدیک و دور یادش بخیر مرزا رجب علی بیگ تخلص سرور مرحوم و مغفور جنکے اشعار خوب و نثر ہائے مرغوب اطراف جہان و اکناف عالم میں مشہور ہیں سے

فلک تفرقہ انداز کی کج بازی سے	وہ جدا ہو گئے فرقت کا نہ تھا جنکے گماں

المختصر فسانۂ عجائب جو تحریر فرمایا ہے زور طبیعت دکھایا ہے فی الحقیقت یہ فسانہ یادگار رہے شاہد بے مثالی مرزا صاحب ذی وقار ہے جب پڑھیئے وہی لطف قبول خاطر پیدا ہو سبحان اللہ کیا کہنا عہد شباب کا لکھا ہے ہر چند اور لوگوں نے تتبع کیا قدم بقدم چلے مگر توبہ کیجیئے کیا ہوتا ہے نہ پھولے نہ پھلے ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست	تانہ بخشد خدائے بخشندہ

الحق فسانۂ عجائب عجیب رنگین و دلفریب قصہ ہے مرزا صاحب ممدوح کا حصہ ہے زبان کوثر کی دھوئی شستہ و رفتہ سب کو مرغوب روزمرہ محاورے بہت اچھے نہایت خوبار و مسلے سراسر تجلی فقرے چست لفظیں درست عبارت سلیس فصاحت آمیز معانی لطیف بلاغت انگیز سرور افزائے دل انجمن آرائے جہاں جا نعالم ہے جیتنی کہانی لاثانی دل دگی کی نشانی ہے جیتنی اسکی تعریف لکھیئے کم ہے جہاں وصل کا بیان ہے عجیب لطف نہایت مزے کی داستان ہے جہاں ہجر کا ذکر ہے وہاں مرجانے کی فکر ہے جہاں معرکہ آبزری ہے وہاں شاہنامہ فردوسی طوسی گرد ہے جہاں سحر کا بیان طلسم کی تقریر ہے وہاں اور بھی نیرنگی تحریر ہے جہاں جس چیز کا بیان ہے وہاں ویسا ہی سامان ہے جہاں لکھنؤ کا حال لکھا ہے وہاں اس شعر کا مصداق پیدا ہے ؎

اگر فردوس بر روئے زمین است	ہمین ست وہمین ست وہمین ست

مرزا صاحب موصوف کے اوصاف جمیلہ محامد جلیلہ کالشمس فی نصف النہار ہیں کمالات صوری و معنوی میں یادگار دیار و امصار ہیں خداوند عالم انکی مغفرت فرمائے اور اس فسانہ کی یوماً فیوماً زیادہ تر شہرت فرمائے ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

فدا علی عیش

تاریخ طبع سابق از افضل الاماثل والاقران مولانا محمد مدیحا علیخاں صاحب مدظلہ شاہ آبادی محافظ عملہ تصحیح

سرور نکتہ دان مرحوم ومغفور
مقرر ذی سخن اس بات کا ہے
کچھ ایسا اس نے لکھا یہ فسانہ
نہ ایسا گوش سامع نے سنا ہے
فسانے سب ہیں اسکے سامنے ہیچ
سراپا خوبیوں سے یہ بھرا ہے
زباں کی کیفیت اسمیں الگ ہے
مقلد وہ اسی مرحوم کا ہے
جناب حضرت آغا نوازش
یہ بلبل بھی اسی گلزار کا ہے
یہ مطبع بھی اسی مطبع کی ہے شاخ
کہ جس پر بخششوں کا خاتمہ ہے
نمک خوار ونہیں اسکے جو ہوا وہ
کہ خاصیت میں مثل کیمیا ہے
جہاں میں کون ایسا ہے کہ اس کا
شجاعت میں وہ رستم سے سوا ہے
مگر ایجنٹ مطبع بھی ہے وہ شخص
بڑا لایق بڑا ذی مرتبہ ہے
کہوں جو کچھ میں ان دونوں کو حق ہے
مری اب آخری یہ التجا ہے

عجب ذی مرتبہ شاعر ہوا ہے
وہ اس فن میں ہوا نقاش اوّل
کہ جس کو دیکھیے اس پر فدا ہے
فسانہ اس طرح اس نے لکھا
کوئی قصہ نہیں اس لطف کا ہے
یہ افسانہ ہوا مشہور عالم
عبارت کا مزہ اسمیں جدا ہے
ہے اس استاد نامی کا جو استاد
غزل خوانی میں جو یکتا ہوا ہے
اودھ اخبار مطبع ہے جو نامی
یہاں بھی بارہا چھاپا گیا ہے
پراگ اوّل میں نارائن ہوا آخر
امیرانہ بسر فرما رہا ہے
مطابع اس نے وہ جاری کیئے ہیں
دل و جان سے نہیں مدحت سرا ہے
بہر صورت وہ ہے ممدوح کونین
نہیں مانند اسکے دوسرا ہے
دیانت قابلیت میں ہے یکتا
لکھوں جو کچھ انھیں میں وہ بجا ہے
غرض تاریخ کی مجھ کو ہوئی فکر

کلام اس کا ہے مقبول خلائق
اُسی سے اسکی گویا ابتدا ہے
نہ ایسا چشم بینا نے ہے دیکھا
کوئی لکھے جو اب مقدور کیا ہے
ہے خوبی دیکھنے پر اسکے موقوف
اس افسانے کی شہرت جا بجا ہے
لکھا بعد اسکے جس نے جو فسانہ
اسے بھی ایک عالم جانتا ہے
غزل گوئی میں بھی وہ فرد گذرا
اسی میں بارہا یہ چھپ چکا ہے
مگر مطبع کا مالک بھی ہے وہ شخص
کہ یہ نام مبارک کا پتا ہے
در دولت پہ اسکے کیوں نہو فیض
کہ جن سے دین و دنیا کا بھلا ہے
سخاوت میں ہے حاتم سے زیادہ
خدا نے نام نیک اس کو دیا ہے
دیال آخر میں ہے اوّل میں بھگوان
یہ منشی جی کو قسمت سے ملا ہے
رہیں یہ سب کے سب دلشاد و خرم
کہا ہاتف نے کیوں تو سوچتا ہے

اگر تاریخ کی ہے فکر حامد
لکھ اچھی داستان فرحت فزا ہے
١٣٢٦ھ

تاریخات طبع سابق از عدیم المثال مؤرخ کامل منشی بھگوان دیال صاحب عاقل سکینہ ہانسی

چو شد مطبوع ایں نادر فسانہ	ز تصنیف سرور خوش بیانی
پے تاریخ ہجری گفت عاقل	سرور آئین چہ نادر داستانی ۱۳۲۶ھ

ایضاً

طبع شد ایں فسانۂ نادر	بہ خدا ہشت خوشنما قصہ
گفت تاریخ ہجریش عاقل	فرحت انگیز دل کشا قصہ ۱۳۲۶ھ

ولہٗ

یہ وہ قصہ ہے جاں فزا بہ خدا	جس سے دل کو سرور وافر ہے
سال ہجری میں تو بھی لے عاقل	کہہ یہ زیبا سرور خاطر ہے ۱۳۲۶ھ

خاتمۃ الطبع

للہ الحمد والمنۃ کہ یہ قصۂ نادر و غرائب اسم بامسمیٰ فسانۂ عجائب معروف و مشہور نزدیک و دور من تصنیف اینف ماہر نکات سخنوری واقف رموز شاعری سخنور ذوی شعور فخر الشعراء مرزا رجب علی بیگ سرور مرحوم و مغفور تلمیذ ارشد کلیم سخندانی موجد شعر خوانی آغا نوازش علیخاں معروف بہ مرزا خوانی در مطبع راجہ رام کمار وارث مطبع نامی گرامی منشی نولکشور بحسن اہتمام منولال سرویا ستو یہ منیجر بہ تصحیح تام و تنقیح مالا کلام ۱۹۵۴ء انتالیسویں بار بحسن و خوبی طبع ہوا

اعلان

الف لیلہ بطرز ناول دو جلد

نتیجۂ قلم ظرافت رقم پنڈت رتن ناتھ سرشار مرحوم

الف لیلہ کی دلچسپی و دلکشی سے زمانہ واقف ہے۔ اور سب جانتے ہین کہ مشرقی افسانون اور ایشیائی قصون مین کوئی کتاب اس کتاب سے بہتر نہیں لکھی گئی اس کا ایک ایک قصہ گذشتہ ایشیائی معاشرت کا مصفے اور مجلے آئینہ ہے۔ زمانۂ ہارون الرشید کے وہ وہ حیرت افزا قصے اس مین درج ہیں کہ دیکھکر آدمی نقش حیرت ہو جاتا ہے۔ مگر ضرورت تھی کہ ان قصون کو بہترین اسلوب بیان اور اعلے عبارت مین مکالمہ اور ناول کے طرز مین لکھکر رنگین سے رنگین بنایا جائے۔ اسی کمی پر نظر ڈالتے ہوئے سرشار نے اسکو اپنے دلکش طرز مین تحریر کیا۔ جہان شوخی کی ضرورت تھی شوخی۔ اور جہان متانت کی احتیاج تھی متانت کا اضافہ کیا۔ اور کتاب کو بالکل نئی اور اوریجنل بناکر ملک کے سامنے پیش کر دیا۔ فقرہ فقرہ پر بیساختہ داد دینا پڑتی ہے۔ اور جملہ جملہ پر پڑھنے والا توصیف و تعریف مین رطب اللسان ہو جاتا ہے۔ قیمت کامل دو جلد للعہ۔

خدائی فوجدار

انگریزی کی کتاب ڈان کوئکساٹ ڈی لامان کا ترجمہ ہے۔ مگر کم ہونگے وہ لوگ جو اصل کو دیکھین اور اسکے ترجمہ سے قطع نظر کرین۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اس مین پنڈت رتن ناتھ کی طرز تحریر اور جادو نگاری نے سونے پر سہاگے کا کام کیا ہی اور اسمین وہ رنگ پیدا کر دیا ہی جو اصل مین بھی نہ تھا۔ جناب خدائی فوجدار جو اس قصہ کے ہیرو ہیں۔ حماقت کے مجسمہ۔ بلکہ بیوقوفی کی زندہ تصویر ہیں۔ اول تو انکی حرکتین خود ہی اتنی عجیب و غریب ہیں کہ انکو زندہ پانے کی حالت مین ضرور کسی عجائب خانہ مین بھیجنا چاہیے اسپر سرشار کی جادو نگاری نے نمک مرچ لگا کر اور بھی چٹ پٹا بنا دیا ہی اگر ہزار ناولون کے مقابلہ پر تنہا اس کو رکھا جائے تو بھی شاید ہی کا رنگ غالب ہیگا۔ زیور طبع المشتہر منیجر راجہ رام کمار پریس مطبع بکڈپو لکھنؤ